urdukutabkhanapk.blogspot
گفتگو
۲۰
واصف علی واصف
www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

گفتگو-20

کاشف پبلی کیشنز

۳۰۱-اے جوہر ٹاؤن ○ لاہور

نام کتاب گفتگو - 20
مصنف واصف علی واصفؔ
سال اشاعت 2006ء
قیمت Rs 300 روپے

ناشر:
کاشف پبلی کیشنز
۳۰۱۔ اے جوہر ٹاؤن لاہور، فون: ۵۳۰۰۴۳۸

ڈسٹری بیوٹرز: خزینۂ علم و ادب
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

جنہیں خود ڈھونڈتی پھرتی ہے منزل
وہی واصفؔ سوئے منزل گئے ہیں

(واصفؔ علی واصفؔ)

عرضِ ناشر

اہلِ دل اور اہلِ فقر کو جب مخلوق سے بات کرنے کا اِذن اور حکم ملتا ہے تو وہ اُن سے کلام کرنے اور رابطہ بنانے کے لیے کسی ایک قسم کا میڈیم استعمال کرتے ہیں۔ ان اقسام میں انسانوں سے بالمشافہ ملاقاتی گفتگو، محفل کے اجتماع سے خطاب، خطوط اور وصایا شامل ہیں۔ نئے دور کے نئے تقاضوں اور نئی سہولتوں کی وجہ سے نئے ذرائع بھی ان میں شامل ہو گئے ہیں۔ ان میں ٹیلی فون اور ای میل سرفہرست ہیں۔ اخباروں اور رسائل میں مضامین، مباحث اور مکالمے بھی ان کے پیغام کو پھیلانے کا ذریعہ بنے۔ ریڈیو اور ٹی وی نے بھی اس سلسلے میں ایک مضبوط اور مؤثر ذریعے کا کام دیا ہے۔ ان اصحاب نے اردو، انگریزی، پنجابی اور دوسری زبانوں کو اپنے اظہار کے لیے منتخب کیا اور اپنی لہر کے مطابق ان میں بات کی اور خیال کو آگے بڑھایا۔ مگر ان سب میں سے مضبوط میڈیم اظہارِ خیال کے لیے نثر یا نظم کا انتخاب تھا۔ پچھلے ادوار کا جب جائزہ لیا جائے تو کچھ دور ایسے تھے جن میں شاعری مجموعی انسانی شعور کے اظہار کے لیے سب سے طاقت ور ذریعہ تھی۔ ایسے دور میں صاحبانِ بصیرت نے اپنے پیغام کی اشاعت اور ترسیل کے لیے شاعری کو اظہار کا ذریعہ بنایا۔ کچھ دور ایسے بھی تھے جن میں فکر اور تعقل کے حامل لوگ نثر میں اپنا اظہار کیا کرتے تھے۔ زمانے کی اس نہج کو دیکھتے ہوئے ان بزرگوں نے بھی نثر کو وسیلہ بنایا اور انسانوں تک اپنا پیغام پہنچایا۔ قبلہ واصف صاحبؒ کی ذات کی

جب بات آئی تو حیرت کا اک باب کھل جاتا ہے آپ نے اپنا پیغام دینے کے لیے ان میں سے ہر میڈیم کو منتخب کیا اور کئی زبانوں سے اس کی تزئین کی۔ انفرادی گفتگو، محفل کی گفتگو، ٹیلی فون کی گفتگو، خطوط کے جواب، اخبارات میں کلام اور مضامین، ریڈیو سے خطابات اور ٹیلی ویژن پر کلام واصف......غرض ہر طرح کا ذریعہ ان کے ابدی پیغام کے لیے استعمال ہوا۔ اور پھر زبان کی جب بات آتی ہے تو اردو نثر پارے، اردو انشائیے، اردو شاعری، ہندی شاعری، پنجابی شاعری، فارسی قطعے اور انگریزی میں تقاریر، خطوط اور کتابیں...... حیرت کا اِک ایسا جہاں نظر آتا ہے کہ ایک ہی ذات کے اتنے رنگ، نئے رنگ بلکہ رنگ ہی رنگ......اور یہ سارے رنگ اُس بے رنگ ذاتِ الٰہی کے ہیں جس نے رنگوں کی یہ کائنات بنائی ہے وہ ذاتِ باری تعالیٰ یوں وقتاً فوقتاً اپنے رنگ دکھاتی رہتی ہے۔ اور انسانوں کی بے رنگ اور پھیکی زندگی میں اپنی محبت اور الوہیت کے رنگ بھرتی رہتی ہے۔ قبلہ واصف صاحب کی گفتگو بھی انہی رنگوں سے مزیّن تھی۔ ان سے جب لوگ سوال کرتے ہیں تو رنگ اور روشنی کا دروازہ کھل جاتا اور ان کی محفل میں آنے والے لوگ اس جلوے سے سرفراز ہوتے۔

ہمارے ادارہ نے اس گفتگو کو جب تحریر میں منتقل کیا تو قارئین نے اسے بہت سراہا اور مزید کتب کی فرمائش آنے لگی۔ ان کی اسی چاہت کے جواب میں آج ہم آپ کو اس سلسلے کی بیسویں جلد پیش کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ پڑھنے والے اصحاب پہلے کی طرح اسے اپنے حال اور خیال کے لیے مشفّی پائیں اور ہمیں اپنی رائے سے بھی مطلع کریں گے۔

فہرست

﴿ 1 ﴾

﴿3﴾

﴿4﴾

﴿ 5 ﴾

﴾ 6 ﴿

﴿ 7 ﴾

1 مایوسی کیوں آتی ہے بلکہ کیا ہوتی ہے؟

2 مجھے لگتا ہے کہ جو غلط کام میں نے کیے ہیں ان پر ندامت آنا کم بات ہے، توبہ بھی کم ہے......

3 ضمیر کے بارے میں بتا دیں کہ یہ کیا ہے؟

سوال:-

مایوسی کیوں آتی ہے بلکہ کیا ہوتی ہے؟

جواب:-

انسان اگر اپنے اعمال کو دنیا سے Compensate کرانا چاہے تو یقیناً اُسے مایوسی ہوگی۔ آپ کئی طرح کے عمل کرتے ہیں۔ مثلاً وہ عمل جو آپ لوگوں کے بتائے ہوئے قوانین، مزاج، فیشن اور رائے کے مطابق کرتے ہیں۔ آپ کا بہت سارا عمل جو ہے وہ لوگوں کے لیے ہوتا ہے۔ ہم چل رہے ہوتے ہیں تو کسی نے کام پہ لگا لیا، کسی نے رائے کا اظہار کر دیا۔ کسی نے اگر کہہ دیا کہ یہ آدمی تیز دوڑتا ہے تو وہ بھاگنا شروع کر دیتا ہے۔ تو لوگوں کی Opinion کو Cater کرنے کے لیے آپ اپنا عمل کرتے جا رہے ہیں۔ اس کے اندر مایوسی یوں آتی ہے کہ جن لوگوں کے لیے آپ نے عمل کا آغاز کیا اور کچھ عرصہ بعد وہ انسان نہ رہے اور عمل جاری رہا، Appreciate کرنے والے چلے گئے تو آپ کو مایوسی ہوگئی۔ انسان اپنی محفلوں کا آغاز دوستوں سے کرتا ہے اور آہستہ آہستہ، کچھ عرصے کے بعد اس کے پاس ہجوم تو رہتا ہے لیکن دوست نہیں رہتے۔ یعنی کہ اپنوں میں رہنے والا کچھ عرصہ کے بعد لوگوں میں تو رہتا ہے لیکن اپنوں میں نہیں رہتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی

ساری لیبر ضائع ہو جاتی ہے۔ یہ وہ لیبر تھی جس کا Reward آپ نے دنیا سے چاہا تھا اور وہ ہمیشہ مایوسی پیدا کرے گی چاہے اس کی Appreciation ہو بھی گئی ہو۔ کچھ عرصہ بعد کچھ لوگ آئیں گے جو یہ کہیں گے کہ تو نے کیا غلطی کی۔ مثلاً آپ نے ایک دکان بنالی، بہت اچھی دکان۔ کاروبار بہت سیٹ کرلیا۔ بڑی کامیابی ہوگئی، شہرت ہوگئی۔ جو لوگ دوست تھے وہ بڑے خوش ہوئے۔ پھر دوست غائب ہوگئے، سین آف ایکشن سے رخصت ہو گئے۔ اب دوسرے ساتھی قریب آ گئے۔ انہوں نے کہا یہ آپ نے کیا حرکت کی ہے، کیا دکانیں بنا رہے ہو، یہ تو بہت غلط بات ہے۔ تو آپ کا قابل تعریف عمل جو ہے ماحول بدلنے سے غیر قابل تعریف رہ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پرانی روش پر چلنے والا نئے لوگوں کی موجودگی میں پرانی تعریف حاصل نہیں کرسکتا۔ اس طرح مایوسی ہو جاتی ہے۔ تو دنیاوی انداز سے لوگوں کے مزاج کے مطابق سفر کرنے والا آدمی کہیں نہ کہیں مایوسی سے دوچار ہوتا ہے۔ دنیاوی لوگوں میں رشتے دار بھی ہو سکتے ہیں۔ مثلاً آپ نے رشتے داروں کے لیے مال کمایا، کچھ عرصہ کے بعد مال موجود ہوتا ہے، رشتے دار بھی موجود ہوتے ہیں مگر آپ نے ان کو مال نہیں دیا۔ کمایا اولاد کے لیے مگر وہ جو مال کی محبت ہے وہ ڈسٹری بیوشن کی محبت پر غالب آ گئی۔ کمایا کیوں؟ Incentive کیا تھا؟ رشتہ دار، بچے۔ آپ نے کہا کہ یہ ضرورت مند ہیں، ان کے لیے کمانا چاہیے۔ آپ کے پاس یہ Force تھی۔ بچے دانا ہیں، کہتے ہیں کہ ابا کے پاس پیسہ ہے، تو وہ آپ سے مانگتے ہیں۔ آپ ڈسٹری بیوشن کی جرأت نہیں کر سکتے کیونکہ پیسے سے محبت ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے لیے آپ نے مال کمایا، وہی لوگ آپ نے محروم

کر دیے۔ تو پیسہ کمانے کے باوجود مایوسی ہوگئی۔ عمل تو ٹھیک تھا لیکن مایوسی اس لیے ہوگئی کہ مال دار آدمی جو ہے کچھ عرصہ کے بعد بخیل ہونا اُس کے لیے لازمی ہے۔ پہلے انسان کہتا ہے کہ میں مال کماؤں گا ان بچوں کے لیے' ان کے لیے پیسہ چاہیے' ان کو تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔ اور اب بچے کہتے ہیں کہ ہمیں پیسے دو تو یہ کہتا ہے کہ پیسے دینا بڑا مشکل ہے' جب میں مروں گا تو تم لے لینا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عمل مایوس کر دیتا ہے۔ دنیا کے مزاج کے مطابق چلنے والا' لوگوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے والا' لوگوں کے انداز کے مطابق سفر کرنے والا' شہرتِ زمانہ کے مطابق کام کرنے والا اور چند آدمیوں کو راضی کرنے کے لیے کام کرنے والا مایوسی سے دوچار ضرور ہوگا۔ پہلے اُس کو کامیابی ہوگی اور پھر کامیابی یک لخت فلاپ ہو جائے گی۔ ہر گناہ گار اپنے گناہ میں کامیاب ہوتا ہے' کامیاب تو ہوتا ہے لیکن مایوس ہو جاتا ہے۔ تو آپ نے جو Ends اختیار کیے' مقاصد اختیار کیے' اُن مقاصد کے لیے آپ نے غلط ذرائع چُنے۔ مثلاً اولاد کی خدمت کرنا نیک مقصد ہے لیکن جائز ناجائز ذرائع سے آپ نے مال اکٹھا کیا' پھر اولاد کو بھی نہیں دیا اور آپ کا عمل بھی بُرا ہو گیا' آپ کا عمل ناجائز ہو گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مایوسی ہوگئی۔ ایک عمل وہ ہوتا ہے جو انسان اپنی مرضی کے مطابق کرتا ہے' کہ جی میں آیا اور کام کر گئے۔ یہ اپنے جی میں آنے والی جو بات ہے اس کا یہ ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد اپنے جی میں اور بات آجاتی ہے۔ اس طرح مایوسی ہو جاتی ہے۔ کبھی آپ ارادہ کرتے ہیں جاگنے کا' پھر کچھ دن بعد آپ ارادہ کرتے ہیں سونے کا۔ مثلاً یہ ارادہ کر لیا کہ آج ہم جاگیں گے' تہجد پڑھیں گے' نفل پڑھیں گے۔ تھوڑی دیر بعد کہتا ہے کہ نیند بھی

ضروری ہوتی ہے۔ تو آپ اپنے آپ کو Justify کر کے سو جاتے ہیں اور پھر صبح اُٹھ کے آئینے کا سامنا کیا تو مایوسی ہوگئی کہ یہ تو وہی ہے جس نے دَم خم کے ساتھ جاگنے کا ارادہ کیا تھا۔ تو آپ اپنے آپ کو دیکھ کر خود مایوس ہو گئے کہ اپنے ارادے میں آپ کو استقامت نہ ہوئی۔ اگر آپ اپنے ارادے میں کامیاب ہو بھی گئے تو دوسرے ارادے میں ناکام ہو جانا ہے۔ مثلاً ارادہ یہ ہے کہ جی چاہتا ہے کہ میں سیر کرتا جاؤں۔ کچھ عرصہ بعد جب بیماری پاس آئے گی تو پھر کہے گا کہ جی چاہتا ہے کہ میں آرام کرتا جاؤں۔ آپ کا جی یا آپ کا نفس جو ہے یہ بدلتا ہی رہتا ہے۔ اس کے اندر ہر طرح کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی آرام کی تمنا، کبھی سفر کی آرزو۔ اسے اگر کہیں کہ اپنے رشتے دار، بھائی کے پاس تو جاؤ تو وہ کہتا ہے کہ اب بھائی کے پاس کیا جانا ہے، کیا وہ ہمارے پاس کبھی آیا ہے؟ اگر وہ نہیں آیا تو تُو اس کے پاس چلا جا۔ پھر انسان کبھی اپنے آپ کو بگاڑتا ہے اور کبھی بناتا ہے۔ اس طرح نفس کے مطابق عمل کرنے والا انسان مایوس ہو جاتا ہے۔ دو طرح کے اعمال ہوتے ہیں۔ دنیا کے مطابق عمل کرنے والا مایوس ہوگا، کہ لوگوں کے کہنے کے مطابق اپنی وضع بدل لی۔ لوگ توجہ نہیں کرتے اور پھر یہ پریشان ہو جاتا ہے۔ پھر کسی اور مزاج سے چلتا ہے تو بھی پریشان ہو جاتا ہے۔ یہ جو آنکھوں میں سُرمہ لگا رہا ہے اگر اس کو دیکھنے والے اندھے ہوں تو پھر سرمہ کیا کام کرے گا۔ یہ تو پھر نامناسب بات ہے۔ لوگ دراصل آپ کی اصل حقیقت کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ تو دنیا کے مطابق عمل کرنے والا بھی مایوس اور نفس کے مطابق عمل کرنے والا بھی مایوس ہوگا۔ نفس جو ہے یہ بے تحاشا کھاتا ہے، جی چاہتا ہے کہ بس کھاتے جائیں۔ اور

جب بیماری اور ڈاکٹر آ جاتے ہیں تو پھر کھانا پریشان کرتا ہے۔ کہتا ہے لعنت بھیجو یہ کھانا مجھے نہیں کھانا چاہیے تھا۔ ڈاکٹر کہے گا کہ نمک چھوڑ دو، میٹھا چھوڑ دو حتیٰ کہ بہت کچھ چھوڑ دو۔ انسان جو چیزیں رغبت سے کھاتا ہے کچھ عرصہ بعد انسان کے وجود میں اتنی استعداد نہیں رہتی کہ وہی اشیاء رغبت سے کھاتا جائے۔ تو نفس کی خوشنودی بھی دیرپا نہ ہوئی۔ آپ جو بھی خواہش کرتے ہیں وہ پوری ہونے کے بعد آپ اس قابل نہیں رہتے کہ دوبارہ خواہش کریں۔ یہ ہے نفس۔ کہ آپ نے نفس کو مطمئن کیا، سو گئے، نیند کا غلبہ تھا، بڑی لطف دار نیند آئی لیکن بعد میں پھر وہی واقعات، وہی دوڑا بھاگا پھرتا ہے۔ ایک واقعہ آپ دو دفعہ نہیں کر سکتے۔ نفس کی یہ خوبی ہے کہ آپ کو صحیح راستے پر نہیں لے جائے گا، کہیں نہ کہیں Justify کر کے آپ کو گمراہ کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دعا کیا کرو کہ تم بچ جاؤ۔ من شرور انفسنا۔ تو دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بچا ہمارے اپنے نفس کے شر سے۔ نفس جو ہے وہ آپ کو عابد کے طور پر رکھنا چاہتا ہے اور عبادت سے محروم کرتا ہے، نیک مشہور کرنا چاہتا ہے لیکن بدی کے اندر سفر کراتا ہے۔ یہ وہ شیطان ہے جو کہتا ہے کہ تم برائی کرو اور جب انسان برائی کرتا ہے تو وہ اس کے اوپر پردہ ڈال دیتا ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ اس کی برائی کوئی نہیں دیکھ رہا۔ پھر شیطان یہ کام کرتا ہے کہ باہر نکل کے مشہور کر دیتا ہے کہ وہاں برائی ہو رہی ہے۔ اور جو برائیاں مخفی ہوتی ہیں وہ آڈٹ ہو کے باہر آ جاتی ہیں۔ آڈٹ اسی کا نام ہے کہ آپ نے فائل کے اندر جو گمراہی کی ہے آڈٹ والے آ کے کہیں گے کہ اس پر تو Over writing ہے۔ تو یہ کیا ہوا؟ خرابی نفس ہمیشہ Over writing کرتا رہتا ہے اور پھر پکڑا جاتا ہے۔ وہ لوگ جنہوں

نے اللہ کی رضا کے لیے کام کیا، وہ کام چاہے کامیاب ہو یا ناکام ہو، انہیں کبھی مایوسی نہیں ہوئی۔ اگر ایک کام ناکام ہو گیا ہے اور وہ اللہ کی خوشنودی کے لیے کیا تھا، تو وہ کامیاب ہے۔ اس پہ کوئی افسوس نہیں ہونا چاہیے۔ وہ کہتا ہے کہ ہم تو خوش نیتی سے چلے تھے، اس بندے کو ہم بچانے کے لیے گئے تھے لیکن ہمیں راستے میں اطلاع ملی کہ بندہ اللہ کو پیارا ہو گیا، تو اب مایوسی کی بات کوئی نہیں ہے کیونکہ ہمارا عمل تو نیت کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے تھا۔ اگر آپ اپنے عمل کو اللہ کی رضا سے In Tune کرا دو تو کبھی مایوسی نہیں ہوگی چاہے کام نامکمل ہی ہو۔ مایوسی تب ہوگی اگر دنیا کے مطابق کام کیا۔ ایک حدیث شریف ہے کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ اولادیں اور ماں باپ انسان کو ہلاک کر دیں گے۔ وہ وقت بڑا مشکل ہوگا۔ اس وقت بہتر ہوگا کہ تم بے شک شادیاں نہ کرو۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی یارسول اللہ وہ کیسا زمانہ ہوگا کہ اولاد اور ماں باپ انسان کو ہلاک کریں، وہ تو کبھی نہیں ہلاک کرتے۔ آپؐ نے فرمایا بات یہ ہے کہ اولاد باپ سے وہ تقاضا کرے گی جو اس کی استعداد میں نہ ہو، ماں باپ اس سے وہ تقاضا کریں گے جو اس کی دسترس میں نہ ہو، اس کو غریب ہونے پر غیرت دلائیں گے اور وہ غیرت کے لیے اپنا آپ کو امیر کرنے کے لیے ایمان بیچنے پر مجبور ہو جائے گا۔ یعنی کہ حرام کی کمائی آپ لا کے میز پہ رکھتے ہیں اور اولاد سے کہتے ہیں کہ بسم اللہ کرو، کھاؤ۔ تو وہ کیا بسم اللہ کریں کہ وہ تو ''انا للہ'' والی کمائی ہے یعنی کہ ناجائز کمائی ہے۔ تو اولاد کیا کھانا کھائے کیونکہ وہ کھانا ہی ناپاک ہے۔ اس طرح اولاد ہلاک کر دیتی ہے، ماں باپ بھی ہلاک کر دیتے ہیں، دنیا آپ کو ہلاک کر دے گی کہ آپ کی غلط چیز کی تعریف کر دے گی۔ پھر آپ کے ساتھ

وہی ہوگا جو ایک کوّے کے ساتھ ہوا تھا جس کے منہ میں لقمہ تھا اور لومڑی نے اُسے کہا کہ تم بہت اچھا گاتے ہو۔ کوّا گانے لگا تو لقمہ گر گیا۔ تو انسان اس طرح ہلاک ہوتا جاتا ہے جب دنیا کی مرضی سے چلتا ہے۔ نفس کے مطابق چلنے سے بھی ہلاک ہوتا جاتا ہے۔ ایک دفعہ ایک آدمی کو اطلاع ملی کہ جنگل میں کوئی ڈاکو ہے، وہ مسافروں سے مال چھین لیتا ہے اور اس نے بڑا پریشان کیا ہوا ہے۔ تو وہ باباجی گٹھڑی لے کے وہاں چلے گئے۔ ڈاکو نے کہا گٹھڑی رکھ دو۔ باباجی نے کہا تو اس گٹھڑی کو کیا کرے گا۔ ڈاکو نے کہا میں جا کے بچوں کو دیتا ہوں، ہم کھاتے پیتے ہیں۔ باباجی نے کہا یہ گٹھڑی لے جا، اس میں مال بھی ہے، تو اپنی اولاد سے اور ماں باپ سے پوچھ کے آ کہ اگر اس عمل کی وجہ سے تجھے کبھی گرفت ہوگئی تو کیا وہ تمہارا ساتھ دیں گے۔ تو وہ اپنے گھر گیا اور ان سے کہا کہ ایک بابا وہاں بیٹھا ہوا ہے اور اس نے یہ سوال کیا ہے، کیا تم میرا ساتھ دو گے۔ انہوں نے کہا ہم تو نہیں کہتے کہ تو حرام لا، تو جائز کمائی لا، ہم تو کھانے والے ہیں، تُو جو بھی لائے گا ہم کھالیں گے، اگر تو ناجائز کمائے گا تو اس ناجائز کمانے کے عمل کا ذمہ دار تو خود ہی ہوگا۔ تو وہ مقام ایسا ہے جہاں بھائی، بھائی کے کام نہیں آئے گا، باپ بیٹے کے کام نہیں آئے گا، ماں اولاد کے کام نہیں آئے گی۔ تو کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ اللہ کریم فرمائے گا کہ تیری ایک نیکی کم ہوگئی ہے، جا لے کے آ اپنے حلقۂ احباب سے۔ تو وہ حلقۂ احباب کے پاس جائے گا اور ان سے کہے گا کہ میری ایک آدھ نیکی Short ہے تمہارے پاس تو بجٹ کی فراوانی ہے، ایک نیکی دے دو۔ تو وہ کہیں گے کہ وہ دنیا کا کاروبار تھا جب ہم تمہاری مدد کرتے تھے، یہاں تو کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے ولا تزر

وازرۃ وزر اخریٰ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا' یہ حکم ہی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ وہ ماں کے پاس جائے گا۔ ماں کہے گی کہ میں نے تجھے پالا' خون دیا' دودھ پلایا' لیکن یہاں نیکی دینے کا حکم نہیں ہے۔ باپ بھی مدد نہیں کرے گا۔ پھر وہ منہ لٹکائے واپس آئے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تُو نے مجھے ان لوگوں کی خاطر چھوڑا اور آج ان میں سے کوئی تیرے کام نہیں آیا' یہ الگ بات ہے کہ میں تجھے معاف کر دوں' آخر جب کام میری رحمت نے آنا ہے تو وہ لوگ جو رحمت کے راستے میں رکاوٹ ہیں تو خود ہی ان سے نجات پا۔ تو یہ دنیا والے کام نہیں آئیں گے۔ نہ تمہارا مال کام آئے گا' نہ تمہاری اولادیں کام آئیں گی اور نہ حلقۂ احباب کام آئے گا۔ وہ لوگ جو کندھے سے کندھا ملا کے بیٹھتے تھے انہوں نے آخر میں جنازے کو کندھا بھی نہ دیا۔ دنیا میں ایسے ہی ہوتا ہے۔ جن کی خاطر آپ نے ایمان بیچا انہوں نے بھی ساتھ نہیں دینا۔ تو کوئی ساتھ نہیں دے گا۔ وہاں پر تیری تنہائی ہوگی اور تو اکیلا ہوگا۔ اور پھر تیری جواب دہی ہوگی لمن الملک الیوم للہ الواحد القھار کہ آج کے دن کا کون بادشاہ ہے سوائے اللہ واحد کے جو قہار ہے۔ یہاں پر اللہ نے اپنے نام کے ساتھ قہار کہا ہے۔ تو وہاں اکیلے اللہ کی بادشاہی ہے' اب حساب بتا۔ تو اپنے اعمال کو دنیا کے حساب سے چلانے والا مایوس ضرور ہوگا۔ نفس کی تسکین والا عمل جو ہے وہ مایوس ضرور ہوگا۔ نفس کے مقامات ہیں وجود کی تسکین' غرور کی تسکین' نمائش کی تسکین' شہرت اور افتخار چاہنا' اپنے آپ کو نمایاں کرنا اور حسد کرنا۔ یہ سارے نفس کے مقامات ہیں۔ اسی طرح حسد' حرص' نمائش اور آلائش ہیں' تو یہ کام کرنے والا کبھی مایوسی سے بچ نہیں سکتا۔ یہ دنیا ہے اور یہی نفس ہے۔ نفس جو بھی عمل کرتا ہو'

اور وہ نفس امارہ ہو، تو سب کچھ لے جاتا ہے۔ ایک آدمی کو کبھی مایوسی نہیں ہوتی اور وہ آدمی ہے جس نے اللہ کی خاطر عمل کیا۔ اور وہ ہمیشہ ہی سرفراز ہوئے جنہوں نے اللہ کی خاطر عمل کیے۔ وہ عمل کامیاب ہوں یا ناکام ہوں اُس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اگر آپ کا عمل اللہ کے راستے پر ہو اور اللہ کی رضا کے لیے ہو تو وہ کوئی سا بھی عمل ہو، اس سے آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔ مثلاً آپ حج کرنے جا رہے ہیں اور راستے میں اتفاق سے ہارٹ فیل ہو گیا تو بھی حج ہو گیا۔ کیونکہ آپ اس راستے پر اور اس رُخ پر تھے۔ اور اگر آپ دنیا کی طرف جا رہے ہیں اور راستے میں انعام مل گیا تب بھی سزا ہے۔ تو دنیا کے اندر حاصل ہونے والے مقامات اور کامیابیاں، دراصل یہ ناکامیاں ہیں۔ جب انسان پر یہ آشکار ہوتا ہے کہ یہ سب ناکامیاں ہیں تو وہ مایوس ہوتا ہے۔ مایوسی دراصل یہ اطلاع ہے کہ غلطی ہو گئی۔ جب مایوسی آ جائے تو سمجھو کہ آپ کے اندر سے ضمیر نے آواز دے دی، ضمیر کہتا ہے کہ اس سے پہلے کہ میں مر جاؤں، میں تمہیں اطلاع دے رہا ہوں کہ تو غلطی کر رہا ہے۔ مایوسی کا مطلب کیا ہے؟ مرتے ہوئے ضمیر کی آخری آواز۔ ضمیر یہ بتاتا ہے کہ میں مرنے والا ہوں اور تم نے غلطی کر دی ہے۔ تو اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مایوس نہ ہونا، میری رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ رحمت سے کون مایوس نہیں ہوگا؟ وہ جو اللہ کی خاطر چلے گا۔ مطلب یہ کہ اللہ کی طرف اپنا سفر کرو اور اللہ کی طرف اپنا رُخ کر دو تو پھر آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔ اگر آپ کا سفر الی اللہ ہوگا تو مایوسی نہیں ہوگی اور اگر سفر کا رُخ دنیا ہوگا تو مایوسی ہوگی۔ دنیا کا کام کیا ہوتا ہے؟ مکان، سامان، جائیداد، اولاد، نمائش، شہرت، پیسہ، نفس، تمنا، حرص، ہوا اور حسد۔ یہ حسد ہوتا ہے اگر

کوئی یہ کہے کہ یا تو اللہ مجھے پیسہ دے دے یا سب سے چھین لے' یا پھر مجھے اندھا کر دے تاکہ میں ان کو دیکھوں تو ناں۔ تو ایسے بھی لوگ ہیں جو برداشت نہیں کر سکتے اور حسد کرتے ہیں۔ ایک آدمی کے ہاں چوری ہوگئی۔ وہ بہت رویا۔ کسی نے پوچھا کہ کیوں روتا ہے اس قدر۔ کہتا ہے کہ اس بات کا غم نہیں کہ میری چوری ہوگئی ہے' غم مجھے کچھ اور ہے۔ پوچھا کیا غم لگ گیا؟ کہتا ہے غم یہ ہے کہ تمہاری چوری نہیں ہوئی ہے' اگر سب کی ہو جاتی تو غم اور کم ہو جاتا' غم کو کم کرنے کے دو طریقے ہیں' یا میرا غم کم ہو یا سب کو لگ جائے۔ ایک بڑھیا کا بیٹا مر گیا۔ وہ بہت روئی' چیخی چلائی۔ پھر ایک درویش کے پاس گئی۔ انہوں نے کہا میں تیرا بیٹا واپس لا دوں گا' مگر تو ایسے گھر سے جا کر دانے لے آ جہاں کوئی نہ مرا ہو۔ وہ پہلے گھر گئی اور پوچھا کہ آپ کے ہاں کوئی مرا تو نہیں ہے۔ انہوں نے کہا پچھلے سال ابا جان فوت ہو گئے تھے۔ دوسرے گھر گئی تو ان کے چچا جان فوت ہو گئے تھے' کسی کا بیٹا فوت ہو گیا تھا۔ جب وہ واپس آئی تو بڑھیا ٹھیک ہو گئی تھی۔ اُس نے کہا رونے کا فائدہ نہیں' اس جہاں سے سب نے جانا ہے۔ اب غم کس بات کا؟ جب سب کے ہاں غم ہو تو پھر کم ہو جاتا ہے۔ تو غم کو کم کرنے کا ایک طریقہ یہ بتایا گیا ہے۔ تو مایوسی سے نجات کا صرف ایک راستہ ہے اور وہ ہے اللہ کا راستہ۔ اپنے عمل کو اللہ کے تابع کرو ورنہ مایوسی اطلاع ہے آپ کے ضمیر کی کہ میں مر گیا اور تو نے مجھے مار دیا۔ تو اطلاع یہ ہے کہ تُو نے کچھ غلط کر دیا ہے۔ مایوسی سے بچنا چاہیے۔ آپ یہ جو پیسہ جمع کرتے رہتے ہو' گنتے رہتے ہو' جمع مالا وعددہ تو اس نے کام نہیں آنا۔ اگر ایسے شخص کو اللہ کہے گا کہ حساب لگا تو وہ پیسوں کا حساب شروع کر دے گا۔

اللہ کہے گا کہ کچھ اور حساب بھی ہے۔ وہ بے چارہ حساب سے یہی سمجھتا ہے کہ کچھ پیسہ اوور ڈرافٹ کر دو، جمع کر دو، نکال لو۔ تو حساب یہ نہیں ہے۔ حساب یہ ہے کہ یہ بتا کہ تو نے لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا، اپنے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا، اپنے ایمان کے ساتھ کیا سلوک کیا، اپنے ضمیر کے ساتھ کیا سلوک کیا، خدا کے ساتھ کیا سلوک کیا، اس دین کے ساتھ کیا سلوک کیا جس کو تُو نے ماننے کا اعلان کیا تھا۔ تو نے اپنے ساتھ تو یہ سلوک کیا کہ تو کاذب ہو گیا، تو جھوٹا ہو گیا کہ تیری نیت دنیاوی ہو گئی۔ اور جھوٹا آدمی جو ہے وہ ہمیشہ مایوس رہے گا چاہے اس کا جھوٹ کامیاب ہی ہو جائے۔ اس لیے اپنے آپ کو صداقت کے راستے پر اور خدا کے راستے پر ڈال دو تو مایوسی نہیں ہو گی۔ جس کو بار بار مایوسی ہوتی ہے اس کا ضمیر تھوڑا سا زندہ ہے ورنہ ضمیر مر جائے تو مایوسی نہیں ہوتی۔ پھر وہ گناہ پہ خوش ہوتا ہے۔ مایوسی آپ کے لیے اطلاع ہے کہ ضمیر میں کوئی بیماری آ گئی ہے، اب اس کو ٹھیک کر لو، مایوسی سے نکل کے Hope میں داخل ہو جاؤ۔ یہ اللہ کے کام ہیں۔ اللہ کے قرب کی واحد نشانی یہ ہے کہ آپ کو مایوسی سے نکال کر اُمید میں داخل کرتا ہے۔ اللہ کے قرب کی تعریف ہی یہی ہے۔ تقربِ الٰہی کیا کرتا ہے؟ وہ مایوسی سے نکال کر امید میں داخل کرتا ہے، اپنے تقرب میں داخل کرتا ہے۔ دنیا جو ہے یہ مایوسی میں داخل کرے گی، تخت پر بیٹھ کر بادشاہ سسکیاں بھرے گا۔ بادشاہ ہے اور گھبرا رہا ہے۔ کہتا ہے کہ ڈر ہے۔ کس کا ڈر ہے؟ جو ماتحت ہیں ان کا ڈر ہے۔ اسی طرح افسر ماتحتوں سے ڈرتا ہے۔ کہتا ہے کہ یہ سارے پاگل ہیں، مجھے ماریں گے۔ اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو نا اہل سمجھتا ہے، ان کو گالی دیتا ہے اور پھر پریشان ہو جاتا ہے اور ڈرتا ہے۔ جو ظالم مالک

ہووہ نوکروں سے ڈرتا ہے۔ ظالم جو ہے وہ مظلوموں سے ہمیشہ ہی ڈرتا ہے۔ ڈرانے والا ہمیشہ ڈرتا ہے۔ بس آپ یہ یاد رکھنا۔ کہتے یہ ہیں کہ It is good to have power but bad to use it یعنی طاقت رکھنا بڑی اچھی بات ہے لیکن اس طاقت کا استعمال بہت بری بات ہے۔ اس کا اگلا فقرہ' کہنے والے یہ کہتے ہیں کہ' جب حکومتیں کمزور ہونا شروع ہو جاتی ہیں تو طاقت کا استعمال کرتی ہیں۔ طاقت کا استعمال دراصل اس بات کا ثبوت ہے کہ طاقت ہاتھ سے نکل گئی۔ باپ جب بیٹے پر ہاتھ اُٹھائے تو سمجھو کہ اب وہ بے اختیار ہو گیا ہے۔ ایک تھا آدمی۔ اس کا ایک بیٹا تھا' چھوٹا' آٹھ یا نو سال کا۔ وہ کسی ساحل کے علاقے میں رہتا تھا۔ اس کی ماں کسی بیماری میں مبتلا تھی۔ بچے کو شوق یہ تھا کہ وہ بندرگاہ پر جاتا اور آنے والے پرانے زمانے کے ملاحوں سے کہانیاں سنتا' قصے سنتا' دیر تک وہاں رہتا' پھر دیر سے گھر جاتا' اس کا ابا اُسے مارتا اور وہ رو کے سو جاتا۔ صبح اُٹھ کے وہ بچہ پھر چلا جاتا' ملاحوں سے ملتا' ان سے کہانیاں سنتا اور رات کو دیر سے آتا' مار کھاتا' روتا اور سو جاتا۔ ایسا ہوتا رہا۔ ایک دن بچہ ایک ایسے ملاح سے ملا جو بوڑھا تھا' اس نے ایک کہانی سنائی کہ ہم فلاں جزیرے میں گئے' وہ واقعہ ہوا۔ اتنے میں دو آدمی اس بوڑھے ملاح کے پاس آئے اور حساب کتاب' لین دین کی بات کی۔ پھر انہوں نے بوڑھے ملاح کو مارا اور مار پیٹ کے چلے گئے۔ بوڑھا ملاح ان کے جانے کے بعد کہانی پھر سے سنانے لگا جیسے کچھ بھی نہیں ہوا۔ بچے نے کہا کہ تمہیں اتنی مار پڑی ہے اور تو پھر بھی کہانی سنا رہا ہے۔ ملاح نے کہا بیٹا بات یہ ہے کہ زندگی اتنی اہم نہیں ہے جتنی زندہ رہنے کی جرأت اہم ہے۔ اس شام جب وہ بچہ گھر گیا تو باپ

نے بڑا مارا مگر وہ رویا نہیں۔ باپ سیانا تھا' وہ سمجھ گیا کہ بچہ جوان ہو گیا ہے۔ باپ نے چابیاں بچے کو دے دیں کہ آج سے تم جوان ہو' تم گھر کے مالک ہو یہ تیری زمینیں ہیں' یہ تیری جائیداد ہے' میں اب سفر پر جا رہا ہوں Now you are young enough to control everything جب تک تُو روتا تھا تو بچہ تھا اور آج سے تم جوان ہو۔ مطلب یہ کہ بچے جب جوان ہو جائیں تو ایک واقعہ بن جاتا ہے۔ طاقت استعمال کرنے سے طاقت والا ڈر گیا۔ یعنی کہ طاقت کیا تھی؟ Frighten کرنے کی اور اگلا جو ہے وہ Frighten نہ ہو' ڈرنے والا نہ ڈرے تو پھر ڈرانے والا ڈر جاتا ہے۔ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں؟ تو یہ ہیں طاقت کے واقعات اور دنیا کے واقعات۔ ہر آدمی جو ہے وہ کمزور ہے۔ یہاں کا بادشاہ بھی خائف ہو گا' دنیا دار بھی خائف ہو گا' مال دار کو چوروں کا ڈر ہو گا' بے ایمانی کرنے والے کو Exposure کا ڈر ہو گا بلکہ آڈِٹ کا ڈر ہو گا۔ اگر آڈِٹ ہو جائے تو اچھا ہے ورنہ روزانہ خوف ہی آڈِٹ کرتا رہتا ہے۔ اُسے تو پتہ ہوتا ہے کہ اس نے کہاں ملاوٹ کی ہے۔ پھر وہ اندر ہی اندر سسکتا رہتا ہے اور اس کا خیال وہیں اٹکا رہتا ہے جہاں پہ اس نے غلطی کی تھی' پھر کوئی دیکھے یا نہ دیکھے' انسان کے اندر گرہ لگ جاتی ہے اور خوف رہتا ہے۔ مایوسی وہاں پیدا ہو گی جہاں پہ اندر گرہ لگ گئی۔ اس لیے مایوسی سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دعا کیا کرو کہ یا اللہ مجھے مایوسی سے نجات دے اور غم سے نجات دے۔ نماز آپ کو مایوسی سے نجات دیتی ہے۔ اللہ کا راستہ آپ کو مایوسی سے نجات دیتا ہے۔ اگر مایوسی آ جائے تو خیرات کر دیا کرو۔ اگر مال بچانا ہے تو مایوسی ضرور آئے گی۔ یہ زہریلا کھیل ہے۔ دعا یہ کرو کہ مال تو ہو لیکن

مال کی محبت نہ ہو۔ مال کی محبت نہ ہونے سے کیا مراد ہے؟ کہ مال آسانی سے آئے اور آسانی سے تقسیم کرو۔ میری نصیحت ہے کہ یہ نہ کرنا کہ آپ کے وارثوں کو پیسہ آپ کی موت کے بعد ملے۔ سمجھو کہ پھر عاقبت خراب ہوگئی۔ جو ان کو آپ کے بعد ملنا ہے وہ اپنی زندگی میں Distribute کردو' یا ان کا کچھ حصہ ضرور دے جاؤ' ورنہ بعد میں تو وہ لے ہی لیں گے۔ یہ نہ کرنا کہ آپ زندگی میں پیسہ تقسیم کرنے والے مہربان کی بجائے پیسے کی حفاظت کرنے والے سانپ بن جائیں۔ آپ اولاد کو تعلیم دیں' محبت دیں اور مال بھی دیں۔ اگر اولاد کے لیے کمایا ہے تو انہیں دو' نہیں کمایا تو پھر یہ نفس ہی نفس ہے' مایوسی ہی مایوسی ہے۔ پھر آپ نے کیا کِیا۔ انسان نے پیسہ کبھی نہیں کھایا۔ اس نے گندم ہی کھائی ہے۔ اصل بات تو یہ ہے! یا تو پیسہ کھانے لگ جاتا یا کبھی سونا کھانے لگ جاتا لیکن وہ کھا نہیں سکتا۔ اگر وہ کھائے گا تو گندم ہی کھائے گا۔ کھائی گندم ہے اور گنا پیسہ ہے' تو یہ کیا بات ہوئی۔ آپ کرتے کیا ہیں۔ آپ یہ دیکھیں کہ آپ کا کچھ بھی نہیں بدلا' اللہ نے آپ کو جو کچھ بنایا ہے آپ وہی کے وہی ہیں۔ وہی محدود زندگی ہے یعنی ساٹھ سال۔ پھر چلے جانا ہے۔ ہر آنکھ میں سے آنسوؤں نے ضرور گزرنا ہے۔ یہ آنسو لوگوں کے سامنے نہ آئے تو تنہائی میں آئیں گے۔ مایوسی جو ہے وہ ایک مقام پر آپ کو خدا کی طرف لے جاتی ہے' اگر آپ باضمیر انسان ہیں تو جس کام سے مایوسی ہوئی ہے وہاں سے باز آجاؤ' پلٹ آؤ۔ اگر نہ پلٹے تو پھر وارننگ بھی نہیں ملے گی اور بات ختم ہو جائے گی۔ تو مایوسی کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے اعمال دین کے لیے نہیں ہیں بلکہ دنیا کے لیے ہیں' نمود و نمائش کے لیے ہیں......

اگلا سوال پوچھو...... بولو...... بولتے جاؤ...... سوال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سوال کرنا ہے اور بحث نہیں کرنی، پھر جو آپ کے ذہن میں سوال ہو اور جس کا جواب آپ کو چاہیے ہو۔ کسی کے کہے ہوئے فقرے کے دوسرے رُخ پر بات کرنے کا موقع نہیں ہے کیونکہ تمام رُخوں کو سب جانتے ہیں۔ اپنا سوال، Independent، جس کا جواب آپ کو درکار ہو اور اس کا جاننا آپ کے لیے ضروری ہو اور جس کا جواب آپ نہ جانتے ہوں، جس کا جواب آپ کے دین میں معاون ہو۔ اس طرح آپ کا مسئلہ آسان ہو جاتا ہے۔ تو میں ان سوالوں کی بات کرر ہا ہوں۔ یہ وہ سوالات ہیں اور وہ جوابات ہیں جن پر کتابیں خاموش ہوتی ہیں، یہ عام طور پر کتابوں میں Available نہیں ہیں...... تو بولیں...... پوچھیں......

سوال:۔

مجھے لگتا ہے کہ جو غلط کام میں نے کیے ہیں ان پر ندامت آنا کم بات ہے، توبہ بھی کم ہے......

جواب:۔

جب ایسے مقام پر انسان پہنچے جہاں وہ اپنی توبہ پر استقامت نہ کر سکے تو اس کا طریقہ علاج یہ ہے کہ تو اپنی توبہ کرتا جاتا کہ اگر موت آجائے تو اس وقت تو گناہ کی طرف جاتا ہوا نہ پایا جائے بلکہ توبہ میں پایا جائے۔ تو تُو حالتِ گناہ میں نہ پایا جائے بلکہ حالتِ توبہ میں پایا جائے۔ تو بچت کا راستہ تو یہ ہے کہ ندامت کا قرب مل جائے اور موت آجائے، تو اس آدمی کی بخشش ہو جاتی ہے۔ ندامت میں مرنا.. اصل بخشش میں مرنا ہے۔ اس لحاظ سے نادم ہونا کوئی مایوسی کی بات نہیں ہے۔

کہتے ہیں کہ اگر ہزار بار کوئی غلط کام ہو گیا ہے اور ہزار بار تم نے توبہ کی ہے تو پھر ایک ہزار ایک مرتبہ توبہ کرو۔ نفس کا یہ طریقہ ہے کہ وہ بار بار گمراہ کرتا ہے اور آپ کا طریقہ یہ ہو کہ بار بار توبہ کر لیں۔ وہ اپنے کام سے باز نہیں آتا، آپ اپنے کام سے باز نہ آئیں۔ کسی نے حضور پاکؐ سے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ ہم اپنے دین سے کیسے محبت کریں؟ تو آپؐ نے برملا جواب عطا فرمایا کہ جس طرح دنیا دار دنیا سے محبت کرتا ہے۔ دنیا دار کوئی موقع نہیں چھوڑتا اپنی دنیا بنانے کا، تم کوئی موقع نہ چھوڑو دین کی طرف جانے کا۔ تو کیا سوال تھا اور کیا جواب تھا! اگر آپ نے نیت صحیح کر لی ہے تو یہ بھی بڑی بات ہے۔ جب کبھی ایسا کام ہو کہ آپ نے کوئی نیک منصوبہ بنایا تو یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے وہ منصوبہ ایک مبالغہ کے طور پر بنایا ہو۔ تو آپ کسی بڑے نیک منصوبے کی بجائے کوئی چھوٹا نیک منصوبہ بنائیں۔ فی الحال آپ یہ کریں کہ ہر روز کسی کو دس روپے دے دیا کریں۔ آپ کسی بڑے منصوبے کی بجائے کوئی چھوٹا منصوبہ بنائیں۔ مثلاً کسی غریب آدمی کو ایک روز کھانا کھلا دو۔ اس میں کوئی منصوبہ نہیں چاہیے، کوئی واقعہ نہیں چاہیے، اور اس طرح آپ کا کام آسان ہو جائے گا۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ تو آپ کا ایک منصوبہ تو بن گیا۔ اگر آئندہ جمعرات کو آپ آئیں تو پیسے لے کر آنا تاکہ کسی ضرورت مند کو دے دیں۔ اگر نیت بن گئی ہے تو فی سبیل اللہ ابھی جا کے تقسیم کر دینا۔ آپ پر سے یہ قرض اُتر جائے گا۔ یہ اس لیے ہے تاکہ منصوبے میں دیر نہ ہو۔ کیا آپ خیرات کرنا چاہتے ہیں؟ کیا خیرات کر سکتے ہیں؟ کیا آپ کے پاس مال Available ہے؟ تو آپ سوا روپے سے لے کر سوا سو روپے تک خیرات کر دیا کریں۔ کر ڈالا کرو! لمبے منصوبے نہ

بنانا۔ بس تھوڑی سی رقم ہے، یہ تو کسی کو دے دو۔ اگر کچھ نہ بھی کر سکو تو چاول لے کے چیونٹیوں کو ڈال دو۔ اس طرح منصوبہ پورا ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات یہ نفس کا جال ہوتا ہے کہ وہ ایسا منصوبہ بنواتا ہے جو پورا نہ ہو سکے۔ اس لیے بڑا منصوبہ نہ بناؤ کہ میں چاہتا ہوں کہ ایک ایسی لائبریری بنائی جائے جو اسلامی تفکر کی ہو۔ اس میں نفس کی شہرت چھپی ہوتی ہے۔ تو مت بناؤ ایسی لائبریری۔ اس لیے چھوٹا سا کام شروع کرو مثلاً کسی غریب کو سوا روپیہ دے دو، زیادہ دے دو، ہفتے کے ہفتے، اگر تھوڑے لگتے ہیں تو روز دے دیا کرو۔ جتنی آپ کی مالی استعداد ہے اتنا دے دیا کرو۔ تو منصوبہ اپنی استعداد میں رکھو، پھر مایوسی نہیں ہو گی۔ اگر آپ کو ندامت ہو جاتی ہے تو یہ اچھی بات نہیں کہ آپ ہی منصوبہ بنائیں اور ندامت بھی کریں۔ اس طرح یہ ایک پورا عمل بن جاتا ہے کہ منصوبہ بنایا اور پھر ندامت ہو گئی۔ عمل حالانکہ پورا ہے۔ تو آپ کیا کریں؟ وہ سوچیں جو کر سکیں۔ کچھ نہیں کر سکتے تو سجدہ کر دیں، دن ہے کہ رات ہے سجدہ کر دیں۔ آپ یہ تو کر سکتے ہیں؟ پس اگر سجدہ کر سکتے ہیں تو آپ یہ سمجھیں کہ آپ کی نیکی بحال ہو گئی۔ جو آدمی سجدہ کر سکتا ہے وہ گمراہ نہیں ہو سکتا۔ سجدے کا یہ مطلب ہے کہ یا اللہ تیرے پرانے احسانات کا شکریہ اور آنے والے احسانات کے لیے درخواست ہے۔ تو سجدے کا مطلب صرف اتنا ہے۔ اس لیے یا اللہ یہ سجدہ قبول فرما۔ اب ندامت کی کیا ضرورت ہے۔ آپ خواہ مخواہ ندامت میں وقت ضائع کر رہے ہیں۔ توبہ کر بلکہ توبہ سے بھی توبہ کر، ندامت سے توبہ کر، منصوبہ بنانے سے بھی توبہ کر اور صرف سجدہ کر۔ مجھے یہ بھی نہ بتانا کہ میں سجدہ کر رہا تھا تو راستے میں گردن جواب دے گئی۔ جب تک گردن

سلامت ہے سجدہ کرتے جاؤ' آپ پر وضو کی بھی قید نہیں لگاتے۔ اب آئندہ آپ کا منصوبہ کون سا ہوگا؟ سجدہ' اور اللہ کے قریب ہونا۔ میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ آپ دنیا میں کوئی بڑے منصوبے نہ بنایا کرو' یہ حکم ہے" اے کہ شخص جو حاضر ہے یہاں پر' تم ایسے "نیک" منصوبے مت بنایا کرو' یہ سب انا کے منصوبے ہیں' لوگوں کے لیے "دعا" مت کیا کرو' لوگوں کے "کام" مت کیا کرو' اپنا کام صحیح کرلو' غریب آدمی کو پیسہ دے سکتے ہو تو خیرات کرلیا کرو مگر اپنی نیک نامی کے بغیر' نیک عمل چپکے سے کرلیا کرو' اور سجدہ کرو"۔ سجدہ کرنے میں اگر کوئی رکاوٹ ہو تو مجھے بتاؤ۔ اگر گردن کی رکاوٹ ہے تو وہ انشاء اللہ تعالیٰ جھک جائے گی۔ بعض اوقات انسان پر یہ مقام آتا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا ایک گھر یہاں بنایا جائے' ایک حرم اُدھر ہے اور ایک حرم یہاں بنایا جائے

میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو

تو کیا بناؤ گے۔ وہ ایک ہی کافی ہے۔ تو آپ اتنے منصوبے نہ بنایا کرو۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ سب غریبوں کی حالت درست ہو جائے تو سمجھو کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ سارے برابر ہو جائیں۔ کیا کبھی ایسا ہوا کہ سب برابر ہو جائیں؟ کبھی کوا اور مور برابر ہوئے۔ شکلیں اگر برابر ہو جائیں بھی تو پھر عقلیں کیسے برابر کرو گے؟ یہ نامناسب بات ہے۔ برابر نہیں ہوں گی۔ خیر بھی رہے گی' شر بھی رہے گا' کافر بھی رہے گا اور مومن بھی رہے گا' چھوٹا بھی رہے گا اور بڑا بھی رہے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کام ہیں کہ کسی کو بلند پیدا کیا اور کسی کو پست پیدا کیا۔ تو نہ قد برابر ہوں گے' نہ شکلیں برابر ہوں گی' نہ عرفان برابر ہوگا' نہ ذہن برابر

ہوگا اور نہ رسائی برابر ہوگی ...... ایک کلاس میں پڑھنے والے الگ الگ نمبر لیں گے۔ اس میں مزاج کی کیا بات ہے حالانکہ سب مل کے بیٹھنے والے ہیں۔ ایک گھر میں پلنے والے جو ہیں کوئی میٹھا کھاتا ہے اور کوئی نمکین کھاتا ہے۔ کیا انسان کبھی برابر ہوسکتا ہے؟ یہ ہو نہیں سکتا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ خوراک کا ایک ہی آئٹم پیدا کرتا۔ اس نے بے شمار آئٹم پیدا کر دیے، تیری مرضی گوشت کھا اور تیری مرضی کچھ اور کھا۔ تو اس نے جس طرح کا بندہ پیدا کیا اس طرح کی چیز پیدا کر دی۔ تو یہ ہے مزاج کی بات۔ تو اللہ تعالیٰ نے ورائٹی پیدا کر دی۔ وہ تو ایسی ورائٹی پیدا کرتا ہے کہ یہاں پر انسان الگ الگ رہے گا، اکٹھا نہیں ہوگا۔ تو سبزی کھانے والے اور ہیں، گوشت کھانے والے اور ہیں۔ شیر مر جائے گا مگر گھاس نہیں کھائے گا اور گھوڑا مر جائے گا مگر گوشت نہیں کھائے گا۔ تو یہ برابر کیسے ہوں گے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ فطرت کے اندر، ہر آدمی اپنے عمل میں مقرر کر دیا گیا۔ قل کل یعمل علی شاکلتہ ہر آدمی اپنی شکل کے اندر رہن رکھ دیا گیا ہے۔ اب وہ باہر نہیں نکل سکتا۔ اگر آپ کو یہ کہا جائے کہ آپ کو صرف پھل ہی دیے جائیں گے تو دو دن تو آپ خوشی سے کھائیں گے، تیسرے دن بھاگ جائیں گے اور کہیں گے کہ گندم چاہیے، گندم کے پیچھے تو میں جنت کو چھوڑ آیا، یہ تو میں کھاؤں گا۔ تو یہ آپ کا مزاج ہے۔ لہٰذا آپ بڑے منصوبے نہ بنایا کریں بلکہ چھوٹی چھوٹی نیکیاں کیا کریں۔ اگر کوئی آپ سے پانی کا گلاس مانگ رہا ہے تو اُسے یہ نہ کہہ دینا کہ ٹھہر جا میں تمہارے لیے ٹیوب ویل لگا رہا ہوں۔ تو اس غریب کو آپ پانی کا گلاس دیں نہ کہ ٹیوب ویل لگا کے دیں۔ اس لیے بڑے منصوبے کی بجائے چھوٹا سا نیک منصوبہ بہتر ہے۔ سجدہ کرو

اور خیرات کر دو۔ خیرات ضرور کر ڈالا کرو۔ اگلی دفعہ جب آؤ گے تو پوچھوں گا کہ کتنی خیرات کی؟ چپکے سے بتا دینا کہ آپ کی نمائش نہ ہو۔ لیکن اگر کسی ایسی نیکی کی نمائش ہو تو کیا فرق پڑے گا۔ ایسی نیکی کا چرچا اچھا ہے۔ آپ یہ خیال نہ کرنا کہ اس سے نفس مضبوط ہوگا۔ اس کا آپ یہ بھی کر سکتے ہیں کہ پیسے جو ہیں وہ کسی ناواقف کو دیں، ابن السبیل کو دیں، ذوی القربیٰ اور یتامیٰ تو ویسے ہی پابندی ہے آپ پر۔ آئندہ آپ ناواقف کو دیں گے ناں؟ اس طرح آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ پھر آپ کو کوئی ندامت نہیں رہے گی۔ فقراء کہتے ہیں کہ انسان یہ کرتا ہے کہ وہ پہلے گناہ پر فخر کرتا ہے، اس کے بعد وہ خاموش ہو جاتا ہے، پھر اُسے گناہ برا لگتا ہے، اس پر وہ تائب ہو جاتا ہے اور توبہ جب قبول ہو جاتی ہے تو گناہ کی یاد ختم ہو جاتی ہے۔ اور جب گناہ کی یاد ختم ہو جائے تو توبہ سے بھی توبہ کر لو۔ پھر بار بار توبہ نہیں کرنی۔ بار بار توبہ دراصل گناہ کو Repeat کرنے والی بات ہے۔ جب مکمل طور پر توبہ کر لی ہو تو پھر دوبارہ توبہ کا کیا مقام ہے؟ اس لیے گناہ کی یاد ہی نکال دو۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ پھر سب آسان ہو جائے گا۔

سوال:-

ضمیر کے بارے میں بتا دیں کہ یہ کیا ہے؟

جواب:-

نیکی کا سبق آپ بچپن سے سیکھتے آئے ہیں، ایمان کا بھی سیکھتے آئے ہیں، ماں باپ سے تعلیم سیکھتے آئے ہیں، قرآن اور حدیث کا علم سیکھتے آئے ہیں...... تو اس سے ایک مزاج بن گیا کہ یہ آئیڈیل کام ہے اور ایسا ہونا چاہیے۔ وہ یادداشت

بن جاتا ہے۔ وہ یاد ہوتا ہے کہ یہ کام کرنا ہے اور یہ کام نہیں کرنا۔ وہ جو یاد ہے وہ ضمیر بنتی ہے۔ نیک نصیحت کی یاد ضمیر بنتی ہے۔ یہ نصیحت آپ کو بار بار اطلاع کرتی ہے کہ یہ کام تو یوں نہیں کرنا۔ تو وہ یادداشت ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ جو یادداشت ہے یہ یہاں کے علم سے پہلے کا علم ہے' کُن فیکون کے زمانے کی بات ہے۔ تو یہ پرانا علم ہے۔ بعض اوقات ایسا واقعہ ہوتا ہے کہ جس کی آپ نے تعلیم حاصل نہیں کی ہوتی' پھر بھی پتہ چل جاتا ہے کہ یہ کام یوں نہیں کرنا۔ تو وہ بات انسان کے ماضی میں پیدائش سے پہلے سے ہے۔ جس طرح انسان میں یہ فطرت ہے کہ بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کے دودھ کی طرف لپکتا ہے' تو یہ پیدائش سے پہلے کا علم ہے۔ مچھلی کا بچہ پیدا ہوتے ہی تیرنے لگ جاتا ہے' اب یہ اُسے پیدائش سے پہلے کا علم ہے۔ اسی طرح پرندے کا بچہ اُڑنے لگ جاتا ہے اور انسان جو ہے وہ انسانی حرکات شروع کر دیتا ہے۔ یہ سب کچھ ٹریننگ کے بغیر ہوتا ہے۔ آپ کی پوری فطرت جو ہے یہ اپنی جگہ پر ٹریننگ کے بغیر قائم ہے مثلاً خوراک' مزاج' ہنسنا' رونا' شکل' صورت اور دوسرے واقعات۔ اسی طرح ضمیر بھی انسان کے اندر رکھ دیا گیا۔ اگر آپ تنہائی میں ہوں' جنگل میں ہوں' علم سے دور ہوں' کتاب سے دور ہوں تو بھی ہر مخلوق اپنے خالق کا ادراک رکھے گی۔ کافر بھی خالق کا ادراک رکھے گا' اُسے تبلیغ کرو یا نہ کرو مگر مخلوق کو خالق کا پتہ ہے' اگر پتہ نہیں ہوتا تو مرتے وقت پتہ چل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر تمہیں معلوم نہیں کہ مرتے وقت یہ مجھ سے کیا باتیں کرتا ہے۔ کشتی جب ہچکولے کھا رہی ہو تو کافر بھی پکارتا ہے اپنے علاوہ کسی شے کو۔ حالانکہ وہ خدا کو نہ ماننے والا ہوتا ہے۔ اگر اس کو یا اس کے بھائی کو

ڈاکٹر جواب دے دے کہ تو اب بچ نہیں سکتا تو کہتے یہ ہیں کہ اس کی آنکھ میں آنے والا آنسو جو ہے یہی خدا کا احساس ہے۔ ڈاکٹر نے تو جواب دے دیا' کھیل تو ختم ہو گیا' اب رُوتا کیوں ہے؟ تو یہ جو رونا ہے یہاں سے بے بسی شروع ہو جاتی ہے اور پھر خدا کا ادراک شروع ہو جاتا ہے اور یہیں سے ضمیر شروع ہو جاتا ہے۔ تو ضمیر جو ہے یہ عطائے خدا ہے اور ہر آدمی کے اندر موجود ہے۔ نہ ماننے والا بھی بعض اوقات اس کو مانتا ہے یہ بات اندر موجود رہتی ہے۔ اس کو اخلاق بھی کہتے ہیں' اس کو Morality بھی کہیں گے' Soul بھی یہی ہے اور عنایتِ پروردگار بھی یہی ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انسان کے ساتھ ایک اور باڈی ہے' اس وجود میں ایک اور وجود ہے' اس کو Astral Body کہیں گے' نوری وجود کہیں گے۔ وہ آپ کو بار بار پکارتا ہے' بات کرتا ہے کہ تو کدھر جا رہا ہے' پھر کبھی کبھی آپ کو بیٹھے بیٹھے یاد آتا ہے کہ میں اپنے آپ سے بات کرتا ہوں' کہ تم کہاں رہتے ہو' وہ کہتا ہے کہ میں یہاں رہتا ہوں...... اس کو ہم کلامی کہتے ہیں۔ کہتا ہے کہ تم کیا کرتے رہتے ہو تو وہ کہتا ہے کہ میں ٹھیک کرتا رہتا ہوں' تم نے وہ کام تو غلط کیا تو وہ کہتا ہے کہ اچھا اب جانے دو آئندہ غلطی نہیں کریں گے۔ یہ اپنے آپ سے بات ہو رہی ہے۔ اس سے پوچھو کہ کس سے بول رہے ہو تو وہ کہے گا اپنے آپ سے۔ یہ ضمیر ہے

وہ کون تھا جو مجھ سے ہم کلام ہوا
میرے سوا کوئی آس تھا نہ پاس

تو انسان اپنے آپ سے بھی کبھی ہم کلام ہو جاتا ہے۔ یہ واقعہ عام طور پر نیم شب میں' رات کے نصف حصے میں ہو جاتا ہے کہ آپ کو اپنا نام پکارتی ہوئی کوئی آواز

آ جائے کہ جاگ، ہوش کر۔ پھر اس کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اس کی اماں کی آواز ہے کہ بیٹا اُٹھ نماز پڑھ، وہ جس طرح کہ بچپن میں آواز آتی تھی کہ اٹھو نماز پڑھو۔ پھر انسان کہتا ہے کہ میں بچہ تو نہیں مگر ماں نے یاد دلا دیا کہ اٹھ کر نماز پڑھ، وقت ختم ہونے والا ہے، وقت تنگ ہو گیا ہے، نماز پڑھو۔ تو ماں نے یاد دلا دیا اور اس کے درمیان کی جو ہیرا پھیری ہے یہ اس سے توبہ کر لیتا ہے۔ باپ نے اسے کہا کہ اب تم ہمارے پاس آنے والے ہو، یہ کاروبار وہیں چھوڑ کے آؤ اور توبہ کر کے آنا، ورنہ ہم تمہارا استقبال نہیں کریں گے۔ تو وہ سوچتا ہے کہ بات تو ٹھیک ہے کہ یہاں کی غلطیاں یہیں چھوڑ جائیں، اور پھر توبہ کر لی۔ توبہ کرنے کے بعد دیکھا کہ یک لخت ایک آواز سے انسان جو ہے وہ نیک ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ یہ آواز اپنی ہوتی ہے، کچھ کہتے ہیں کہ کسی بزرگ کی ہوتی ہے، یا ماں باپ کی ہوتی ہے اور کچھ بزرگ یہ کہتے ہیں کہ یہ آواز اس کی ہوتی ہے جو نیک راستے کا کمانڈر اِن چیف ہو۔ تو جس کا راستہ ہی نیک ہے یہ آواز اس کی طرف سے آتی ہے۔ تو یہ ایک آواز آیا کرتی ہے، ہمیشہ، یہ دور کی آواز ہے۔ تو بھٹکے ہوئے لوگوں کو جب کوئی اور بتانے والا نہ ہو تو اندر سے ضمیر انہیں بلاتا ہے کہ تم ٹھیک ہو جاؤ۔ اس سے پوچھو کہ تمہیں یہ بات کس نے بتا دی ہے تو وہ کہے گا کہ مجھے احساس ہوا، اچانک یہ جی میں آئی، اچانک مجھے خیال آیا کہ یہ بات ہے

اچانک مجھے رات آواز آئی
کہ سوتا ہے کیا دیکھ شانِ الٰہی

کہاں ہے سکندر کہاں اس کی شاہی

یہ ہے رفتنی جو ہے ساری خدائی

تو سب جانے والا عمل ہے' آج سے پہلے ہر شے غائب' End اور تیرے جانے کے بعد پھر End کا End۔ چار دن کا غبارہ ہے یہ زندگی اور پھر سارے غبارے پھٹ جاتے ہیں۔ اتفاق کی بات ہے۔ آج تک رُکا کوئی نہیں ہے۔ تیرا اتنا بڑا علم اتنے بڑے ہنگامے اور اتنی بڑی بے ایمانیاں اور انجام کار پھر حیرانی' پریشانی اور قبرستانی۔ تو بات کیا رہ گئی۔ اس لیے ضمیر بتاتا رہتا ہے اور انسان کی آنکھیں کھولتا رہتا ہے۔ تو ضمیر جو ہے آپ کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور پروان چڑھتا رہتا ہے' بار بار ٹِک ٹِک کرتا رہتا ہے ہارٹ کے اوپر۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے۔ ضمیر کو زندہ رکھنا چاہیے۔ ضمیر کبھی نہ مرے۔ اس کو تھوڑی سی خوراک دے کر زندہ رکھنا چاہیے' ضمیر کو مطمئن رکھنا چاہیے' بیدار رکھنا چاہیے۔ تو آپ کسی ایک کے ساتھ Sincere ہو جائیں۔ اگر سب کے ساتھ نہیں ہو سکتے تو ایک کے ساتھ تو ہو جاؤ۔ اپنے ساتھ بھی آپ خیر سے Sincere نہیں ہو سکتے مگر کسی ایک کے ساتھ تو ہو جاؤ' اُسے کہو کہ میں تیرے ساتھ جھوٹ نہیں بولوں گا۔ کوئی ایک بندہ تو ہو جس کے ساتھ آپ کبھی جھوٹ نہ بولیں۔ پھر دیکھنا کہ آپ کی ساری زندگی سچی ہو جائے گی۔ یا پھر اس کا طریقہ یوں سمجھ لو کہ اپنے وجود کا کوئی سا ایک حصہ اللہ کے نام پر وقف کر دو' کہ گناہ میں یہ حصہ شامل نہیں کرنا' غلط کام میں یہ ایک حصہ شامل نہیں کرنا۔ اگر دایاں ہاتھ شامل نہ کرو تو پھر آپ کا آدھا مسئلہ حل ہو گیا مثلاً اس ہاتھ سے غلط بات نہیں لکھنی کیونکہ یہ وقف کر دیا اللہ کے لیے۔ اگر نگاہ کو وقف کر دیا برائے اللہ تو پھر نگاہ

نے بدی نہیں دیکھنی۔ اس طرح ساری زندگی نیک ہو جائے گی۔ پاؤں کو رکھ دو اور کہو کہ آج سے میں نے بد راستے پر نہیں چلنا تو ساری زندگی نیک ہوگئی۔ اگر یہ کہو کہ میں نے دل میں کوئی بدی نہیں آنے دینی' تو پھر زندگی نیک ہوگئی۔ وجود کا کوئی مختصر حصہ اللہ کے لیے وقف کر دو تو ساری زندگی نیک ہو جائے گی۔ یہ سب ضمیر کی قسمیں ہیں۔ ضمیر کو زندہ ہی رہنا چاہیے۔ باضمیر لوگوں سے ملا کرو گے تو ضمیر زندہ رہتا ہے۔ اچھے ماحول میں رہا کرو۔ آدھی نیکی یہ ہے کہ برے لوگوں سے بچو۔ جس طرح نیک صحبت نیک کرے گی اسی طرح برے کا سایہ بھی برا کر دے گا۔ عام طور پر آدھا گناہ جو ہے وہ صرف دیکھنے میں ہوتا ہے۔ دعا یہ کیا کرو کہ یارب العالمین ہمیں نیک مناظر دکھا' نیک لوگوں کے مرقد دیکھا کرو' مزار دیکھا کرو' قبریں دیکھا کرو تو نیکی پیدا ہو جائے گی۔ برے آدمی کا مال دیکھو گے تو برائی پیدا ہو جائے گی۔ اس لیے دعا یہ کرنی چاہیے کہ یا اللہ مجھے نیک لوگوں سے واسطہ ڈلوا' نیک خواہشات پیدا ہوں' نیک مقاصد ہوں' نیک مناظر ہوں۔ آپ جب دیکھیں کہ زندگی میں یہ نیک مقصد ہے یا نیک منظر ہے یا نیک جگہ ہے تو خود کو وہاں جانے کا پابند کیا کرو۔ تو آپ وہاں جایا کریں۔ مثلاً آپ کو تو یہ پتہ نہیں کہ داتا صاحب ”کیا ہیں' کون ہیں؟ مزار میں کیا ہوتا ہے' لیکن اتنا پتہ ہے کہ نیک روحیں ہیں' اس لیے وہاں جایا کرو۔ تو نیک جگہ پر جانا نیکی پیدا کر دیتا ہے۔ باضمیروں کے پاس جانا ضمیر کو زندہ رکھتا ہے۔

اور کوئی سوال؟...... پوچھو...... بولو۔

اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ یہ دعا کیا کرو کہ یارب العالمین ہمیں سیدھی راہ دکھا اھدنا الصراط المستقیم اب آپ کو پتہ نہیں ہوتا کہ صراط مستقیم کیا ہے۔ تو اس نے

بتایا صراط الذین انعمت علیھم ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا انعام ہوا۔ اگر آپ نے ماضی میں کوئی انعمت علیھم والا Locate کر لیا تو یہ اللہ کا راستہ ہے۔ اگر حال میں کوئی مل گیا تو بھی یہ اللہ کا راستہ ہے۔ ورنہ وہ تمام راستے جس ایک راستے پر جا کے ملتے ہیں وہ حضور اکرم ﷺ کا راستہ ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ کا راستہ انہی کا راستہ ہے۔ تو راستہ چلنے کا مقصد ہوتا ہے Ultimate منزلِ مقصود۔ منزلِ مقصود ہی راستے کی کنٹرولر ہوتی ہے۔ اپنے راستے کی حفاظت کرنے والی اور اُسے ڈاکوؤں سے بچانے والی کون سی شے ہے؟ منزلِ مقصود۔ منزل نے اپنا راستہ محفوظ رکھا ہوا ہے ورنہ تو راستہ کسی اور راستے میں مل جاتا' پھر غائب ہو جاتا مگر ایسا انتظام کیا گیا ہے کہ راستہ بالکل واضح طور پر نظر آ رہا ہے۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے پتہ نہیں ہے کہ کیا ہے۔ قرآن کی ایسی حفاظت کی گئی ہے کہ اس میں زبر زیر شامل نہیں ہو سکتی۔ نماز کی ایسی حفاظت کی ہے کہ پانچ کا مطلب پانچ ہی ہے۔ کچھ لوگوں نے کوشش کی کہ تین نمازیں کر دیں' پنجابی میں نماز پڑھ لیں' مگر یہ پانچ ہی رہیں اور یہ عربی میں ہی ہے۔ مقصد یہ کہ اس میں کوئی تبدیلی آ نہیں سکتی کیونکہ اس کی ایسی حفاظت کی گئی ہے۔ تو اس کے اندر کوئی میکانزم ایسا ہے کہ کوئی اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔ مثلاً کوئی ایک نام محترم ہے ماضی کا' کوئی سا نام' چلو کسی ایک بزرگ کا نام لے لو جو عزت کے ساتھ مشہور ہوں' مثلاً لاہور میں مادھو لال حسینؒ مشہور ہیں۔ وہ نام جو ماضی میں محترم ہو گیا' آج حال والے اگر یہ چاہتے ہیں کہ اس نام سے احترام ہٹا دیں تو یہ نہیں ہو سکتا۔ جتنی مرضی کوئی تحقیق کر کے لے آئے کہ یہ آدمی اس قابل نہیں تھا جتنی اس کی مشہوری تھی' اصل میں یہ آدمی صحیح نہیں تھا...... مگر نہیں۔ جو عزت پا گیا وہ پا گیا۔

اس کے اندر ایسا انتظام رکھا گیا ہے کہ ماضی کے اندر جو لوگ مشہور ہو گئے وہ بات تفسیر والوں کو سمجھ نہیں آئی۔ ایک مفسر نے تفسیر لکھی اور اس میں یہ لفظ لکھے کہ ایسے لوگ ہمارے ہاں ہیں جو مشکل کشا کو یا گنج بخش کو پکارتے ہیں، یہ جائز نہیں ہے۔ تو ایسی بات نہیں ہے۔ جو جو نام احترام پا گئے تم بھی ان کا احترام کرو۔ اللہ تعالیٰ نے جس جس کا جو احترام مقرر کر دیا اس کو قائم رکھو اور اگر تم اس کو اَپ سیٹ کرو گے تو تم خود ہی احترام سے محروم ہو جاؤ گے۔ آپ خود دیکھ لو یہ واقعہ ہوا پڑا ہے، بے شمار جگہ بے شمار محنتوں کے باوجود ایسے انسانوں کو بدنامی آ جائے تو پھر ایسی کوئی نہ کوئی بات تو ہو گی۔ اس لیے جن لوگوں کو اللہ نے عزت دی ہے ان کی عزت کرو۔ جن لوگوں کا اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے ان سے نہ ملا کرو۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ پرانے محترم جو لوگ ہیں وہ محترم ہی رہیں گے۔ اس بارے میں کچھ ایسا سسٹم ہے کہ اس نام کی حفاظت کی جاتی ہے۔ ہمیں ان کی تاریخ کا پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کیا واقعہ ہے لیکن کسی بزرگ کو کسی نے مشکل کشا کہہ دیا، پھر سب نے کہہ دیا اور آج جو یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان سے یہ ٹائیٹل الگ کر دیا جائے تو نہیں کر سکتے۔ تو احترام کے نام جو ہیں ان کی بھی حفاظت کی جاتی ہے، آنے والے زمانوں تک کی جاتی ہے ورفعنالک ذکرک کہا ہے تو پھر رفعنالک ذکرک ہی ہو گا، بلند ہے تو بلند ہی رہے گا۔

اب آپ کے لیے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سیدھے راستے پر سیدھا چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی زندگی پسند کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تو آپ اپنی زندگی کو پسند کریں اور اپنے بچوں کو پسند کریں، کم از کم ان کو اپنی زندگی میں مال تو دے جائیں۔ ان کے ساتھ رعایت کریں۔ اور یہ کہ گمراہ نہ ہو جانا، مال

کمانے کے لیے کبھی بدی کو استعمال نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ میں نے رزق کو حلال ہی پیدا کیا ہے' اسے حرام تم نے بنایا ہے۔ اللہ نے جو لکھا ہے وہ تو مل کے ہی رہے گا۔ جو آنا ہے وہ آئے گا۔ اب اس کو حرام نہ کرو۔ اگر تم نے حرام کا راستہ کھول دیا تو پھر حرام ہی آئے گا اور اگر حلال کا راستہ کھولو گے تو پھر حلال ہی آئے گا۔ جتنی Quantity آنی ہے وہ آئے گی۔ اپنی پچھلی کوتاہیوں پر توبہ کرو' اللہ سے معافی مانگی جائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے

صلی اللہ تعالی علیٰ خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا و مولنٰا حبیبنا و شفیعنا محمد و آلہٖ و اصحابہ اجمعین برحمتک یاارحم الراحمین۔

1 سر! آپ نے فرمایا ہے کہ یہ جو کافر ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی کئی صفات کو تو مانتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کو کیسے مبعوث فرماتا ہے......اس بات کی وضاحت فرمادیں۔

2 حواس کا خیال سے کیا تعلق ہے؟

سوال:-

سر! آپ نے فرمایا ہے کہ یہ جو کافر ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی کئی صفات کو تو مانتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کو کیسے مبعوث فرماتا ہے......اس بات کی وضاحت فرمادیں۔

جواب:-

آپ لوگ سوال کو سمجھ گئے؟ یعنی کہ وہ لوگ جو کافر ہیں وہ خدا کو نہیں مانتے لیکن پھر بھی خداوند تعالیٰ کی صفات کے قائل ہیں بلکہ کچھ تو کسی حد تک آگاہ بھی ہیں۔اور کافر یا Non-believer اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کو سمجھنے سے بالکل قاصر ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو کیسے مبعوث فرماتا ہے۔ کافر کی تعریف ہی یہی ہے۔کافر جو ہے وہ زندگی کا کافر نہیں ہوتا' وہ رزق کا کافر نہیں ہوتا' بیماری کا کافر نہیں ہوتا کیونکہ وہ بھی ہسپتال بناتا ہے' شفا کو جانتا ہے' پس انداز کرنے کو جانتا ہے' وجوہات اور نتیجے کو جانتا ہے' کسی کے ساتھ برائی کرے تو برائی کو بھی جانتا ہے' نیکی کو بھی جانتا ہے' اخلاقیات کو بھی تقریباً جانتا ہے' چوری کو برا سمجھتا ہے' ڈاکے کو برا سمجھتا ہے' کافر معاشرے میں جھوٹ بھی بہت کم ہوتا ہے' اس معاشرے میں سڑک کے کنارے اخبار بھی پڑا ہوتا ہے اور ٹوپی بھی پڑی ہوتی ہے' تو اخبار بک جائے گا

اور ٹوپی بچ جائے گی۔ اور یہاں آپ کے ہاں ٹوپی بھی لے جائیں گے اور اخبار بھی لے جائیں گے۔ میرا مطلب ہے کہ کافر بہت ساری باتوں کو جانتا ہے اور یہ ساری صفات اللہ تعالیٰ نے بتائی ہیں۔ مثلاً ماں باپ اللہ کی ایک صفت ''پالنے والے'' کا کام کرتے ہیں لیکن کوئی نہ پہچانے تو اس کی مرضی ہے۔ تو اللہ رب ہے یعنی پالنے والا اور ماں باپ بچوں کو پال رہے ہیں۔ صفت وہی ہے' الٰہی صفت یعنی پالنا۔ بلکہ کہتے ہیں کہ زمین کے پاس پوری ربوبیت ہے لیکن زمین رب نہیں ہے۔ ربوبیت کا مطلب ہے پالنے کا عمل یعنی آپ کو گندم دینا' پانی مہیا کرنا اور کھانا دینا' یہ سارے واقعات زمین پورا کرتی ہے' حتیٰ کہ آپ کے راز بھی چھپاتی ہے' متعفن جسموں کو چھپاتی ہے' خزانے بھی چھپا دیتی ہے' آپ میت کو امانت کے طور پر رکھیں تو اُسے کچھ نہیں کہتی بلکہ محفوظ رکھتی ہے۔ تو اس کے پاس بڑے راز ہیں۔ یہ جو سونا ہے' ایک تو آپ کے کان میں ہے اور ایک زمین کی کان میں ہے۔ تو سونا کان میں ہے اور پھر جب آپ کے کان میں سونا آ گیا تو آپ بھی کان بن گئے۔ تو یہ ساری الٰہی صفات ہیں۔ اللہ کی ایک اور صفت ہے رحیم یعنی رحم کرنے والا۔ کافر بھی رحم کی صفت کو جانتے ہیں اور وہ اِسے Pity کہتے ہیں' Sympathy کہتے ہیں۔ تو وہ کافر معاشرہ کہتا ہے کہ Pity ہونی چاہیے' Sympathy ہونی چاہیے' ہمدردی ہونی چاہیے' Beggar کو دینا' غریب کو دینا چاہیے' بلکہ انہوں نے Beggar's Home بنائے ہوئے ہیں' بوڑھوں کی آسائش اور آرام کے لیے گھر بنائے ہوئے ہیں' فری ہسپتال بنائے ہوئے ہیں۔ تو یہ ساری صفات وہی ہیں۔ اللہ کی ایک صفت ''خالق'' کو آپ دیکھیں۔ اس کو بھی وہ لوگ جانتے ہیں' وہ جانتے ہیں کہ یہ زندگی کا عمل ہے'

وہ موت کا عمل ہے' Maintain کرنا' Sustain کرنا اور Create کرنا جانتے ہیں۔ وہ عزت اور بے عزتی کی بات کو بھی جانتے ہیں کہ کون سا عمل عزت لائے گا اور کون سا عمل بے عزتی۔ تقدیر کو وہ چانس کہتے ہیں۔ ہیں تو یہ اللہ کے کام لیکن وہ تقدیر کو مانیں یا نہ مانیں' اسے چانس کہتے ہیں۔ اگر کوئی جہاز ڈوب جائے تو وہ کہیں گے اتفاق سے ایسا ہو گیا ہے۔ ہم مسلمان یہ کہتے ہیں کہ

بھنور ہے تقدیر کا بہانہ

تو ہم کہتے ہیں کہ سمندران کے' جہاز ان کے لیکن بھنور کسی کا نہیں ہوتا۔ ان کو سمندر کے اندر جہاز کو محفوظ چلانے کا بڑا طریقہ آتا ہے لیکن بھنور کا نام انہوں نے اتفاق رکھا ہوا ہے۔ طوفان کا نام کیا رکھا ہوا ہے؟ چانس اور اتفاق۔ ہم نے اس کا نام تقدیر رکھا ہوا ہے۔ کافر معاشرہ جو ہے وہ فطرت کو جانتا ہے کہ فطرت جو ہے وہ کیا ہے' وہ اسے نیچر کہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ نیچر کے قریب رہنا' پرندوں سے سیکھنا کہ یہ زندگی کیسے بسر کر رہے ہیں' جانوروں سے سیکھنا' سمندروں سے سیکھنا' دریا سے روانی سیکھنا' پہاڑوں سے استقامت سیکھنا ...... تو وہ قدرت کے سارے واقعات سیکھتے رہتے ہیں۔ کون؟ کافر معاشرہ۔ وہ فطرت کو تو مانتے ہیں لیکن فاطر کو نہیں مانتے۔ وہ لوگ بہت ساری باتیں جان لیتے ہیں لیکن ایک بات ان کو یہ سمجھ نہیں آتی کہ انسانوں میں سے ایک انسان پیغمبر کیسے بن جاتا ہے۔ یہی بات وہ نہیں مانتے۔ اسی کو کہتے ہیں کافر۔ کافر جو ہے وہ زندگی کا کافر نہیں ہے' وہ صفات کا کافر نہیں ہے بلکہ کافر' پیغمبر کا کافر ہے۔ وہ خدا کا بھی کافر نہیں ہوتا' بعض اوقات وہ خدا کو بھی مانتا ہے۔ ایسے مذاہب ہیں کہ وہ توحید کو مانتے ہیں' Pure توحید کو' وہ لا الٰہ

الا اللہ تک تو مانتے ہیں۔ان سے کہو کہ آگے؟ کہتے ہیں کہ آگے کچھ نہیں ہے۔تو یہ کافر ہے۔ یہ کہتا ہے کہ میں کسی پیغمبر کو نہیں مانتا۔ مثلاً جو سکھ ہے' گورونا نک جی مہاراج والا' وہ خدا کو مانے گا لیکن پیغمبر کو نہیں مانے گا۔ ہمارے بہت سارے لوگوں نے کہا کہ یہ آدمی نیک ہے' یہ درویش ہے لیکن جو پیغمبر کو نہ مانے اس نے کیا درویش ہونا ہے۔ پیغمبر کو ماننے والا مسلمان ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں پیغمبر کو تو مانتا ہوں لیکن مسلمان نہیں ہوں تو جو پیغمبر کو مانے اور مسلمان نہ ہو تو وہ پیغمبر کو نہیں مانتا۔ اگر آپ کے ہاں کوئی اسلام پسند جج ہو مثلاً جسٹس کارنیلیس ہو' اُسے اسلام سے بڑی محبت ہو لیکن وہ مسلمان نہیں ہوتا تو پھر اُسے اسلام سے محبت نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی زندگی پر کتابیں لکھنا عرفان نہیں ہے۔ چاہے وہ ساری کتابیں لکھ دے' سوانح حیات لکھ دے لیکن وہ کافر' کافر ہی رہے گا۔ تو تاریخ اسلام لکھنے والا کافر ہو سکتا ہے۔ پھر کافر کون ہوا اور مومن کون ہے؟ اللہ کے منکر کو کافر نہیں کہتے بلکہ رسولؐ کے منکر کو کافر کہتے ہیں۔ کافر کو تو خدا کے ساتھ ضِد ہی کوئی نہیں ہے' بلکہ وہ خدا کو مانتا ہے۔ جو کافر خدا کو نہیں مانتا وہ بھی دراصل مانتا ہے۔ پتہ ہے کیسے؟ مثلاً ایک آدمی کافر ہے' دہریہ ہے اور اس کا کوئی بھائی' بیٹا' عزیز یا باپ بیمار ہو جائے اور ڈاکٹر جواب دے دے تو جب وہ روتا ہے تو اس سے پوچھو کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ جب کوئی چارہ نہیں چل رہا تو پھر آنسو کس لیے آرہے ہیں؟ یہ آنسو اس طاقت کے سامنے فریاد ہیں' وہ مانے یا نہ مانے' ورنہ آنسو اس مریض کا علاج تو نہیں ہیں' نہ اس کا آپریشن ہیں' آپریشن تو ڈاکٹر نے کرنا تھا' علاج ہسپتال سے ملنا تھا' پھر رونے کا مطلب کیا ہوا؟ بے بسی میں رونے والا آدمی

دراصل خدا کے سامنے فریاد کرتا ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ وہ خدا کو جانتا ہے۔ کشتی ڈوب رہی ہو تو خدا پاس ہوتا ہے چاہے وہ کافر ہی ہوں۔ مومن اور کافر کا فرق کنارے پر آ کے پتہ چلتا ہے۔ ڈوبتی کشتی میں سارے ہی ''مومن'' ہیں' خدا کے لحاظ سے۔ جب کوئی ڈوب رہا ہو تو وہ اللہ کے قریب ہوتا ہے۔ وہ کسی نہ کسی طرح اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اور کنارے پر جب آ جاتے ہیں تو کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے ہمت سے کشتی کو بچا لیا ہے اور جو مومن ہوتا ہے وہ اور مومن ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ تیرے فضل سے ہم بچ گئے۔ بیماری میں تقریباً سارے خدا کے قریب ہو جاتے ہیں۔ بیماری کے بعد جب صحت ملے تو مومن جو ہے وہ شکر گزار ہو جاتا ہے اور باغی جو ہے وہ باغی رہتا ہے۔ اصل میں مومن کا پتہ بیماری میں نہیں بلکہ بیماری کے بعد چلتا ہے۔ کیا بیماری کے بعد تیری زندگی میں کوئی انقلاب آیا؟ کیا بیمار ہونے کا تجھے فائدہ ہوا؟ کہ بیمار ہونے کے بعد تیرے ایمان کی اصلاح ہو جاتی۔ تو کافر جو ہے بیمار ہونے کے بعد اس کی اصلاح نہیں ہوتی۔ مومن جو ہے بیماری کے اندر اس کی توبہ شروع ہوتی ہے اور بیماری کے بعد اس کے ایمان کی تقویت ہو جاتی ہے کہ میرے مالک نے مجھے اس عذاب سے بچایا۔ پھر وہ اللہ کے اور قریب ہو جاتا ہے۔ مومن جو ہے اس پر جب اللہ کی مہربانی ہوتی ہے تو وہ جھک جاتا ہے اور کافر پر مہربانی ہوتی ہے تو وہ اکڑ جاتا ہے۔ مہربانی کرنا تو اللہ کا کام ہے' اس کی اپنی کائنات ہے' وہ کرتا رہتا ہے۔ اس لیے ایک بات کافروں کو سمجھ نہیں آتی بلکہ شاید کئی مسلمانوں کو بھی سمجھ نہ آئے کہ ایک انسان جو آپ کے اندر' اپنے معاشرے میں' اپنی برادری میں زندگی گزار رہا ہو اور یک لخت ایک صبح یہ اعلان

کردے کہ میں پیغمبر ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ Message دیا ہے، آپ لوگوں کے لیے میں پیغام لایا ہوں ......تو کافر کہتے ہیں کہ یہ کہاں اور کس جگہ پر پیغمبر بنے، رہتے تو ہمارے ساتھ ہیں، اچانک یہ واقعہ کیسے ہوا؟ ماننے والوں نے کہا کہ یہ ہی پیغمبر ہیں اور ہم ان کا کلمہ پڑھتے ہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ......اور نہ ماننے والے کہتے ہیں کہ بتائیں کہ آپ پیغمبر بنے کیسے؟ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ لقد جاء کم رسول من انفسکم کہ وہ تم لوگوں میں سے رسول بنائے گئے۔ تم ہی میں سے ہیں ایک ایسے رسول جو تم لوگوں کے لیے بے تاب رہتے ہیں اور تمہارے اعمال پر رؤف و رحیم ہیں۔ انہیں ''حرص'' ہے، کس بات کا؟ تمہاری رحمت کے لیے، تمہاری بخشش کے لیے۔ یہ جو واقعہ ہوتا ہے یہ واقعہ کس مقام پر ہوتا ہے؟ اگر یہ سمجھ آ جائے تو پھر انسان کا ایمان Clear ہو جاتا ہے۔ کہ ایک انسان، آپ جیسے انسان انا بشر مثلکم میں تمہاری طرح کا انسان ہوں لیکن میرا نام تمہارا ایمان ہوگا۔ تو یہ جو واقعہ ہے یہ واقعہ کیسے ہو جاتا ہے کہ ایک آدمی کا نام ہی آپ کا ایمان بن جائے۔ تو جب ایسا واقعہ اللہ تعالیٰ کرتے ہیں تو یہ کافروں کو سمجھ نہیں آتا۔ مومن سمجھ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مہربانی کر رہا ہے۔ اللہ جو ہے وہ نظر نہ آنے والا ہے، نہ پایا جانے والا ہے، نہ ملاقات کرنے والی ذات ہے مگر پیغمبر کے ساتھ وہ پایا بھی جاتا ہے اور ملاقات بھی ہوتی ہے۔ یہ کہاں ہوتی ہے؟ یہ بات کسی کو پتہ نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی اُمت نے کہا کہ ہماری بھی تھوڑی سی بات کرا دو، ہمیں بھی اللہ کی گفتگو سنوا دو تو انہوں نے کہا یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو کافروں کو سمجھ نہیں آتا۔ تو اس سوال کا جواب کیا ہوا؟ کہ کافر جو ہے وہ زندگی کا کافر نہیں ہے، Cause اور

Effect کا کافر نہیں ہے، فطرت کا کافر نہیں ہے، مشرق کو مغرب نہیں کہتا، مغرب کو مشرق نہیں کہتا، یہ جانتا ہے کہ دریا ڈھلوان کی طرف بہتا ہے، یہ جانتا ہے کہ بیج سے درخت پیدا ہوتے ہیں، درخت سے بیج پیدا ہوتے ہیں، سب جانتا ہے لیکن یہ بات نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ بندوں میں سے ایک بندے کو کب اور کیسے پیغمبر مبعوث فرماتا ہے۔ یہ بات انسان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اور جن کے ایمان میں یہ بات آ گئی وہ مومن ہو گئے۔ جو اس بات کا انکاری ہو گیا وہ کافر ہے۔ کافر جو ہے وہ اللہ کا کافر نہیں ہے بلکہ کافر جو ہے وہ پیغمبر کا کافر ہے۔ اس لیے جھگڑا کس بات کا ہے؟ اسی بات کا ہے۔ باقی جو خدا کو ماننے کی بات ہے تو خدا تو گلا بند کر کے بھی منوا لیتا ہے۔ اس کے لیے کیا مشکل بات ہے۔ اس نے تو انسان کے اندر پیچ رکھے ہوئے ہیں، وہ پیچ کس دے گا اور انسان قابو آ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب انسان مرنے کے قریب ہوتا ہے، اس کی جان حلق میں ہوتی ہے تو تمہیں نہیں پتہ کہ بندہ مجھ سے کیا بات کرتا ہے، No body knows۔ آپ میں سے تو کسی کو موت کا تجربہ نہیں ہے لیکن اگر بیماری میں کسی کو تجربہ ہوا ہو تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ بیماری میں زیادہ قریب ہوتا ہے یعنی بیماری حلق کے اندر جان سمیت ہوتی ہے اور اللہ اُس کے قریب ہوتا ہے۔ پھر پتہ چلتا ہے کہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید، ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں، بیماری جب شہ رگ میں آ جائے تو پھر اللہ اس کے اور قریب ہوتا ہے۔ پھر پتہ چل جاتا ہے انسان کو۔ یہ ایک بات انسان کو سمجھ آ جاتی ہے کہ اللہ کو Approach کرنے کا بڑا وقت ہوتا ہے بیماری میں، غریبی میں، تنگدستی میں، خواہش پوری نہ ہونے میں، جنون پورا نہ ہو رہا ہو، اگر آپ عشق سے

آشنا ہیں اور عشق پورا نہ ہو رہا ہو...... تو آپ اللہ کے قریب ہو جاتے ہیں۔ ماں کا بچہ اگر بیمار ہو جائے تو کہتے ہیں کہ اسے خدا کا راستہ بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اسے پتہ چل جاتا ہے۔ تو جس ماں کا بچہ بیمار ہو جائے اسے خدا کی راہ کا پتہ ہوتا ہے۔ پھر خدا تک جانا بہت ہی آسان ہے۔ اصل میں یہ بات سمجھنا مشکل ہے کہ یہ جو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ کسی کو شریک نہ بناؤ مگر ساتھ ہی ایک ذات انسانوں کے لیے ایمان کا حصہ بنادی۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی شریک کر لیا؟ ایسا نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شریک نہ بناؤ اور پھر خود ہی کہتے ہیں کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی آپؐ کہہ دیں کہ اگر تمہیں اللہ کی محبت درکار ہے تو پھر میری اطاعت کرو یحببکم اللہ پھر اللہ تم سے محبت کرے گا۔ مطلب کیا ہوا؟ پیغمبرؐ کی اطاعت کا حکم کس نے دیا؟ جس نے یہ کہا کہ میرے علاوہ کسی اور کی اطاعت نہ کرنا۔ اُس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ کہا کہ اگر تم لوگوں نے آپؐ کی آواز سے اونچی آواز کر دی، ان کے علم کے برابر کوئی علم لے آئے، ان کی بات سے زیادہ کسی بات کو عزت دی تو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ جب یہ پتہ چل جائے کہ یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، یہ پسند آپؐ کی، یہ ناپسند آپؐ کی ہے تو اس کے علاوہ کوئی چیز پسند یا ناپسند کرنے سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ یہ بات کافر کو سمجھ نہیں آ سکتی۔ مومن کے لیے یہی سعادت ہے کہ وہ پہچانے کہ اللہ تعالیٰ کیسے پیغمبر بناتے ہیں۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نام کی رونق ہے۔ انکار کرنے والا بھی اللہ کا نام لے رہا ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ میں نہیں مانتا۔ اس سے پوچھو کہ کس کو نہیں مانتے؟ تو وہ کہے گا کہ اللہ کو نہیں مانتا۔ اس

سے کہوا گر اللہ نہ ہوتا تو انکار کیسے کرتا۔ تو وہ اس کا انکار کیے جا رہا ہے جو کہ ہے۔ کیونکہ نہ ہونے والی چیز کا تو انکار ہی نہیں کر سکتے۔ انکار کرنے والا بھی اللہ کے ساتھ بحث کرتا جا رہا ہے' ماننے والا بھی اللہ کی بات کر رہا ہے۔ دنیا کے اندر ذکر' انکار یا تسلیم سارے کا سارا بندے کے ذریعے ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود تو نہیں بولے اور ساری بات دنیا کے اندر انسان کے ذریعے سے ہے۔ میں نے آپ کو پہلے بھی یہ بات بتائی تھی کہ وہ مقام کون سا ہے جہاں فانی بندہ ہمیشہ رہنے والے خدا سے آشنا ہو جاتا ہے یا ہمیشہ رہنے والا خدا' فانی انسان کے ذریعے اپنی بات کرتا ہے۔ تو وہ کوئی مقام تو ہوگا۔ اس مقام کو مومن مانتے ہیں اور اس مقام کو کافر نہیں مانتے۔ یعنی کہ "میں تم سے وہ بات کر رہا ہوں کہ مجھے جس کا حکم ہوا"۔ یہ حکم کب ہوا؟ یہ چٹھی کیسے ملتی ہے؟ یہ کون سے پوسٹ آفس کی چٹھی ہے؟ جبریل امینؑ پیغام لے کر کیسے آتے ہیں؟ وحی کیسے ہوتی ہے؟ الہام کیا ہوتا ہے؟ یہ سب کافر کی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ اگر اُسے یہ بات سمجھ آ جائے تو وہ کافر نہیں رہ سکتا۔ تو یہ ماننے والوں کی بات ہے۔ نہ ماننے والوں نے ایک مرتبہ کہا کہ لو ایک اور بات سنو' وہ کہتے ہیں کہ اب معراج شریف ہو گیا ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے عروج ملا' اللہ کے پاس جانے کا موقع ہوا۔ کافروں نے کہا کہ کیا یہ ہو سکتا ہے؟ ماننے والوں نے کہا کہ اگر آپؐ یہ بات فرما رہے ہیں تو یہ ہو سکتا ہے۔ بس یہ ایمان کا درجہ ہے کہ اگر آپؐ فرما رہے ہیں تو یہ ہوتا ہے اور اگر آپؐ نے نہیں فرمایا تو پھر یہ بات نہیں ہوتی۔ میں نے پہلے بھی آپ کو یہ بات بتائی تھی۔ اب دوبارہ سن لو۔ مثلاً سچی بات یہ ہے کہ آج جمعرات کا دن ہے۔ اس بات کی اگر تحقیق کرنی ہو تو

آپ آج کا اخبار دیکھ لیں یا کسی اور سے پوچھ لیں۔ یہ ایسی سچائی ہے جس کی تحقیق ہو سکتی ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے یا پیغمبروں کے ذریعے جو صداقت دنیا کے اندر آ رہی ہے اس کی تصدیق نہیں ہے بلکہ تصدیق ہونے کا امکان ہی نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ وہ جو دنیاوی بات ہو رہی ہے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے کہ آج جمعرات ہے، آپ بے شک تصدیق کر لیں، شام کا وقت ہے، یہ تصدیق کر لیں، اتنے بجے ہیں، یہ تصدیق کر لیں۔ تو ہر صداقت کی تصدیق ہے۔ لیکن جب کہتے ہیں کہ اللہ ہے تو اس کی تصدیق نہیں ہے بلکہ اس کی تسلیم ہے۔ چونکہ آپؐ فرما رہے ہیں اس لیے اللہ ہے۔ وہ اللہ کریم کہاں ہے، اللہ کیسا ہے، وہ ظاہر ہے تو باطن کیوں ہے، باطن ہے تو ظاہر کیوں ہے، اللہ اوّل ہے تو آخر کیسے ہے، آخر ہے تو اوّل کیسے ہے، عزت دینے والا ہے تو ذلّت کیوں دیتا ہے، ذلّت دینے والا ہے تو عزت کیوں دیتا ہے، اللہ رزق دیتا ہے تو غریب کیوں کرتا ہے، غریب کرتا ہے تو رزق کیوں دیتا ہے، زندگی دے رہا ہے تو پھر موت کیوں دیتا ہے...... جب تک پیغمبر پر اعتماد نہ ہو یہ باتیں سمجھ نہیں آتی۔ دنیا کی سب صداقتیں Verifiable ہیں، آپ ان کی تصدیق کر سکتے ہیں، تحقیق کر سکتے ہیں لیکن پیغمبروں کے ذریعے جن صداقتوں کا ذکر ہو رہا ہے اس کی تصدیق نہیں ہو سکتی۔ مثلاً موت کے بعد ایک زندگی ہے۔ اب مرنے کے بعد ہی اس کی تصدیق ہو گی۔ انسان کہے گا کہ پتہ نہیں مریں گے تو کہاں ہوں گے۔ دین کے پاس اس کی تصدیق مرنے سے پہلے ہے۔ اگر یہ کہیں کہ جنت ہے تو نہ ماننے والا کہے گا کہ تم مجھے بتا رہے ہو کہ جنت ہے، مجھے تو وہ چیز بتاؤ جو میں دیکھ لوں، تم تو یہ کہہ رہے ہو کہ ایک جنت ہو گی، حوریں ہوں گی، اس کے نیچے نہریں بہہ

رہی ہوں گی ......تو یہ کہاں پر ہے؟ ماننے والا کہے گا کہ یہ مرنے کے بعد ہوگا' جب ہم نہیں ہوں گے' پھر ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ کافر کہے گا کہ ہڈیاں گل گئیں تو انسان زندہ کیسے ہوگا' یہ کیسے ہوسکتا ہے' یہ تو بڑی مشکل بات ہے۔ اللہ کریم نے اس کا یہ ثبوت دیا کہ جو پہلی بار پیدا کرتا ہے اس کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ انسان کے پہلے پیدا ہونے میں اس کی اپنی کیا دلیل تھی' یہ اللہ کا حکم تھا جو وہ پیدا ہو گیا' یا تو تم یہ بتاؤ کہ پہلی بار پیدا ہونا کون سا آسان ہے۔ اللہ کریم نے بڑے ثبوت دیے ہیں۔ اس نے کہا کہ تم کہتے ہو کہ مجھے دوبارہ پیدا کرنا مشکل ہوگا تو یہ پہاڑ دیکھو' کبھی تم نے اونٹ کو دیکھا کیف خلقت کہ میں نے اسے کیسے پیدا کیا۔ اگر پہاڑ اور اونٹ کو پیدا کرنا مشکل نہیں ہے تو پھر انسان کو دوبارہ پیدا کرنا ہمارے لیے کیا مشکل ہے۔ تو پہاڑ کو دیکھو' پہاڑ کے دامن میں مٹی ہے اور مٹی میں سے دریا بہہ رہا ہے' پہاڑوں پر درخت' بادل اِدھر چلے آ رہے ہیں' بادل اُدھر چلا جا رہا ہے' مچھلی تیرتی ہے' پرندے اُڑتے ہیں' انسان پیدا ہوتا ہے اور مر جاتا ہے ......لیکن ابھی تک تمہیں بات سمجھ نہیں آئی۔ تم پیدا ہوئے اور اتنے بڑے ہو گئے ہو مگر ابھی تک تمہیں خدا سمجھ نہیں آیا......تو یہ اللہ کریم کے ثبوت ہیں کہ تم چھوٹے سے تھے اور پھر اتنے بڑے ہو گئے۔ اب یہ ہونا کیا ہے' نہ ہونا کیا ہے' تمہاری آنکھ کیا ہے' آنکھ میں بینائی کیا ہے' اگر صرف بینائی ملتی اور نظارہ نہ ملتا تو بینائی کس کام کی؟ اور اگر نظارے ہوتے اور بینائی نہ ہوتی تو نظارے کس کام کے۔ تو نظارہ بھی ملا اور بینائی بھی ملی' اور یہ سب کرنے والا اللہ ہے۔ تو تمہیں یہ بات سمجھ آنی چاہیے کہ اللہ کے لیے کیا مشکل ہے کہ دوبارہ پیدا کر دے۔ اگر آپ بہت باریکی سے دنیا

کو دیکھیں تو پھر آپ کو خالقِ اکبر کی سمجھ آئے گی کہ وہ کیا ہے۔ اور آپ کائنات کی وسعتوں کو دیکھیں تو ایسے ایسے ستارے ہیں کہ زمین سے کروڑوں' Million Times بڑے ہیں اور دور ہیں۔ اگر اور باریکی کی طرف جائیں تو ایٹم کے اندر الیکٹران اور پروٹان کے علاوہ بھی اور واقعات ہیں۔ تو اللہ کی تخلیق اتنی باریک بھی ہے اور اتنی وسیع بھی ہے' اس میں اتنی ورائٹی ہے کہ تم اس بات کو سمجھ نہیں سکتے۔ اگر آپ درخت کا ایک پتہ دیکھ لیں' بے شک اندر سے اس کی تحقیق نہ کرو بلکہ صرف اوپر سے اس کی ہیئت دیکھ لو' شکل دیکھ لو' Form دیکھ لو تو آپ کو سمجھ آ جائے گی۔ آپ اپنا ایک بال دیکھ لیں کہ اس کے اندر خون ہے' خون چل رہا ہے' آپ اپنے کھانے کا لقمہ دیکھ لو' لقمہ گندم کا ہوتا ہے' گندم سے کتنے کرشمے ہو جاتے ہیں' آنکھوں میں بینائی آ جاتی ہے' ذہن میں پہچان آ گئی' کانوں میں اس کی طاقت گئی تو سماعت بن گئی ...... تو گندم نے اندر جا کے کیا کھیل کر دیا۔ یہ چیز تمہیں سمجھ کیوں نہیں آتی؟ بے رنگ زمین' بے رنگ بیج اور بے رنگ پانی ...... تینوں بے رنگ ملے تو ان میں نیرنگ کیسے پیدا ہو گیا' رنگا رنگ پھول کیسے نکل آئے۔ تو یہ غور والی بات ہے کہ بیج بھی رنگین نہیں ہے' زمین بھی رنگین نہیں ہے اور پانی بھی رنگین نہیں ہے تو یہ رنگ کہاں سے آ گیا۔ اگر ان باتوں کی سمجھ آ جائے تو پھر پتہ چلتا ہے کہ اللہ کیا ہے۔ تو اللہ کریم کی یہ باتیں سمجھنے والی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ فرمایا ہے کہ تم غور کرو تو میرے لیے دوبارہ پیدا کرنا مشکل نہیں ہے' تم پہلے میری کائنات پہ غور کرو' ستاروں پر غور کرو' ذرّوں پہ غور کرو' صحرا پہ غور کرو' ساحل پہ غور کرو' سمندر پہ غور کرو' اپنے ہونے پہ غور کرو...... اگر ایک بار پیدا کرنا میرے لیے مشکل نہیں ہے تو دوبارہ

پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ کیا تم نے کبھی خزاں دیکھی؟ خزاں کو دیکھیں تو درخت ویران ہیں' ٹنڈ منڈ ہو گئے' جل گئے سڑ گئے...... پھر اللہ نے ایک ہوا چلادی اور درختوں میں کونپلیں آ گئیں' پھول نکل آئے' پتے نکل آئے۔ تو اللہ ایک ہوا چلاتا ہے تو آبادیاں ہو جاتی ہیں اور دوسری لہر چلاتا ہے تو موت۔ پھر ایک لہر چلا دے گا تو سب زندہ۔ اللہ کے لیے مشکل کیا ہے۔ آپ لوگ سمجھتے ہی نہیں۔ اللہ وہ ہے جس کے لیے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔ مشکل کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ کریم نے یہ جو کہا کہ مرنے کے بعد ایک زندگی ہو گی تو کافروں کو یہ بات سمجھ نہ آئی۔ جب تک آپ کسی پیغمبر کو نہ مانیں یہ بات سمجھ نہیں آئے گی کیونکہ مرنے کے تجربے سے پہلے وہ مرنا کیسے مان لیں۔ تو یہ وہ حقیقتیں ہیں' یہ وہ صداقت ہے جس کو Verify نہیں کیا جا سکتا بلکہ صرف مانا جا سکتا ہے۔ مثلاً یہ صرف مانا جا سکتا ہے کہ جنت ہے' مرنے کے بعد ایک زندگی ہے' یہ بھی مانا جا سکتا ہے۔ تو یہ بات ماننے والا مانے گا۔ اس کو یہ علم کس نے دیا؟ تجربے نے نہیں دیا۔ باقی ساری صداقتیں تجربے کی ہیں' یہ صداقت جو ہے یہ اطلاع کی ہے اور اطلاع جس کی ہے وہ ذات صادق ہے اور صادق وہ ہیں جو اللہ کی طرف سے پیغمبرؑ ہیں۔ یہ بات کافروں کی سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ یہ وہ صداقت ہے جس کا آپ تجربہ نہیں کر سکتے بلکہ اسے صرف تسلیم کر سکتے ہیں۔ اس میں تحقیق کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان پریشان ہوتا ہے۔ ہم لوگ تجربے کی دنیا میں رہتے ہیں۔ مثلاً یہ کہتے ہیں کہ وہاں جانے سے کیا ہو گا' تو وہ کہتا ہے کہ وہاں جا کر یہ پتہ چلے گا۔ اب اگر اُسے یہ کہو کہ مرنے کے بعد یہ پتہ چلے گا تو وہ نہیں مانے گا۔ اگر وہ مان لے تو

آسانی ہے اور نہ مانے تو تحقیق نہیں ہوسکتی، تجربہ نہیں ہوسکتا۔ جنت آپ کو کوئی نہیں دکھائے گا، خدا کوئی نہیں دکھائے گا، خدا کی آواز کوئی نہیں سنائے گا، بلکہ پیغمبر کہے گا کہ خدا نے مجھ سے جو بات کی ہے ہم وہ سنا رہے ہیں، ہم وہ بتا رہے ہیں جو اللہ نے فرمایا۔ کافر کہتا ہے کہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ اسی کو تو کافر کہتے ہیں۔ ورنہ کافر اس زندگی کا کافر نہیں ہے، بیماری کا کافر نہیں ہے، ضرورت کا کافر نہیں ہے، وہ ہسپتال بنائے گا، اچھا اخلاق رکھے گا، سچ بولے گا مگر یہ نہیں مانے گا کہ سب بندوں میں سے ایک بندہ پیغمبر کیسے بن گیا ہے۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ تو پیغمبر وہ ہوتا ہے جس کی بیعت اس کا چچا بھی کرے، اس کا ابا بھی کرے، اولاد بھی اس کی بیعت کرے۔ یعنی اس کے دین پر چلے۔ تو باپ کے ساتھ بھی یہ واقعہ ہوا، چچا کے ساتھ بھی۔ وہ لوگ حیران تھے کہ یہ تو ہمارا بچہ تھا، یہ اتنی بڑی بات کیسے ہوگئی۔ انہوں نے کہا یہ بڑی بات ہی بس خدا کی بات ہوتی ہے۔ کافروں نے کہا کہ خدا نے بھی کمال کر دیا، ان کو پیغمبری دے دی اور ہمیں بات ہی نہیں سمجھائی۔ تو یہ ہوتی ہے بڑی بات۔ تو کافر کو یہ بات سمجھ نہیں آتی اور مومن یہ کہتا ہے کہ یہ اللہ کی شان ہے، وہ جس کو دے۔ تو ماننے والا یہ مانتا ہے کہ یہ اللہ کی شان ہے، وہ جس کو چاہے دے دے، یہ اس کی مرضی ہے جس کو چاہے عطا فرمائے، اس کا شکر ہے کہ ہمارے قریب ہی یہ چیز عطا ہوگئی۔ اور جو کافر ہوتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ یہ بات ہمارے قریب کیسے ہوگئی۔ نہ ماننے والے آخری دم تک نہ مانے، ابوجہل جو تھا وہ ابوجہل ہی رہا اور ماننے والے مان گئے۔ تو کہانی اتنی ساری ہے۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ لہٰذا کافر جو ہے ایک بات کا کافر ہے، اس کا اور کوئی جھگڑا نہیں ہے، اس کا صرف رسالت کا جھگڑا ہے۔ جو

آدمی اللہ کو ماننے والا ہو، صرف توحید کو ماننے والا ہو اور رسالت کو نہ مانے وہ آدمی ہمارے خیال میں کافر ہے۔ ہم اس کو نہیں مانتے۔ کچھ لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اندر سے مسلمان تھے، لیکن وہ باہر سے مسلمان کیوں نہیں تھے؟ ان کو Open مسلمان ہونا چاہیے اور پھر وہ مسلمانوں کے اندر ہی رہے۔ تو یہ ایک واقعہ ہے۔ اس واقعہ کا راز کھلے گا کسی وقت جا کر...... بہر حال رسالت کے انکار سے Compromise نہیں ہے یعنی رسالت کے منکر کے ساتھ Compromise نہیں ہے۔ اللہ کا منکر ہے ہی کوئی نہیں۔ جو کہتا ہے کہ میں خدا کو نہیں مانتا، وہ بھی مانتا ہے، مثلاً جس شخص کی آنکھ میں آنسو ہیں وہ خدا کا منکر ہو ہی نہیں سکتا، جس شخص کو کسی بھی شخص سے محبت ہے وہ خدا کا منکر نہیں ہو سکتا، جس شخص کو بھوک لگتی ہے وہ خدا کا منکر نہیں ہو سکتا، جس کو نیند آتی ہے وہ خدا کا منکر نہیں ہو سکتا، جس شخص کو بیماری میں تکلیف ہوتی ہے وہ خدا کا منکر نہیں ہو سکتا، جس شخص کو اولاد کی تکلیف ہوتی ہے وہ خدا کا منکر نہیں ہو سکتا، جس کو باپ کے مرنے کا افسوس ہوتا ہے وہ خدا کا منکر نہیں ہو سکتا...... تو کوئی خدا کا تو منکر ہو ہی نہیں سکتا۔ منکر کہاں ہے؟ انکار کہاں ہے؟ رسالت کا۔ اور یہیں پر ہی ہماری بحث ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں ایک پورا واقعہ ہے، اورنگزیب بادشاہ اور سرمد شہیدؒ کا۔ لوگوں نے بادشاہ سے کہا کہ یہ بزرگ لا الہ الا اللہ کہتے رہتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا لا الہ سے آگے؟ انہوں نے کہا کہ آگے کچھ نہیں ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر آگے کچھ نہیں ہے تو اس کی گردن اُڑا دو۔ جب گردن اُڑا دی تو کہتے ہیں کہ اُن کے خون سے نکلا محمد رسول اللہ ...... کہتے ہیں کہ اُن میں اتنا ادب تھا کہ وہ وجود کی حالت میں محمد رسول اللہ

نہیں کہہ سکتے تھے۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ کہ وجود کی ناپا کی کیا ہے؟ کہ اس حالت میں وہ آپ ؐ کا نام نہیں لیتے تھے۔ یہ ادب کا ایک مقام ہے۔ اور گستاخی کا بھی یہی مقام ہے، یعنی کہ نام نہ لینا گستاخی ہے اور نام نہ لینا بھی انتہا کا ادب ہے۔ کسی سے پوچھا گیا کہ کیا تم حضور پاک ؐ کا دیدار کرو گے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ جو ''نہیں'' کہتا ہے وہ گستاخ ہے اور جو ''نہیں'' کہتا وہ بھی بڑا مؤدب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں اور آپ ؐ کا دیدار؟ میں اس قابل نہیں ہوں، نہ میری آنکھیں اس قابل ہیں اور نہ میری ذات اس قابل ہے، اس لیے میں دیدار کے قابل نہیں ہوں، اس لیے میرے لیے اتنا سارا کافی ہے کہ وہ مجھ پہ مہربان ہیں، دیدار کا دعویٰ میرے بس کی بات ہی نہیں ہے۔ تو یہ ادب ہے۔ اور جو کہتا ہے کہ میں مانتا ہی نہیں ہوں تو وہ گستاخ ہے۔ ایک جگہ پر گستاخ اور ماننے والے تقریباً برابر ہو جاتے ہیں۔ اب اس میں ایک بات بڑے نقطے کی ہے کہ

ے

کافرِ عشق ہوں میں بندۂ اسلام نہیں

بت پرستی کے سوا اور مجھے کام نہیں

یہ بات کہنے والے بڑے عالم اور پیر ہیں۔

ے کافر نہ شُدیٰ لذتِ ایماں چہ شناسی

یہ بات کہنے والے بڑے بزرگ اور پیر ہیں۔ گویا کہ ایمان اگر قوی ہو جائے تو جو فقرہ کہا جاتا ہے وہ عام طور پر تب کہا جاتا ہے جب کفر قوی ہوتا ہے۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ کہ ایمان اگر قوی ہو جائے تو عام طور پر ایسی بات کہی جاتی ہے کہ ہم جانتے ہیں اللہ کو، اللہ ہی اللہ ہے، کیا کہنا ہے اُس نے...... تو وہ بے باک بات

کر جاتا ہے۔ وہ ایسی بات کر جاتا ہے جیسا کہ نہ ماننے والا کرتا ہے۔ تو ماننے والا کہہ جاتا ہے کہ اللہ کیا ہے' اللہ ٹھیک ہے' اصل میں تو بات حضورؐ کی ہے۔ وہ اللہ کے ساتھ ایسی بات کر جاتا ہے جو نہیں کرنی چاہیے۔ یعنی کہ کافر گستاخی میں وہ بات کرتا ہے اور مومن وہ بات بے تکلفی میں کر جاتا ہے۔ بعض اوقات وہ ایسی بات بھی کہہ جاتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ اللہ مجھے دوزخ میں ڈال دے گا لیکن میرے دل سے حضور پاکؐ کی محبت تو نہیں نکال سکتا۔ ہے یہ بھی ادب والا آدمی۔ وہ کہتا ہے کہ

نماز پڑھاں کہ میں تیں وَل دیکھاں
میکوں کعبہ بھُل گیا ای

تو ایسی بات بھی کہہ جاتے ہیں کہ ہم حج نہیں کرتے ...... بظاہر یہ بڑا گستاخ فقرہ ہے لیکن یہی بڑا مومن فقرہ ہے۔ گستاخ اس لیے ہے کہ اس نے حج سے انکار کیا ہے اور مومن اس لیے ہے کہ گھر میں حج ہو رہا ہے' صبح شام' دن رات حج ہو رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اللہ دور ہو تو ہم دیکھنے کے لیے جائیں' دل میں ہو تو ہم کہاں جائیں' پھر جانا کہاں ہے۔ میرا مطلب ہے کہ یہ سب آگے جا کے برابر ہو جاتا ہے۔ ماننے والوں نے ایسے ایسے فقرے کہے ہیں کہ درمیان والے جو لوگ ہیں انہوں نے ان فقروں سے شریعت سے باہر جانے کا راستہ لیا ہے۔ سڑک کے کنارے' دریا کے پاس' اللہ کی یاد میں کوئی اللہ کا ولی بیٹھ گیا' اپنی محویت میں بیٹھ گیا۔ اب وہ نماز کی انتہائی حالت میں ہے۔ اس لیے بعض اوقات منکر کی جو حالت ہوتی ہے قوی مومن کی وہی حالت ہوتی ہے۔ آپ میری بات سمجھے ہیں؟ تقریباً برابر۔ اس لیے جن بزرگوں کو دیکھ کر آپ کو لگے کہ کچھ تجاوز ہو گیا' شریعت کے علاوہ بات

ہوگئی ہے' مثلاً ''انا الحق'' جو ہے شریعت کے علاوہ ہے' تو وہ اللہ ہی اللہ ہے۔ یہ کیسے اللہ ہی اللہ ہے؟ بس اس کو پھانسی لگادو۔ تو وہ پھانسی لگ گئے۔ یہ جو ''انا الحق'' کہنا ہے یہ عین صداقت ہے اور ماننے والے کی انتہائی حالت ہے اور یہ جو ہے یہ انکار کرنے والے کی بھی انتہائی حالت ہے۔ صاحبِ شریعت نے اِسے انکار کہہ کے اُنہیں سُولی چڑھادیا اور ماننے والے نے اسے اقرار کہہ کے کہا کہ سُولی کے اوپر اب دیدار ہونا ہے' وہ خود ہی آئے گا۔ اگر وہ دار پر چڑھائے گا تو دار پہ ہوگا' اگر سنگِ درِیار پر بلائے گا تو سنگِ درِیار پر ہوگا۔ تو یہ باتیں بالکل برابر برابر کی ہیں۔ درمیان والے لوگوں کو پریشانی ہوتی ہے۔ اس لیے درمیان والے لوگ یہ بات فائنل سوچ لیں کہ شریعت فائنل ہے ادب کے ساتھ۔ جوں جوں ایمان قوی ہوتا جائے گا' بے باک باتیں ایسی ہوتی جائیں گی جو نہ ماننے والوں میں ہیں۔ اس طرح پھر بات آسان ہوجاتی ہے۔ لیکن نہ ماننے والے گستاخ ہیں۔ اور بے باک آدمی جو ہے وہ قریب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ قریب رہنے والا آدمی تقریباً قریب ہی ہوجاتا ہے۔ پھر دور رہنے والے کی کیفیت اور قریب رہنے والے کی کیفیت برابر ہوجاتی ہے' کافی برابر ہوجاتی ہے۔ بس درمیان میں رسالت کا فرق ہے اور وہ ایمان اگر قوی ہوجائے تو پھر بات محفوظ ہوجاتی ہے۔ ورنہ جتنے بھی لنگوٹا باندھنے والے فقیر ہیں' مجذوب فقیر ہیں' ''غیر شرعی'' فقیر ہیں' مولوی نہ ہونے والے ہیں' صاف ظاہر ہے انہیں تو پھانسی لگادینی چاہیے۔ لیکن یہ سارے قریب ہیں۔ دنیا کے اندر بہشتی دروازہ عین حکم کے مطابق ہے اور لگتا ہے کہ عین حکم کے علاوہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ حکم ہے کہ جو ایک دفعہ یہاں سے گزر گیا وہ جنتی ہوگیا۔ یہ ٹھیک ہے'

کیونکہ یہ اسی دنیا میں ایسا ہونا چاہیے۔ جس آدمی کو پتہ نہیں ہوگا اور وہ بھیڑ میں شامل ہو گیا تو بھیڑ ہی اُسے اُدھر پہنچا دے گی۔ نیک ہجوم میں شامل ہونے والا ہجوم کی اپنی Dynamics میں سے پاس ہو جاتا ہے، گزر جاتا ہے۔ صحیح ہجوم کی تلاش اور صحیح سنگت کی تلاش، سفر کرنے کی ہر وقت کی احتیاط سے بچا دیتی ہے۔ کیا کہا؟ سفر کے اندر احتیاط سے بچنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ صحیح سنگت اختیار کر لیں۔ سنگت صحیح ہو گی تو پھر ہر بات پہ یہ سوچنے کی ضرورت نہیں ہو گی کہ میں صحیح جا رہا ہوں کہ نہیں۔ گروہ کے ساتھ چلنے والا عام طور پر محتاط ہونے سے بچ جاتا ہے۔ وہ میلے کے ساتھ جا رہا ہوتا ہے۔ میلہ گمراہ نہیں ہوتا۔ ہجوم گمراہ نہیں ہوتا۔ کثرت عام طور پر گمراہ نہیں ہوتی ...... اس لیے آپ یہ دیکھو کہ کافر کو یہ سمجھ نہیں آتی کہ پیغمبر کیسے بنتا ہے۔ بات سمجھ آئی؟ یہ بات یاد رکھنے والی ہے۔ پیغمبر کی بات کیسے سمجھ آ سکتی ہے کہ ایک بندہ باقی بندوں میں پیغمبر کیسے بن جاتا ہے۔ ہے تو وہ بھی بندہ، اس کے بھی ماں باپ ہیں، پیغمبر کا بھائی جو ہے وہ بھائی ہے اور وہ پیغمبر نہیں ہے، پیغمبر کا باپ جو ہے وہ پیغمبر کا باپ ہے لیکن وہ پیغمبر نہیں ہے، پیغمبر کی اولاد، اس کی اولاد تو ہے لیکن پیغمبر نہیں ہے۔ پیغمبر وہ ہے جس کو پیغمبر بنایا جائے اور یہ اللہ خود بناتا ہے۔ یہ کائنات جو ہے اس میں اللہ نے ماننے والا بنا دیا اور اس کو منوانے والا بنا دیا۔ یہ اللہ کی بات ہے! اس کو سمجھنا چاہیے۔ بات Clear ہو گئی؟

اب بولو...... کوئی اور سوال ...... بات ساری نیت کی ہے۔ اگر انسان صداقت کی اور اچھائی کی اور اللہ کے راستے کی نیت لے کے چلے تو عام طور پر اُس کے گمراہ ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا کیونکہ نیت کے ساتھ ہی، مطابق ہی اللہ کریم

اس سے تعاون فرمادیتے ہیں۔ اعمال کو نیت سے ہی پھل ملتا ہے۔ اگر انسان کی نیت اچھی ہو تو عام طور پر اس کے ہم سفر اچھے ہو جائیں گے، منزل اچھی ہو جائے گی، رہنما اچھے ہو جائیں گے، واقعات اچھے ہو جائیں گے۔ ایک واقعہ میں آپ کو سناتا ہوں۔ ایک دفعہ حضرت امیر خسروؒ جب پہلی بار حضرتِ محبوبِ الٰہی نظام الدین اولیاءؒ سے ملنے گئے تو انہوں نے اندر دو شعر لکھ کے بھیجے تا کہ پیر صاحب کو سوال کر کے آزمایا جائے ؎

تو آں سلطاں کہ بر ایوانِ قصرت
کبوتر گر نشیند باز گردد
غریبے مستمندے بر در آمد
بیاید اندروں یا باز گردد

یعنی آپ ایسے بادشاہ ہیں کہ آپ کے محل پر کبوتر بیٹھے تو باز بن جاتا ہے، میں غریب، ضرورت مند آپ کے دربار میں اندر آ جاؤں یا یہاں سے چلا جاؤں۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ ؎

بیاید اندروں مردِ حقیقت
کہ باما یک نفس ہمراز گردد
اگر ابلہ بود آں مردِ ناداں
ازاں راہے کہ آمد باز گردد

یعنی اگر تو مردِ حقیقت ہے تو اندر آ جا، اندر چلا آ، تجھے میں آشنائے راز بنا دوں اور اگر تمہیں کوئی دنیاوی تمنا ہے تو جس راستے سے آیا ہے اسی راستے سے واپس چلا

جا......تو اگر وہ حقیقت شناس ہے تو اُسے وہ راز آشنا کردیں گے اور اگر دنیاوی طلب گار ہے تو اس راستے پہ فوراً واپس چلا جائے۔ ان کے اندر تو صحیح طلب تھی، وہ اندر آ گئے۔ مطلب یہ کہ طلب ایک ایسی چیز ہے کہ آپ اپنے انجام کو اپنی طلب کے نام سے پہچان سکتے ہیں۔ دل میں سوچو کہ آرزو کیا ہے، طلب کیا ہے؟ اگر وہ اللہ کی ہے تو یہ طلب ناکام نہیں ہو سکتی، کسی علاقے میں ناکام نہیں ہو سکتی، گمراہ دور میں ناکام نہیں ہو سکتی، کافروں کے دیس میں بھی آپ کو اللہ مل سکتا ہے کیونکہ اللہ وہاں بھی ہے اور یہاں بھی ہے۔ وہ ساری کائنات میں ہے۔ کائنات کے اندر آپ جس مقام پر ہیں وہاں اللہ کا ملنا آسان ہے۔ اگر آپ مچھلی کے پیٹ میں ہیں تو بھی اللہ کا ملنا آسان ہے۔ صحت میں اور بیماری میں بھی اللہ مل سکتا ہے۔ اگر آپ کی طلب دنیا کی ہے تو یہ تو کبھی پوری نہیں ہونی، چاہے یہ نیکی کے نام پر ہو یا بدی کے نام پر ہو۔ نیکی کے نام پر بہت سے لوگوں نے دنیاوی طلب کی ہے۔ لوگ دعا کرواتے ہیں کہ پیسے زیادہ آ جائیں، پھر ہم حج کریں گے۔ پھر دعا قبول ہوئی، کارخانہ چل گیا مگر حج نہیں کیا۔ کہتا ہے وقت نہیں ملا، بڑی مصروفیت ہے۔ تو نیکی کے نام پر لوگوں نے دنیا کی بہت طلب کی ہے۔ جواز کیا بناتے ہیں؟ پیسہ ہونا چاہیے اس سے خدمتِ خلق کروں گا۔ خدمتِ خلق کے نام پر لوگ اپنے آپ سے محروم ہو گئے۔ تو آپ اپنی طلب کو دیکھیں کہ کیا طلب صادق ہے، کیا طلب اللہ کی ہے؟ تو انشاء اللہ تعالیٰ آپ گمراہ نہیں ہوں گے اور اگر طلب دنیا کی ہے تو کامیاب نہیں ہوں گے۔ دنیا کی طلب کیا کرنی ہے، اگر بادشاہی کرنی ہے تو بھی نقصان ہے۔ تو اپنے سفر سے پہلے یہ دیکھنا کہ عزم سفر کی نیت کیا ہے، کہ آپ کیوں

یہ کام کر رہے ہیں؟ اگر کسی کی نیت اندر سے آسان ہو جائے' صاف ہو جائے تو سفر کا پہلا قدم جو ہے وہ آخری قدم ہے۔ اپنے آپ کی اصلاح صرف اتنی کرنی ہوتی ہے کہ نیت درست ہو' پھر پہلا قدم ہی آخری قدم ہے۔ شریعت ایک فارمولا ہے اور طریقت اس فارمولے کے اندر احساس یا قوت ہے' چلنا آپ نے خود ہی ہے' اور کسی نے آپ کو لے کے نہیں جانا' بس نیت درست ہو جائے' نیت کی اصلاح ہو جائے اور درمیان میں ہیرا پھیری نہ ہو۔ صاف ستھرا سفر ہو' پھر اللہ ہی اللہ ہو جاتی ہے۔

کوئی اور بات پوچھ لو...... آپ بولیں......

سوال:-

حواس کا خیال سے کیا تعلق ہے؟

جواب:-

احساس کی دنیا یا حواس کے اندر کوئی ایسا سسٹم ہے' طلاطم ہے کہ خیال Clear ہو کے باہر نہیں آ رہا یا ویژن جو ہے وہ Clear ہو کے باہر نہیں آ رہا' اندر بیتابی ہے۔ آپ ایک شعر سنیں' شعر سے بات بڑی واضح ہو جاتی ہے

؎ تیری یاد میں ہوا جب سے گم تیرے گم شدہ کا یہ حال ہے
کہ نہ دور ہے نہ قریب ہے نہ فراق ہے نہ وصال ہے

تو یہ کیفیت ہو جاتی ہے۔ انسان کی محویت کا ایسا مقام آ جاتا ہے۔ محویت بعض اوقات بے عنوان ہوتی ہے اور بعض اوقات عنوان والی بھی ہوتی ہے۔ یہ بڑی اہم بات ہے کہ کسی سفر کے اندر صداقت کے ساتھ کچھ عرصہ چلنے کے بعد جو ظاہری

انعام ملتا ہے' دنیاوی طور پر ملتا ہے وہ محویت ہے۔ نیکی کے کسی شعبے میں یا شغل یا اشغال کے کسی شعبے میں آپ خلوص سے چلتے جائیں تو نتیجہ محویت ہے۔ محویت کا معنیٰ یہ ہے کہ انسان جس چیز سے محویت حاصل کرتا ہے اس چیز سے بھی غافل ہو جاتا ہے۔ پھر وہ کہتا ہے کہ تیرے خیال میں ایسا محو ہو گیا کہ تیرے آنے کا بھی علم نہیں ہے ۔

بے نیازِ ہوش کتنا بے نیازِ ہوش تھا
یہ نہیں معلوم کوئی زینتِ آغوش تھا

وہاں پر یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ انسان کیا سے کیا ہو گیا۔ مدعا یہ ہے کہ یہ جو محویت ہے یہ استغراق سے پہلے کی کیفیت ہے۔ اس کے بعد استغراق آ جاتا ہے۔ محویت کا مطلب یہ ہے کہ ابھی جنون پختہ نہیں ہے۔ محویت کا معنیٰ یہ ہے کہ ۔

منم محوِ خیالِ اُو نمی دانم کجا رفتم
شدم غرقِ وصالِ اُو نمی دانم کجا رفتم

کہ میں اُس کے خیال میں اتنا محو تھا کہ پتہ نہیں چلا کہ کہاں چلا گیا اور اس کے وصال میں گم ہو کے کہاں سے کہاں چلا گیا۔ جانا کہاں تھا اور چلا کہیں اور گیا۔ یہ محویت کا ایک درجہ ہے۔ اس کے بعد استغراق آتا ہے۔ استغراق کا مطلب یہ ہے کہ پھر ہمہ عالم' یعنی ایک ہی عالم ہے' پھر قدم اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب تو "رفتم" والی بات ہے' پھر "رفتم" والی بات نہیں ہوتی کیونکہ تب استغراق آ جاتا ہے۔ استغراق والے پر ہر وقت ایک ہی وقت ہوتا ہے' ہر کیفیت ایک ہی کیفیت ہوتی ہے' وہ دکھ میں ہنستا ہے اور خوشی میں روتا ہے۔ استغراق کا عجب عالم ہوتا ہے

کہ اس کو پتہ نہیں چلتا کہ کیا سے کیا ہو گیا ہے۔ استغراق عام طور پر ان کو ملتا ہے جن کو اس سفر میں کوئی کام کرنا ہوتا ہے۔ محویت ہر آدمی کے لیے انعام ہے مگر استغراق اُن کے لیے ہے جن کو اس سفر میں کوئی کام کرنا ہو، جس سے کوئی Contribution کرانی ہو۔ یہ محویت کی اگلی سٹیج ہے۔ کیونکہ وہ شخص محویت میں ہوتا ہے اس لیے اس کا خیال واضح نہیں ہوتا' اس کے خیال کا رُخ نہیں بنتا۔ محویت کا معنٰی یہ ہے کہ میں چلا جا رہا ہوں۔ اُسے یہ پتہ نہیں ہوتا کہ کہاں جانا ہے' چل رہے ہیں اور بس چل رہے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ آپ کو یہ تجربہ ہوا ہو کہ کبھی آپ محویت کے عالم میں اپنے گھر کے آگے سے گزر جائیں۔ ایسا ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ محویت میں اس بات سے بھی آشنا نہ رہیں جس بات نے یہ محویت دی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب غم بڑھ جائے' شدتِ غم بڑھ جائے تو انسان اس کو بھی بھول جاتا ہے جو یہ غم دے گیا۔ اس سے پوچھو کہ کون سا واقعہ تھا جس نے غم دیا تھا تو وہ کہتا ہے اب تو غم ہی غم ہے' وہ واقعہ یاد نہیں رہا' اس واقعہ کی بات چھوڑو۔ اب تو ہر واقعہ ایک ہی واقعہ ہے۔ جب کوئی بزرگ یا رشتے دار مرتا ہے تو پہلی بار آنکھ روتی ہے۔ اب وہ کہتا ہے کہ آنکھ روتی ہی رہتی ہے' اب یہ نہیں پتہ کہ کیا ہے' ہر واقعہ ایک واقعہ ہے' ہر غم ایک ہی غم ہے' آج کا دن بھی کل کی طرح گزرا ہے

آج کا دن بھی قیامت کی طرح گزرا ہے
جانے کیا بات تھی ہر بات پہ رونا آیا

جب انسان کا دل غمگین ہوتا ہے تو ہر بات پہ رونا آتا ہے' ہر وقت رونا آتا ہے۔ تو محویت میں انسان کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے۔ محویت جو ہے یہ عطا ہے۔ یہ ہر ایک

کے لیے نہیں ہوتی۔ محویت عام طور پر محبت میں ہو جاتی ہے‘ محویت خیال میں ہو جاتی ہے‘ محویت میں یہ خیال نہیں رہتا کہ میرا خیال کیا ہے‘ محویت میں نام بھی یاد نہیں رہتا۔ اس سے پوچھو کہ آپ کا نام؟ کہتا ہے کیا نام...... آپ کہاں سے آئے ہیں؟ دُکھ سے آیا ہوں۔ کہاں جا رہے ہیں...... غم میں جا رہا ہوں۔ تو اس کو کچھ یاد نہیں رہتا‘ سارا اتہ پتہ بھول جاتا ہے۔ اس سے پوچھیں کہ آپ کا پتہ؟ تو وہ کہتا ہے کیا پتہ...... تو محویت میں عام طور پر یہ واقعہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے آپ یہ دیکھیں کہ عام طور پر محویت والے جو لوگ ہوتے ہیں وہ گھر سے نقل مکانی کر کے کہیں چلے جاتے ہیں۔ ان کا کوئی گھر رہتا ہی نہیں ہے‘ انہیں گھر‘ گھر نظر نہیں آتا اور باہر‘ باہر نظر نہیں آتا بلکہ کچھ نظر نہیں آتا کیونکہ محویت ہے‘ کوئی ایک خیال ہے کہ انسان چل رہا ہے۔ بلکہ خیال کا چہرہ بھی نظر نہیں آتا۔ محویت ایک بڑی زبردست چیز ہے۔ محویت ہی آپ کو دنیا کی آلائش سے بچا سکتی ہے۔ بات سمجھ نہیں آئی؟ میں نے پہلے دن آپ کو ایک بات بتائی تھی کہ اگر رات کا اندھیرا ہو اور راستہ سجھائی نہ دے رہا ہو تو دور جلنے والا چراغ روشنی تو نہیں دیتا لیکن آپ کا سفر ٹھیک کر دیتا ہے۔ قطبی ستارہ روشنی نہیں دیتا لیکن آپ کا رُخ ٹھیک کر دیتا ہے کہ قطب کدھر ہے۔ گویا کہ محویت ایک ایسا قطبی ستارہ ہے کہ آپ کے سفر کا رُخ صحیح کر دیتا ہے اور آپ صحیح چلتے جاتے ہیں۔ محویت آپ کا میٹر ہے کہ آپ ٹھیک جا رہے ہیں۔ اس لیے یہ اچھی کیفیت ہے۔ یہ خیال کے احساس تک خیال کا ادنیٰ حصہ ہے اور جب اس سے اگلا حصہ آ جائے تو صاحبِ خیال بھی آشنا نہیں ہوتا کہ خیال کہاں سے آیا ہے۔ شروع میں پتہ ہوتا ہے صاحبِ خیال کو کہ خیال کہاں سے آ رہا ہے‘ مثلاً یہ

خیال اس کتاب سے آیا ہے جو میں نے پڑھی ہے' یہ خیال وہاں سے آیا ہے جو میں نے بات سنی ہے...... اگلا خیال کہاں سے آیا؟ یہ پتہ نہیں چلتا کہ کہاں سے آ رہا ہے۔ وہاں سے اصلی خیال شروع ہوتا ہے جب صاحبِ خیال کو خیال کی آمد کا پتہ نہ چلے کہ خیال کہاں سے آ رہا ہے۔ یہ ہوتا ہے صحیح خیال...... یہ اچھی کیفیت ہے۔ تب انسان کچھ دیر کے لیے تو مفادات کو بھول جاتا ہے۔ تو مفادات کو بھول جانا' غم کو بھول جانا' پریشانی کو بھول جانا اور دِقت کو بھول جانا...... ورنہ تو بڑی دِقت ہے انسان کو اس زندگی میں۔ بڑے سے بڑا درد محویت میں دور ہو جاتا ہے۔ وہ آدمی صبح کو بڑا پریشان تھا مگر شام کو ٹھیک ہو گیا۔ شام کو کیا ہو گیا؟ شام کو دوست آ گیا۔ کیا اس کی پریشانی دور ہو گئی؟ کہتا ہے مجھے پریشانی یاد ہی نہیں رہی۔ تو صبح کو سخت تکلیف تھی اور پھر دوست آ گیا۔ تکلیف دور نہیں ہوئی ہے بلکہ Emphasis بدل گیا' شفٹ ہو گیا۔ ایسا ہوتا ہے کہ انسان بڑا پریشان ہوتا ہے۔ دوست کہتا ہے کہ چلو سیر کو چلیں۔ تو وہ پریشانی کو بھول جاتا ہے...... ایسا ہوتا ہے کہ نہیں ہوتا؟ گھر میں اگر کوئی دقت ہو' کوئی مہمان آ جائے تو دقت دور ہو جاتی ہے۔ تو آپ ذرا اپنا Emphasis بدلیں تو پرانی پریشانی دور ہو جاتی ہے۔ اس لیے فقراء نے ایک اچھا راستہ بتایا ہے اور وہ یہ کہ زندگی کی پریشانیوں میں Hope کا ایک راستہ بتایا ہے۔ وہ کہیں گے کہ تم بڑے پریشان ہو' گھبراؤ نہ کیونکہ وہ ابھی دستک دے گا جس کی تمہیں ضرورت تھی۔ تو وہ آ جائے گا۔ ایسا نہ ہو کہ تم پریشان پائے جاؤ۔ وہ آنے والے ہیں' وہ جن کا تمہیں انتظار ہے صدیوں سے۔ پریشان نہ ہونا' وہ آ ہی جائیں گے۔ اگر وہ آ جائیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنی کسی گھریلو دِقت میں پڑے ہو' یہ نہ کہنا

کہ میں کچھ بنا رہا ہوں

میں بنا رہا ہوں جو آشیاں
اسے برق بن کے جلا بھی دے

ایسا نہ کرنا، پھر وہ جلانے والا آئے کہ نہ آئے۔ اس لیے اپنی پریشانیوں کو اتنا نہ بڑھاؤ کہ کوئی شے جو آنے والی ہے وہ بھی نہ آئے۔ پریشانیاں تو رہتی ہیں۔ پریشانیوں سے ہٹنے کا راستہ محویت ہے۔ ورنہ پریشانی تو پریشانی ہے، کچھ نہ کچھ پریشانی تو آئے گی۔ اگر یہ پریشانی آپ کی اپنی وجہ سے ہے، تب بھی ہوگی اور اگر کسی اور کی وجہ سے ہے تو بھی ہوگی اور اللہ کی مرضی ہے، تب بھی ہوگی۔ اب پریشانی کیا ہے؟ کہتا ہے کہ سر میں بڑا درد ہے۔ وہ کہے گا کہ اگر درد ہے تو پریشانی نہ کرو کیونکہ پریشانی ہے درد کے علاوہ ہنگامہ کرنا۔ پریشانی کسے کہتے ہیں؟ درد کو برداشت سے باہر نکالنا۔ تو درد کو باہر نکالنے کا نام پریشانی ہے، درد کو پی جانے کا نام پریشانی نہیں ہے۔ وہ جو درد ہے وہ اندر ہی اندر کارروائی کرتا جا رہا ہے۔ درد ایک ایسی بیماری ہے جو اندر سے ڈرل کرتی ہے اور آپ کو ختم کر دیتی ہے۔ دل غم کو اور غم دل کو، دونوں مل کے ایک دوسرے کو کھا رہے ہیں۔ تو آپ کھانے دو۔ پریشانی کیا ہوتی ہے؟ درد سے نکلنے کی خواہش۔ اور اگر درد سے نکل نہ سکیں اور لوگوں سے ذکر کرنا شروع کر دیں تو پھر پریشانی شروع ہو جاتی ہے۔ اگر یہ فیصلہ کیا جائے کہ اذیت کو دل سے باہر نہیں نکالنا، زبان تک نہیں لانا، اس کو اللہ سے منسوب رکھنا ہے، علاج کو اللہ کے سپرد کرنا ہے، کسی اور سے ذکر نہیں کرنا، جو اندر تکلیف ہے اسے خاموشی سے گزارنا ہے، تو اب کیا تکلیف! اب تکلیف نہیں ہوگی حالانکہ تکلیف

موجود ہے۔ ایک آدمی اگر غریب ہو تو غریب تو وہ اس وقت بھی ہوتا ہے جب کسی کو اپنی غریبی کا بتا رہا تھا' تو وہ بتانے کے بعد بھی غریب ہے۔ تو بتا کے اس نے کیا کیا؟ پریشانی حاصل کی۔ اگر غریبی کو بتانے سے بچ جاؤ' برداشت میں رکھو تو پھر پریشانی نہیں ہوگی۔ غریبی کا جو ذکر کرتا ہے کہ ہم بڑے غریب ہیں' بڑے پریشان ہیں' تو یہاں سے پریشانی شروع ہو جاتی ہے۔ غریب ہیں تو کیا ہوا۔ جس طرح وہ امیر ہے' تم غریب ہو' وہ اپنی زندگی گزار رہا ہے' تم اپنی زندگی گزارو۔ بیان کرنے میں پریشانی ہوتی ہے' اظہار میں پریشانی ہے' علاج کرنے کی خواہش میں پریشانی ہے۔ علاج بھی اس کے حوالے کرو جو بیماریاں دیتا ہے' وہی علاج دیتا ہوگا۔ اس نے بیماری کی میعاد مقرر کر رکھی ہے' اس کے بعد وہ خود ہی علاج بن جاتا ہے۔ اس نے رزق مقرر کر رکھا ہے' آپ کی کوشش سے پہلے دے دیتا ہے۔ اس نے عزت کی مقدار مقرر کر رکھی ہے' تمہارے عمل کے بغیر عزت آ جاتی ہے۔ ذلت بھی تمہاری گمراہی کے بغیر تمہارے سر پر آ جاتی ہے۔ موت زندگی کی احتیاط کے باوجود بھی آ جاتی ہے۔ بڑی اچھی زندگی ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی موت نازل ہو گئی۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو بے احتیاط زندگی گزار رہا ہے وہ پھر بھی نہیں مرتا کیونکہ ابھی اس کا حکم نہیں ہے یہ سارے کام اگر اللہ کے سپرد کر دیے جائیں تو میرا خیال ہے کہ تکلیف نہیں ہوگی۔ تکلیف کو اگر اظہار میں نہ لائیں تو یہ تکلیف نہیں ہے۔ تکلیف کو اپنی ذات کے ساتھ بھی آشنا نہ کرایا جائے تو بھی تکلیف نہیں ہے۔ وہ جو تکلیف بیان کرنے کا ہنگامہ ہے وہ پریشانی ہے۔ اگر کوئی شخص سارا کچھ لے گیا' سب اٹھا کے لے گیا' ساری محبت لے گیا' تو اب اس کی تشہیر نہ کرو۔ پھر بہت کچھ بن جائے گا۔

اگر اللہ کے سامنے آپ گِلہ کر رہے ہیں تو اللہ تو آپ کے بتائے بغیر بھی آپ کی بات جانتا ہے۔ اور اگر آپ لوگوں سے کہہ رہے ہیں تو لوگ آپ کے کہنے کے باوجود آپ کی بات نہیں سمجھیں گے۔ اللہ تو کہے بغیر بھی سمجھتا ہے۔ اب کسے بتا رہے ہو؟ اس لیے بات پی جاؤ' یہ دکھ بھی پی جاؤ' غم بھی پی جاؤ...... کچھ تو اپنی عزت کرو۔ حالیؔ کا ایک شعر ہے ؎

مصیبت کا اِک اِک سے احوال کہنا

مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ

کہتا ہے کہ میں تنگ آ گیا اِک اِک سے کہہ کے' کسی نے میری بات ہی نہیں سُنی۔ جب آپ اپنی مصیبت بیان کریں گے تو اگلا اپنی مصیبت بیان کرے گا' وہ کہے گا آج کل میں بڑا پریشان ہوں' آج کل بچے بڑا پریشان کر رہے ہیں۔ کہنے لگا کہ میرا بیٹا گھر سے غائب ہے' اللہ اُسے غرق کر دے۔ اگلے نے کہا ایسا نہ کہو۔ سُننے والا کیا کر رہا تھا؟ وہ پریشانی کو سُن رہا تھا مگر عذاب نہیں مانگتا تھا۔ تو یہ واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ سنانے والا ایک خاص قسم کی داد چاہتا ہے' جب نیک اعمال کی داد نہیں ملتی تو غم کی داد مانگتا ہے۔ نیکی کی داد اس لیے نہیں ملی کہ اس نے جھوٹا خواب بیان کر دیا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ لائٹ ہی لائٹ ہے' روشنی ہی روشنی ہے۔ کسی نے پوچھا کہ کیا تھا؟ اس نے کہا بلب ہی بلب تھے...... اب نور کو اس نے واپڈا بنا دیا۔ تو بات غلط ہو گئی ناں' وہ جھوٹ تھا۔ اس طرح وہ داد مانگتا ہے۔ جب اُسے دنیاوی طور پر داد نہ ملے تو پھر غم کی داد مانگتا ہے کہ میرے اوپر ایک عذاب ٹوٹ پڑا' قیامت گزر گئی اور آپ لوگوں کو پتہ ہی نہیں چلا' کبھی زمین پاؤں سے نکل گئی اور کبھی سر پہ

آسمان گر گیا، بڑی مصیبت تھی، بڑی پریشانی تھی، کوئی ایک غم ہو تو میں بتاؤں ۔

کیڑھا کیڑھا رونا رویئے سارے روگ اوتے نیں

ایک روگ ہو تو بتاؤں، کس کس روگ کا رونا روؤں۔ سننے والے نے کہا بڑا افسوس ہوا...... تو اس نے اتنی سی بات کہلوانے کے لیے اتنی گپیں لگائیں۔ اگر وہ لوگوں سے ہمدردی Seek کرنے کا نیک عمل بند کر دے اور غم کو اپنا قیمتی سرمایہ سمجھ کے چھپا دے، جیسے بینک میں پیسے چھپائے ہوئے ہیں، تو غم بھی ایک اثاثہ ہے، اسے بھی چھپالو۔ تو میرا خیال ہے آپ کا غم پھر سرمایہ بن جائے گا۔ آپ نے تو غم کو بھی ضائع کر دیا، خوشی کو بھی آپ نے برباد کر دیا۔ یہ جو خوشی بیچ کے غم ملا ہے، اسے آپ سرمایہ بنائیں کیونکہ یہ آپ کا فقر بن سکتا ہے۔ غم کو ظاہر نہ کرنا۔ خوشی کو تو آپ ظاہر کر بیٹھے ہیں۔ لوگوں کے سامنے غم کو رُسوا نہ کرو بلکہ اگر غم کو دل میں رکھو، محفوظ رکھو تو یہ اللہ کے تقرب کا ذریعہ ہے۔ میری بات سمجھ آئی؟ غم کو رسوائی نہ بناؤ۔ جب اللہ کسی کو نیک سمجھتا ہے، اپنے قریب سمجھتا ہے تو اُسے غم دیتا ہے۔ اللہ اپنے قریب والوں کو غم دیتا ہے۔ جو جتنا قریب ہو گا اُسے اتنا بڑا غم دے گا اور زیادہ عزیز ہو گا تو اسے کربلا دے دے گا۔ یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ زیادہ عزیز کو کربلا دیتا ہے۔ تو آپ غم کو اشتہار نہ بناؤ۔ میرا خیال ہے کہ اتنی بات سمجھ آ جائے تو پھر غم سرمایہ ہے۔ غم کو بالکل ظاہر نہ کرو۔ وہ جو کہتے ہیں کہ آہِ سحر گاہی ہے، رات کو جاگنا ہے، رات کو کوئی رو رہا تھا تو کسی نے یہ نہیں کہا کہ رات کو پیٹ میں درد ہوتی ہے۔ بس اُس نے آہِ سحر گاہی تک ظاہر کیا اور آگے کیا تھا؟ یہ کسی نے نہیں بتایا۔ مطلب یہ ہے کہ غم بیان کرنے والی شے نہیں ہے۔ دنیا سے اپنے غم کی کیا داد لینی ہے، دنیا تو خود غمگین ہے۔

دنیا سے غریبی کی کیا داد لیتے ہو یہاں تو کوئی امیر ہے ہی نہیں، جس شخص کو پیسے لینے کی تمنا ہے وہ غریب ہے، جسے اور پیسہ چاہیے وہ غریب ہے اور جو پیسہ دینے میں ہے وہ امیر ہے۔ اب آپ یہ فیصلہ کرلیں کہ امیر کون ہے اور غریب کون ہے؟ تو جو شخص ابھی اور پیسہ لینا چاہتا ہے وہ غریب ہے۔ غریبی ہے پیسے میں اضافے کی تمنا۔ تو اسے غریبی کہتے ہیں۔ میرا خیال ہے اس طرح تو سارے ہی غریب ہیں۔ پیسے خرچ کرنے کی تمنا جو ہے یہ دولت ہے۔ پیسہ نہ حاصل کرنے کی تمنا جو ہے یہ دولت ہے۔ دولت کا مطلب ہوتا ہے استغناء۔ دولت وہ ہے جو غنی بنا دے، سخی بنا دے۔ غریب بھی بڑا سخی ہو سکتا ہے۔ انسان پیسے سے امیر نہیں ہوتا بلکہ ظرف سے ہوتا ہے۔ کس سے ہوتا ہے؟ ظرف سے ہوتا ہے۔ اور ظرف سے ہی انسان غریب ہوتا ہے۔ چھوٹے ظرف کا آدمی وہ ہے جس کی جیب بھری ہے اور جس کا دل خالی ہے۔ تو وہ غریب ہے۔ جس کا دل بھرا ہوا ہے بلکہ نگاہ بھری ہوئی ہے وہ امیر ہے۔ نگاہ اگر لالچی اور حریص ہے، چاہے وہ کسی شے کی ہو مثلاً گدھ کی نگاہ مردار کی تلاش میں نکلتی ہے، اُسے ڈھونڈ لیتی ہے، اسی طرح وہ انسان جو نگاہ کو نفس کے طور پر لے کے تلاش میں نکلتے ہیں تو انجام خراب ہوتا ہے۔ تو ہوس کی تلاش، پیسے کی تلاش ہے۔ تلاش ختم ہو جانے کا نام ہے دولت۔ یہ دولت ہے کہ اگر وہ یہ کہتا ہے کہ مجھے وہ غم ملا ہے جو کسی کے پاس نہیں ہے، لاجواب اور لازوال، دنیا کی چیز دنیا والوں کو مل گئی، خوشی ان کو دے دی ہے اور جو بڑی چیز تھی یعنی غم، وہ مجھے عطا فرما دی۔ اگر یہ سمجھ آ جائے تو پتہ چلے گا کہ اللہ کے بندوں کے پاس یہی دولت ہوتی ہے۔ اس لیے اپنے آپ کو اور اپنے غم کو رُسوا نہ کرو۔ پھر آپ کو اللہ آسانیاں دے گا۔

کوئی اور بات کرو......سوال کیوں نہیں پوچھتے......سوال پوچھو......کوئی سوال نہیں ہے؟ پھر دعا کرو۔ دعا اتنی سی کرو کہ آپ اپنے اعمال کو اپنی نیت کی سمت دے سکو۔ اعمال کے ساتھ نیت کا دخل رکھو۔ یاد رکھو کہ نیت اگر صحیح ہو گئی تو جس کے نام کی نیت ہے، جس ذات کے نام کی نیت ہے تو وہی اس کا انعام ہے۔ اگر آپ نے اللہ کی طرف سفر کرنا ہے تو یہ پیدل چلنے کا نام نہیں ہے بلکہ اللہ صرف اللہ کو ماننے میں اللہ ہے۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ آپ کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے اگر وہ اللہ کی طرف سے ہو رہا ہے تو میرا خیال ہے کہ اس میں گھبرانے والی کوئی بات نہیں اور اگر اللہ کے بغیر ہو رہا ہے تو پھر گھبرانے کی کیا بات ہے۔ تو اگر یہ سب اللہ کی طرف سے ہو رہا ہے تو پھر آپ فکر نہ کرو۔ میرا خیال ہے کہ ہمارا ایمان یہی ہے کہ مومن کا ہر حال جو ہے یہ اللہ کی ذات کی طرف سے ہے۔ آپ اپنے آپ کو درمیان میں سے نکال ہی دو۔ جو آپ کے ساتھ ہو رہا ہے یہ کون کر رہا ہے؟ اللہ۔ ورنہ اگر یہ سمجھو گے کہ تم خود کر رہے ہو تو پریشان ہو جاؤ گے۔ اپنے آپ کو مت پریشان کرو۔ غم کا اظہار نہ کرو۔ غم کی تشہیر نہ کرو۔ جس شخص کو آپ سمجھتے ہیں کہ یہ اللہ کے قریب ہے تو اس کی عزت کرو۔ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی چیز یہ ہے کہ اللہ اپنا قرب دے اور اپنے قریب رہنے والوں کا قرب دے یعنی جن لوگوں پر اللہ کا انعام ہوا انعمت علیھم والوں کا۔ یارب العالمین ان کے قریب کر۔ اگر ایک آدمی کے پاس پیسہ ہے تو یا تو وہ پیسہ چھوڑ جائے گا یا پیسے کو کسی چیز میں Convert کر جائے گا۔ جو اس نے کھایا وہی کھایا اور باقی جو حاصل کیا وہ چھوڑ دیا۔ وہ ساتھ لے کے نہیں جا سکتا، کبھی بھی ساتھ نہیں لے کے جا سکتا۔ اگر انسان کو یہ بات سمجھ آ جائے کہ I have

to go without every good thing جو میں نے حاصل کی ہے' اور جس بات پہ میں نے زور نہیں دیا وہ تھا میرا نیکی کا عمل۔ نیکی کا عمل چپکے سے اندر Register ہو جائے گا یعنی نیک نیتی۔ باقی جو ظاہری وجود ہے یہ آپ نے لباس کی طرح یہاں پہ چھوڑ دینا ہے یعنی آپ نے اپنے لباس میں سے نکل جانا ہے۔ وجود کے لباس میں سے روح نکل جائے گی جس طرح لباس میں سے بندہ نکل گیا۔ یا یوں سمجھ لو کہ مکان میں سے مکین نکل گیا۔ تو یہ جو مکان ہے یہ مکان تو رہے گا مگر مکان میں رہنے والے نہیں رہیں گے۔ تو بندہ چپکے سے مکان سے باہر نکل جائے گا۔ کون نکل گیا؟ مکین نکل گیا' وجود کے مکان میں سے مکین نکل گیا یعنی روح نکل گئی اور جسم خالی رہ گیا۔ جس چیز پہ آپ زور دے رہے ہیں وہ یہاں چھوڑنے والی ہے اور جو ساتھ جانے والی ہے اس پہ آپ زور نہیں دیتے۔ بس اس بات کا خیال رکھو کہ جو چیز یہاں رہنے والی ہے اس پہ زیادہ زور نہ دیا جائے اور ساتھ جانے والی چیز پہ توجہ ہو۔ محبت ساتھ جائے گی' عشق ساتھ جائے گا' ایمان ساتھ جائے گا' دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی خواہش ساتھ جائے گی' دوسروں پر مہربانی کرنے کی نیت ساتھ جائے گی' رحم کرنا ساتھ جائے گا' عزیزوں کے ساتھ' رشتہ داروں کے ساتھ نیکی ساتھ جائے گی' اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ساتھ جائے گی۔ باقی جو آپ کا حاصل ہے وہ ساتھ نہیں جائے گا' آپ کی پی ایچ ڈی ساتھ نہیں جائے گی' آپ کا دنیاوی شعور ساتھ نہیں جائے گا' آپ کی وزارتِ عظمٰی ساتھ نہیں جائے گی' تمہارا تخت ساتھ نہیں جائے گا' تمہارا راج ساتھ نہیں جائے گا' تمہارا پاٹ نہیں جائے' سنگھاسن نہیں جائے گا...... تمہارا کچھ بھی ساتھ نہیں جائے گا۔

تمہاری شکل بھی ساتھ نہیں جائے گی جیسی کہ اب تم نے بنا کے رکھی ہے۔ ہر وہ چیز جو ساتھ نہیں جائے گی آپ اس پہ زور نہ دیا کرو اور جو ساتھ جانے والی چیز ہے اس کو ذرا زیادہ قوی کرلو۔ سنگت ساتھ جائے گی۔ وہ جو آپ کے آئندہ کے ساتھی ہیں آپ اُن کا انتخاب کرلیں کہ آگے کون کون ساتھ جائے گا۔ آگے جب آپ قبر میں پہنچیں گے اور آپس میں بات کریں گے تو پہلے سے آشنائی ہونی چاہیے ورنہ تو یہ بڑی دِقت کے سفر ہیں، لمبے سفر ہیں، پردیس جانا ہے۔ کہتے ہیں پردیس میں اپنی زبان سننا بڑی خوشی کی بات ہوتی ہے۔ مثلاً آپ 'مریکہ گئے اور وہاں پنجابی بولنے والا مل گیا' چاہے وہ امرتسر کا رہنے والا ہو، تو زبان سن کے خوش ہو گئے۔ اس لیے اگر آپ کو اپنے دور کا کوئی ساتھی اگلے سفر میں مل جائے تو یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔ آشنا چہرہ اگر آئندہ کے سفر میں مل جائے تو یہ بڑی خوش قسمتی ہے۔ اس لیے آئندہ کے سفر میں ہم سفروں کا اسی دور میں انتخاب کرلو۔ یہی دُعا ہے۔ آپ کسی کو دھوکا نہ دو، اپنے آپ کو بھی نہ دو۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں پر رحم فرمائے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں پر رحم فرمائے، مسلمان حکومتوں اور مسلمان ملکوں پر رحم فرمائے، مسلمانوں کو صحیح مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ نیک سفر کے لیے تیار کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے۔ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت عطا فرمائے۔ آپ لوگوں کی پریشانیاں دور فرمائے۔ یارب العالمین رحم فرما ہم سب پر ......

آمین برحمتک یاارحم الراحمین۔

1 غیبت کیا ہوتی ہے؟

2 رجوع کے بعد آگے محبت تک کیسے جائیں؟

3 انسان کو تنگی آتی ہے تو اللہ کے قریب ہو جاتا ہے اور تھوڑی سی آسودگی آتی ہے تو غافل کیوں ہو جاتا ہے؟

4 ضروریاتِ زندگی کا کیسے تعین کریں؟

5 کیا عزت اور طاقت بھی اللہ کے قریب کرنے کا باعث ہو سکتے ہیں؟

6 اگر انسان کے پاس دولت آ جائے تو فرائض کا بوجھ تو ایک جیسا ہوگا۔

7 آج کل ہر جگہ پروفیشنل جیلسی بہت ہے......

سوال:-

غیبت کیا ہوتی ہے؟

جواب:-

ایسی برائی جو کسی کی عدم موجودگی میں کہی جائے اور اس کے سامنے نہ کہی جائے وہ غیبت ہوگی۔ اگر آپ اس آدمی کو اس کے منہ پر اچھا کہتے ہیں اور بعد میں لوگوں کو بتاتے ہیں کہ وہ برا ہے تو یہ غیبت ہے۔ غیبت' غیب سے ہے۔ یعنی عدم موجود کی برائی بیان کرنا۔

اور کوئی سوال ...... سوال ایسا ہو کہ آپ یہ بیان نہ کریں کہ یہ بات ایسے ہوتی ہے بلکہ اپنا ذاتی سوال ہو۔

سوال:-

رجوع کے بعد آگے محبت تک کیسے جائیں؟

جواب:-

رجوع سے آگے کیا محبت ہونی ہے۔ رجوع اگر قائم ہو جائے تو محبت کا سوال ہی بے معنی ہے۔

سوال:-

اگر زندگی سے بے رغبیت ہو جائے تو کیا یہ اطمینان کا اظہار ہے یا زندگی سے فرار ہے؟

جواب:-

ایسا سوال جس کا جواب لفظ میں ہو کہ یہ بات مشرق میں ہے یا مغرب میں ہے، اگر یہ کہیں کہ یہ مغرب میں ہے تو جواب ختم ہو جائے گا۔ اگر یہ جواب دیا جائے کہ یہ فرار ہے تو پھر بھی جواب ختم ہو جائے گا...... آپ کو یہ بات پریشان کرتی ہے کہ آپ سوال کرنے سے پہلے کچھ وضاحت ضرور کرتے ہیں جو کہ آپ کے Mental Status کے لیے ہوتی ہے اور یہاں سے آپ کی بات کمزور ہو جاتی ہے۔ اب اس سوال پہ غور کرو کہ زندگی سے بے رغبیت ہونے کی کیفیت کیا اطمینان ہے یا فرار ہے۔ انسان پہلے بے رغبت ہو جائے، پھر بے عمل ہو جائے اور پھر یہ سوچے کہ یہ فرار ہے یا اطمینان ہے۔ تو انسان یہ پہلی دو Stages کیوں پوری کرے، بے رغبت کیوں ہو جائے، بے عمل کیوں ہو جائے۔ تو یہ کون سا انسان ہے؟ اسے کس چیز سے رغبت نہیں ہے؟ یہ کون سا اور کیسا بے عمل انسان ہے؟ انسان میں سانس کا ایک عمل تو جاری رہتا ہے، زندگی کا عمل بھی جاری ہے۔ تو کون سا عمل ہے جو بے عمل ہو گیا؟ اُسے کس چیز سے رغبت نہیں ہے؟ کون سی زندگی سے فرار کر کے اس نے کون سی زندگی بسر کرنی ہے؟ اس سوال کی شکل ٹیڑھی ہے اور یہ سوال تک نہیں پہنچی...... تو کوئی اور سوال دیکھو...... سوال پوچھنے میں کیا دِقت ہے؟

سوال:-

انسان کو تنگی آتی ہے تو اللہ کے قریب ہو جاتا ہے اور تھوڑی سی آسودگی آتی ہے تو غافل کیوں ہو جاتا ہے؟

جواب:-

اس دنیا میں انسان کو عمل کے لیے، حرکت کے لیے، زندگی گزارنے کے لیے جن جن Factors کی ضرورت ہے ان میں عام طور پر ذاتی خواہش یا آرزو ہوتی ہے۔ آرزو جو ہے یہ زندگی کی محرک ہے۔ یعنی کسی بھی شے کی آرزو ہو۔ آرزو آپ کے اندر اضطراب پیدا کرتی ہے، حرکت پیدا کرتی ہے، انسان کے اندر تلاش بن جاتی ہے۔ کبھی کبھی آپ آرزو کو اپنا حق سمجھ لیتے ہیں کہ یہ آرزو میرا حق ہے، مجھے میرا حق ملنا چاہیے، میری زندگی اس طرح ہونی چاہیے، آج کل کے حالات میں، آج کل کے زمانے میں میرا حق مجھے ملنا چاہیے...... تو اس کے لیے آپ کوشش کرتے ہیں اور اس کوشش کو عمل کہتے ہیں۔ تو کوشش عمل کہلاتی ہے اور آرزو جو ہے یہ باعثِ عمل ہے، محرّک ہے۔ کبھی کبھی آرزو کا پتہ نہیں چلتا اور انسان کے اپنے فطری تقاضے حرکت پیدا کرتے ہیں۔ یہ جو فطری تقاضے حرکت پیدا کرتے ہیں وہ کیا ہوتے ہیں؟ مثلاً کسی قسم کی اشتہاء ہو، بھوک لگ جائے تو ہاتھ خود بخود کھانے کی طرف حرکت کرے گا، پاؤں بھی حرکت کریں گے اور انسان اپنی کمائی کی جگہ کی طرف مائل ہو گا اور عمل کرے گا۔ انسان کے وجود کے اندر یہ چیز موجود ہے کہ جہاں کسی ضرورت کا احساس پیدا ہوتا ہے، چاہے وہ علم میں ہو یا علم میں نہ ہو، تو وہ عمل بنتا جاتا ہے۔ اور آپ کے بے شمار عوامل ایسے ہیں کہ ان کے پیچھے آپ کی

جبلت شامل ہے، فطری تقاضے شامل ہیں، ضرورتیں شامل ہیں۔ مثلاً سامنے سے کوئی گاڑی آ رہی ہو تو آپ خود بخود ہی حرکت کر کے ہٹ جائیں گے۔ یعنی کہ زندہ رہنے کا آپ کے اندر جو ڈیفنس ہے وہ عمل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ ایک تو عمل کی یہ وجہ ہے۔ بعض اوقات کوئی انسان ایسا ہوتا ہے کہ فطرت اس کو ازخود ایک نصب العین کی طرف رجوع کراتی ہے۔ مثلاً وہ تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور فطرت نے اس کو جذبہ دیا کہ تُو یہ تخت چھوڑ دے اور جنگل کی طرف نکل جا۔ تو یہ فطرت کی Dictation ہے کہ کوئی کچھ بن جائے گا، کوئی کچھ اور بن جائے گا، کوئی سقراط بن گیا، کوئی پیغمبر بن گیا، کوئی اولیائے کرام میں سے ہو گیا۔ تو یہ فطرت کے اپنے شہکار پیدا ہوتے رہتے ہیں، فطرت کسی میں کوئی بھی احساس رکھ دیتی ہے، کسی کو Conquest کی تمنا دے دی، کسی کو کچھ اور دے دیا۔ اب یہ ان کی آرزو نہیں ہوتی بلکہ ان کے اندر ایک قسم کا وجدان ہوتا ہے۔ مثلاً زمین پر بیٹھا ہوا ایک شخص کہتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا کیونکہ پھر میری رعایا کے ساتھ کیا ہوگا۔ وہ کہتا ہے تُو بادشاہ تو ہے نہیں، رعایا کدھر سے آ گئی۔ تو وہ کہتا ہے کہ ہم بادشاہ بننے والے ہیں۔ اب یہ زمین پر بیٹھے ہوئے شخص کا وجدان ہے۔ تو اس کے اندر حرکت کا باعث ایک ایسا شعور ہے جس کا ظاہر ثبوت نہیں ہے۔ آدھی زندگیاں، آدھے لوگ اس عمل میں مصروف ہیں جس عمل کا جواز دُنیا کو معلوم ہی نہیں ہے۔ تو لوگوں کو پتہ ہی نہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ اور وہ ایمرجنسی میں ہیں، کیونکہ ان کو وجدان ہے کہ ایسا ہے۔ مثلاً کچھ لوگ دین کے خود ساختہ محافظ بنے ہوئے ہیں جیسے ان کے پاس دین کا لائسنس ہو اور کچھ لوگ دوسرے لوگوں کی بھوک کا ڈیفنس کر رہے ہیں، کہتے

ہین کہ غریب لوگ کہاں جائیں گے' ان کی مساوات کر دو' کیونکہ پتہ نہیں کہ ہمارے بھوکے عوام کیسے گزارہ کرتے ہوں گے۔ کچھ اور لوگ اس اضطراب میں ہیں کہ اسلام کا کیا ہوگا۔ اس کو یہ بتاؤ کہ اگر اسلام میں اس سے بڑا کوئی آدمی موجود ہے' اس سے بڑا ڈیفنس موجود ہے تو وہ جانے اور اسلام جانے' اور اگر اس سے زیادہ کوئی باشعور انسان موجود ہے تو وہ جانے اور لوگوں کا فاقہ جانے...... فی الحال تم اپنا فاقہ ٹالو۔ لوگوں کے اندر بعض اوقات یہ وجدان صحیح ہوتا ہے اور بعض اوقات صحیح نہیں ہوتا۔ اس کو یہ بھی کہتے ہیں کہ خوش فہمی کا ہو جانا۔ مثلاً ایک آدمی کے ذہن میں بادشاہت کی بات ہوتی ہے اور لوگوں کے پاس جا کر وہ کہتا ہے کہ ہم آپ لوگوں کا مستقبل بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس سے کوئی پوچھے کہ لوگوں کا مستقبل بنانے کی آپ کیوں کوشش کر رہے ہیں؟ مقصد یہ کہ غریب کا مستقبل اس کے پاس ہی رہنے دو۔ پھر لوگوں کو ایسا سمجھا دیا جاتا ہے جیسے اُن کا مستقبل واقعی اِن کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور پھر وہ لوگوں کا مستقبل بناتے بناتے ہمیشہ کے لیے ان کا مستقبل بگاڑ جاتے ہیں۔ ایسا بھی لوگ کرتے ہیں کہ آؤ تمہارا مستقبل بنائیں' یہ بینک ہے اور یہ بندوق ہے' اسے پکڑو۔ اس طرح اس کا مستقبل بناتے بناتے اُسے پولیس مقابلے میں مروا دیا۔ تو ایسے بھی کچھ لوگ ہوتے ہیں۔ اگر انسان میں شرارت نہ ہو تو وجدان پیدا ہو سکتا ہے۔ جو Real Life ہے' ظاہر کی زندگی' یعنی حقیقی زندگی اور اس کے علاوہ جو آئیڈیل زندگی ہے یا خیال کی زندگی ہے' اس میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ بس یہاں سے عمل پیدا ہوتا ہے۔ Real Life تو یہ ہے کہ آپ غریبوں کے علاقے میں رہتے ہیں' غریب ملک میں رہتے ہیں۔ یہ Real اور حقیقی

زندگی ہے' اور آپ کے دادا جان وہی ہیں جو کہ آپ کے دادا جان تھے۔ آپ انسان ہیں' جیسے بھی انسان ہیں۔ اب آپ کے ذہن میں اور طرح کی زندگی ہے۔ انسان اپنے ذہنی تصورات' اپنے وجدان کو اپنی حقیقی زندگی میں دیکھنے کی تمنا کرتا ہے۔ اس کا عمل یہاں سے پیدا ہوتا ہے۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں کہ عمل کہاں سے پیدا ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ Collective Life جو ہے یعنی اجتماعی زندگی جو ہے وہ اجتماعی طور پر ایک عمل کرتی ہے اور انسان اس میں Involve ہو جاتا ہے۔ یعنی کہ ایک جگہ سارے لوگ جمع تھے' بڑی سیل تھی' تو یہ بندہ بھی وہاں چلا گیا' اور وہاں سے کچھ خرید لایا کیونکہ سب خرید رہے تھے۔ پوچھا تم نے کیوں خریدا تو کہتا ہے کہ سارے ہی لے رہے تھے' میں نے سوچا کوئی خاص بات ہو گی' تو میں بھی لے آیا۔ تو جو سب کا شعور تھا وہ اس بندے کو بھی متحرک کر گیا۔ پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جہاں سارے جھوٹ بول رہے تھے وہ بھی تھوڑی سی بے ایمانی کر آیا۔ کہتا ہے سارے کر رہے تھے' میں کوئی علیحدہ تو نہیں ہوں۔ جب سارے جھوٹ بول رہے تھے تو اب یہ اجتماعی عمل پیدا ہو گیا کہ ذاتی طوز پر بھی جھوٹ بولنا پڑ گیا۔ یہ عجب زندگی ہے کہ اجتماعی عمل کو دیکھ کر انسان کا انفرادی عمل پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً میلہ چراغاں پہ اگر پندرہ بندے دھمال ڈال رہے ہوں تو جو بندہ وہاں جائے گا وہ اگر کچھ نہ بھی کرے تو بھی اس کے پاؤں ضرور حرکت کریں گے۔ یہ اس لیے ہے کیونکہ سارے جو کر رہے ہیں۔ اگر دمادم مست قلندر ہو رہا ہے تو جو کھڑا ہوا ہے وہ اگر اور کچھ نہیں کرے گا تو ہاتھ تو ضرور ہلانا شروع کر دے گا۔ کیونکہ اجتماعی عمل اس کے اندر رنگ ترنگ پیدا کر دے گا' وہ خود بخود ہی پیدا ہو جائے گا۔ جب آپ مسجد

میں جائیں گے تو اگر چار نمازیں چھوڑ بھی دیں تو پانچویں آپ ضرور پڑھنا شروع کردیں گے۔ تو یہ اجتماعی زندگی کی تاثیر ہوگی۔ جب آپ یہ دیکھیں گے کہ سب بینک میں پیسے جمع کرارہے ہیں تو غریبی آپ کو ڈھونڈتی ہوئی آئے گی اور کہے گی کہ دس دن ہو گئے تُو بینک ہی نہیں گیا، پھر کچھ کرنا پڑے گا۔ اس طرح آپ کچھ کرنا شروع کردیں گے۔ اجتماعی شعور جو ہے یہ بعض اوقات انفرادی عمل پیدا کرتا ہے۔ تو انسان کی زندگی میں یہ عمل کی صورتیں ہیں۔ اس میں لگن ہو یا نہ ہو، تعلق ہو یا نہ ہو، عمل پیدا ہوتا رہتا ہے۔ اب ہمارا سوال یہاں پر یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس عمل کی بے معنویت سے کیسے بچا جائے؟ عمل تو ہو ہی رہا ہے، کوئی بھی زندگی عمل سے بچ نہیں سکتی۔ اور جو بے عمل زندگی ہے وہ زیادہ عمل کرے گی۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ بے عمل زندگی زیادہ عمل کیسے کرے گی؟ مثلاً آپ نے عام طور پر دنیا میں دیکھا ہوگا کہ زیادہ محنتیں آرام کی خاطر کی جاتی ہیں۔ جو صبح سے شام تک محنت کر رہا ہے وہ کس لیے کر رہا ہے؟ کہتا ہے مجھے آرام چاہیے۔ یہ تو آرام میں آپ اپنا آرام ہی حرام کرتے جا رہے ہیں۔ پہلے اس کو ملازمت ملتی ہے اور پھر وہ ریٹائر ہو جاتا ہے۔ کہتا ہے اب آرام کرو مگر وہ کہتا ہے کہ میں کوئی کام سوچ رہا ہوں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد کیا کام؟ ہم بے کار کیسے بیٹھ سکتے ہیں۔ حالانکہ اُسے آرام چاہیے تھا۔ تو اس نے آرام کو کہیں دور کے مستقبل میں رکھا ہوا ہے اور پھر وہ اپنا عمل کرتا جا رہا ہے۔ تو اسی عمل میں زندگی جو ہے وہ ختم ہو جاتی ہے۔ تو جس کو آرام درکار ہو اس کو آج ہی آرام کرنا شروع کر دینا چاہیے۔ جو آج آرام نہیں کر سکا وہ کبھی بھی آرام نہیں کر سکتا۔ تو مضمون یہ بنا کہ آرام کی خاطر بھی عمل شروع ہوتا ہے۔ آرام کے نام پر

بڑا عمل ہوا۔ زندگی بنانے کے نام پر بڑا عمل ہوا۔ اپنی خواہش کے نام پر بڑا عمل ہوا۔ اپنی فطرت کے نام پر بڑا عمل ہوا۔ اجتماعی تقاضوں کے نام پر بڑا عمل ہوا۔ وجدان اور اصول کے نام پر بھی بڑا عمل ہوا۔ تو انسان عمل کرتا ہی رہتا ہے۔ اب اس عمل کی بے معنویت کو دیکھیں۔ آپ کے سامنے جو ٹوٹل لائف ہے' دنیا کی' اس زندگی کے اندر ہر قسم کے عمل کا جواز ہے' ہر طرح کا انسان Available ہے' سب کچھ ہی ہو رہا ہے' نیکی سے لے کر بدی تک آپ جو کچھ دیکھ رہے ہیں ان میں سے ہر چیز آپ کو Available ہو گی۔ مثلاً آپ نے اللہ کی کتاب میں پڑھا ہے کہ ایک فرعون تھا تو وہ بھی آپ کو آج مل جائے گا یعنی ایسا بادشاہ جو ظالم ہو' رعایا پر ظلم کرے' پیسہ رکھتا ہو...... اگر بادشاہ نہ ہو گا تو کوئی جاگیر دار ہو گا' کوئی سرمایہ دار ہو گا...... کہیں نہ کہیں آپ کو یہ واقعہ نظر آ جائے گا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ دنیا میں کسی زمانے میں کافر ختم ہو جائے گا تو ایسا نہیں ہو گا۔ جب تک قرآن پاک میں کافر کا لفظ ہے تو کافر رہے گا' قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہونی۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ پہلے زمانے میں کافر ہوتے تھے اور اب نہیں ہوتے۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ تو کافر بھی رہے گا' مومن بھی رہے گا' منافق بھی رہے گا' مسافر بھی رہے گا' مکین بھی رہے گا' گھر میں رہنے والے ہوں گے' غمگین بھی ہوں گے اور خوش بھی ہوں گے' کاروبار بھی کریں گے' تجارتیں بھی کریں گے...... تو سب قسم کی زندگی' ساری کائنات میں ہمیشہ رہے گی۔ عمل کی بے معنویت پھر کہاں ہے؟ عمل کی بے معنویت یہ ہے کہ آپ کے سامنے کوئی واضح نصب العین نہ ہو اور آپ عمل کرتے جا رہے ہوں۔ اگر تو آپ کا عمل کسی مادے کے لیے ہے' مادی شے کے لیے ہے' چیز کے لیے ہے تو یہاں سے

عمل کی بے معنویت شروع ہو جاتی ہے، عمل بے معنی ہونا شروع ہو جاتا ہے یعنی کہ ایک انسان، بامعنی انسان، فطرت کا شاہکار انسان، کوشش کر رہا ہے، عمل کر رہا ہے کسی شے کے لیے، چیز کے لیے...... تو اس کا وہ عمل بے معنی ہو جائے گا۔ اکثر آپ کو یہ دیکھنے میں آئے گا کہ لوگوں کا زیادہ تر عمل اشیاء کے لیے ہے، عمل جو ہے وہ چیزوں کے لیے ہے۔ انسان بہت محنت کرتا ہے، ایکسٹرا ٹائم لگاتا ہے۔ اس سے پوچھو کہ کس لیے؟ تو وہ کہتا ہے کہ میں نے کوئی شے خریدنی ہے۔ وہ چیز جو زندگی کے لیے ہے وہ تو Basic ضرورت ہے۔ مثلاً Basic ضرورت ہے کھانا، تو کھانا کھالیا۔ مگر جمع کرنا تو ضرورت نہیں ہے۔ کھانا ضروری شے ہے، سونا ضروری ہے، چھت ہونی چاہیے جو بارش سے بچائے، ایک کمرہ تو ہونا چاہیے کہ جہاں آپ آرام کریں مگر اس کمرے کے ساتھ کئی سو کمرے تو نہیں ہونے چاہییں۔ کیونکہ اس طرح تو آپ کی بے معنویت پھیلے گی۔ جو ضروری چیزیں ہیں اس سے آگے جو تجاوزات ہیں یہ بے معنی ہیں۔ تو آپ کی ضرورت جہاں تک ہے اس سے آگے کا پھیلاؤ بے معنی ہے۔ اگر آپ کا تعلق الٰہیات سے ہو اور آپ مذہب کی طرف سے دیکھیں تو دنیاوی آسودگی جو ہے یہ بے معنی ہو جائے گی۔ دنیا کی نظر سے دیکھیں تو یہ جو دینی آسودگی ہے، دراصل یہ آپ کے وقت کا ضیاع ہے۔ اس کا فیصلہ آپ نے خود کرنا ہے۔ جب تک آپ فیصلہ نہیں کرتے تو آپ کی ساری زندگی بے معنویت کا شکار ہے۔ اس لیے یہاں پہ یہ نتیجہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وابستہ نہ ہونے کی وجہ سے بے عمل ہے اور بے تعلق ہے۔ وہ اس لیے بے عمل اور بے تعلق ہے کہ وہ سوچتا ہے کہ میں اگر عمل کروں تو کس بات کے لیے کروں۔ پیسہ کمانے کا طریقہ آپ کو

معلوم ہے، مثلاً یہ ناجائز ہے، اور زندگی بنانے کا آپ کو پتہ ہے کہ یہ جائز طریقے سے ہوسکتی ہے۔ اب اگر آپ زندگی بنانے کی طرف جاتے ہیں تو پھر عوام کی، سماج کی چکی پیس دیتی ہے۔ لوگ غریب آدمی کو تو ویسے ہی اُڑا کے رکھ دیں گے۔ اور اگر آپ اس طریقے سے امیر ہوتے ہیں تو دین آپ کو اُڑا کے رکھ دے گا کہ یہ ناجائز رزق ہے۔ اس طرح پھر یہ سوال آجاتا ہے کہ آدمی اس بے معنویت سے کیسے بچے؟ یہاں پہ آپ کا سوال موجود ہے، یہ آپ کا بھی ہے اور باقی قوم کا بھی ہے یعنی سب کا ہے۔ آپ یہ دیکھیں کہ جتنے لوگ دنیا میں باشعور پیدا ہوئے، مشرق میں بھی پیدا ہوئے اور مغرب میں بھی پیدا ہوئے، تو باشعور ہونے کے لیے ضروری نہیں کہ آپ کہاں پیدا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے۔ باشعور ہونے کے لیے ضروری نہیں کہ آپ سفر کریں، کسی اور ملک میں جا کے شعور حاصل کریں۔ تو ہر ملک میں باشعور پیدا ہوسکتا ہے۔ باشعور آدمی کا یہ ہوتا ہے کہ عام انسان کی طرح زندگی گزارتے گزارتے، بازار میں جا کے سودا لیتے لیتے، اس کا شعور Develop ہوسکتا ہے۔ گویا کہ شعور کی Development کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ اپنی زندگی میں کوئی الگ سا اہتمام کریں۔ باشعور انسان اسی زندگی کو Convert کر لیتے ہیں۔ یعنی کہ اس کے لیے کسی خاص علم کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو وابستگی کے لیے، Development کے لیے خاص علم کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ ہر طبقے میں پیدا ہوسکتا ہے، ان پڑھ لوگوں میں ہوسکتا ہے، پڑھے لکھے لوگوں میں ہو سکتا ہے، کاروبار میں ہوسکتا ہے، بغیر کاروبار کے ہوسکتا ہے، ملازم میں ہوسکتا ہے، غیر ملازم میں ہوسکتا ہے۔ تو شعور کا پیدا ہونا انسان کے مزاج میں خود بخود آجاتا ہے یا

پیدا کرلیا جاتا ہے۔ وہ آدمی بڑا پریشان رہے گا جو یہ کہے گا کہ میرے شعور کے لیے ماحول سازگار نہیں ہے۔ کیونکہ شعور جو ہے وہ ماحول کا محتاج نہیں ہے۔ ہر طرح کا انسان شعور حاصل کرسکتا ہے۔ گویا کہ ساحل میں رہنے والا شعور حاصل کرسکتا ہے' گاؤں میں رہنے والا شعور حاصل کرسکتا ہے' کتابوں سے وابستہ شخص شعور حاصل کرسکتا ہے' جو کتابوں سے وابستہ نہیں ہے وہ کرسکتا ہے۔ تو یہ ایک ایسی چیز ہے کہ زندگی کے ہر قسم کے دائرے میں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے۔ بے معنویت ہے توجہ کی کمی' وابستگی کی کمی۔ اگر آپ اپنے آپ سے وابستہ ہو جائیں تو یہ ہوسکتا ہے۔ آپ یہ غور کریں کہ آپ ساری کائنات کے انسانوں سے ملے ہیں اور ایک انسان ہمیشہ آپ کے پیچھے بھاگتا رہا ہے لیکن آپ نے اس سے بات نہیں کی ہے۔ وہ آپ کی اپنی ذات ہے۔ کہتا ہے، مجھے اپنے ساتھ بات کرنے کا ٹائم نہیں ملا۔ اور آپ بس بھاگے جا رہے ہیں۔ آپ نے اسی کو تو پہچاننا تھا اور اس سے بات کرنے کا آپ کو ٹائم نہیں ملا۔ آپ اِدھر جاتے ہیں اور کبھی اُدھر جاتے ہیں مگر کبھی اپنے آپ کے ساتھ بھی بات کرلیں۔ کبھی کھڑا ہو کے اپنے آپ سے بھی پوچھ کہ کیا حال ہے تیرا؟ تو کہاں رہا ہے اتنی مدت؟ ہے بھی صحیح کہ نہیں ہے؟ زندہ ہے کہ مر گیا؟ آپ لوگوں کے جنازے اٹھاتے جاتے ہو' کبھی شادیاں کرتے ہو' کبھی اپنے آپ کو بھی دیکھو کہ غم میں ہو' خوشی میں ہو' زندہ ہو یا موت میں ہو' تیرا خدا کوئی ہے بھی سہی کہ نہیں ہے؟ کہیں اپنے وہم کو تو خدا نہیں کہہ رہے؟ اگر تو ایک واہمے کو خدا کہہ رہا ہے تو تیری عبادت نامنظور ہے اور اگر تیرا یقین پختہ ہے تو تیری ہر ابتلاء اس کی رضا ہے۔ پھر تو گلہ ختم ہوگیا۔ مقصد یہ کہ جس کا پہلے فیصلہ کرنا تھا اس کو آپ نے آخر میں

رکھا ہوا ہے' کہتا ہے اس کا فیصلہ مرتے وقت کرلیں گے۔ اور وہ وقت کبھی نہیں آنا۔ گویا کہ آپ ہر انسان سے تو ملے ہیں مگر ابھی تک اپنے آپ سے نہیں ملے۔ حالانکہ ''خود'' سے ملاقات بڑی ضروری تھی۔ تو آپ اپنے آپ کو پکڑ کے پوچھو کہ بھئی کیا حال چال ہے۔ اس سے آپ آگے بھاگ رہے ہو اور کبھی یہ آپ کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ آپ کو اندر سے اپنی آواز آتی ہے مگر آپ کو اپنے آپ پر اعتبار ہی نہیں ہوتا۔ آپ کہتے ہو کہ اچانک ایک خیال آیا تھا۔ پھر آپ اُسے سُلا دیتے ہو' کسی کام میں لگا دیتے ہو۔ یہاں سے زندگی بے معنی ہو جاتی ہے۔ اگر آپ کے لیے سونا اور کھانا ہی زندگی ہے تو جانور بھی یہ کرتے جا رہے ہیں۔ اگر آپ کے لیے پیسہ ہی زندگی ہے تو کافر بھی کماتے جا رہے ہیں۔ پھر اس میں ایمان دار ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے کیونکہ پیسہ تو کافروں کے پاس بھی ہے' ڈاکو کے پاس بھی ہے' بندوق سے مل جاتا ہے۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ تو پھر ثابت یہ ہوا کہ نہ پیسہ زندگی ہے' نہ کھانا پینا زندگی ہے' زندگی جو ہے وہ خالی ایمان بھی نہیں ہے کہ انسان صرف ایمان ایمان کرتا جائے بلکہ زندگی اللہ کا حکم ہے۔ اگر آپ حکم سے انکار کر دو اور باقی باتیں کرتے جاؤ اور یہ کہو کہ ہم اللہ کی ساری عبادت کرتے ہیں مگر زندگی ہم نے نہیں گزارنی' تو یہ تو بغاوت ہے۔ گویا کہ وہ انسان باغی ہے جو یہ کہتا ہے کہ میں ماں کا حق نہیں دوں گا' باپ کا حق نہیں دوں گا' اولاد سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے' میرا صرف عبادت سے تعلق ہے...... یہ تو پھر نہ اللہ سے تعلق ہے اور نہ اس کے حکم سے تعلق ہے۔ یہ تو پھر بڑا مشکل مقام آ جائے گا' یہ تو ابلیس قسم کی بات آ جائے گی۔ تو یہاں سے آپ کی زندگی بے معنی ہونی شروع ہو جاتی ہے۔

زندگی کا پہلے فیصلہ کرو یعنی آپ اپنے عقیدے کا جائزہ لو کہ عقیدہ ہے بھی صحیح کہ نہیں ہے۔ اگر عقیدہ ہے تو حال کے درست ہونے کی شرط نکال دو' حالات کے درست ہونے کی شرط نکال دو۔ عقیدے سے حالات کی بہتری نہیں مانگتے بلکہ عقیدے سے عقیدے کی پختگی مانگتے ہیں۔ یہ مانگتے ہیں کہ یا اللہ ہم آپ کو مانتے ہیں' تو ہمیں اپنی ذات سے وابستہ رہنے دے۔ مگر آپ تو کہتے ہیں کہ یا اللہ پہلے تو ہمارے حالات ٹھیک کر' پھر ہم نماز پڑھیں گے۔ اللہ کے ساتھ اس قسم کی دوستی نہیں چل سکتی۔ میرا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تم غور کرو' تم اپنے آپ کو بالکل ہی نظر انداز کر رہے ہو' اگر اللہ سے آپ کی وابستگی ہے تو پھر وابستگی ہی آپ کی زندگی ہے۔ پھر اس کیس میں آپ کی طرف سے کسی شرط کا امکان نہیں ہونا چاہیے۔ پھر اللہ آپ کو جس حال میں رکھ رہا ہے اس حال میں راضی رہنے کی تمنا ہی زندگی ہے۔ اللہ کے ساتھ ہر وقت تقاضے کرتے رہنا کہ میں تیری عبادت کر رہا ہوں' اب میرے لیے یہ کر دو' وہ کر دو...... یعنی کہ ماننے والا انسان عجیب و غریب ہی تماشے کرتا جا رہا ہے۔ اس طرح کا ماننے والا تو اللہ کو پریشان کرتا ہے کہ ایک دفعہ مان لیا اور پھر چیزیں ہی چیزیں مانگتا جا رہا ہے۔ اب ہر آدمی انفرادی طور پر یہ دیکھے کہ اپنی زندگی میں کبھی کمپیوٹر کی Memory رکھے اور اپنی ساری مانگی ہوئی اشیاء کا Net Result نکالے تو مانگی ہوئی چیزیں اور وہ چیزیں جن سے آپ بیزار ہیں' سب کا رزلٹ برابر نکل آئے گا۔ یعنی جو ایک چیز مانگی تھی پھر اس سے آپ خود نجات مانگ رہے ہیں' جو چاہا تھا اس کے برعکس بھی آپ نے چاہا تھا۔ اگر آپ اپنے سارے ماضی کو دوبارہ Revive کریں تو پھر آپ دیکھیں گے کہ آپ کی ایک خواہش دوسری

خواہش کو Cancel کر رہی ہے' ایک چاہت دوسری چاہت کو Cancel کر رہی ہے۔ ایک آدمی آپ کو ناپسند ہے اور چاہتے یہ ہیں کہ وہ آپ کے ساتھ نیک عمل کرے۔ بندہ آپ کو پسند نہیں ہے' دل سے آپ اس کی عزت نہیں کرتے اور اس سے آپ چاہتے ہیں کہ وہ آپ سے تعاون کرے تو یہ آپ کی کم عقلی ہے۔ مثلاً آپ کی سفر کرنے کی بڑی خواہش تھی اور آپ نے دعا کی یا اللہ ہمیں مسافر بنا' دنیا کی سیر کرا۔ یہ آپ کی خواہش تھی' تمنا تھی...... پھر آپ نے دعا کی یا اللہ میرا مکان بن جائے۔ تو کیا یہ کم عقلی نہیں ہے؟ مکان بنانے کی آرزو ٹھہرنے کی آرزو ہے اور سیر کرنے کی آرزو دوسرے کے مکان دیکھنے کی تمنا ہوتی ہے' اپنا مکان بنانے کی آرزو نہیں ہوتی۔ تو آپ اپنی ایک آرزو کو' خواہش کو دوسری کے ساتھ Cancel کرتے کرتے' انجام کار Net Resu.. کو زیرو ہی کر کے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک خوراک تھی صحت کے لیے' اب وہی چیز صحت کے لیے نقصان کر رہی ہے مگر آپ پھر بھی کھاتے جا رہے ہیں۔ جس چیز سے آپ کی صحت تھی' اب آپ کی عمر کا وہ حصہ آ گیا کہ اس سے صحت نہیں ہے' پھر بھی آپ وہی کام کرتے جا رہے ہیں۔ اب آپ کی سب سے بڑی بیماری ہے خوراک۔ جب خوراک ضروری ہوتی ہے وہ صحت ہوتی ہے اور جب خوراک ضروری نہ ہو تو وہی خوراک بیماری بن جاتی ہے۔ تو وہ حالت بن گئی ہے کہ جو صحت کے لیے ضروری تھی وہ اب بیماری ہے۔ اس لیے ہماری جتنی آرزوئیں ہیں اور جتنی دعائیں ہیں وہ وقت کے ساتھ ساتھ بددعائیں بنتی جاتی ہیں اور آپ کرتے جاتے ہیں۔ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں؟ تو Net Result یہ ہو جاتا ہے۔ آپ اپنی تمام خواہشات کو دوسرے وقت کی

خواہشات کے ساتھ Cancel کرتے جا رہے ہیں۔ اس ساری زندگی میں' اس ورلڈ کی جو Net Life ہے' اس ساری زندگی میں سارے حاصل جمع کر لو' ساری محرومیاں جمع کر لو تو رزلٹ زیرو ہو گا۔ ایک کا حاصل دوسرے کی محرومی ہے۔ خود بخود ہے۔ جہاں ایک کی خوشی ہو گی' دوسرے کا غم ہو گا۔ مثلاً آپ کے لیے عید آ رہی ہے مگر بکروں کی تو عید نہیں ہو گی۔ ان بے چاروں کے لیے تو کچھ اور ہی ہو گا۔ تو جہاں آپ حاصل کرتے ہیں وہاں دوسرا اس سے محروم ہو جاتا ہے۔ اگر دنیا کا سارا خاندان ایک ہے تو آپ ایک سے لیتے ہیں اور دوسرے کو دیتے رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ زندگی کامیاب ہے۔ حالانکہ ایک کھوتا ہے اور دوسرا حاصل کرتا ہے۔ ٹوٹل رزلٹ جو ہے وہ زیرو کا زیرو رہتا ہے۔ بات سمجھ آ رہی ہے آپ کو؟ ایک تو ذاتی زندگی میں خواہش' اور پھر اس سے نجات زیرو ہو جاتی ہے اور دنیا میں حاصل اور محرومی دونوں زیرو۔ انسان اگر غور کرے تو اس کے اپنے اندر ایک خواہش ہے یعنی چاہنا یا نہ چاہنا' حاصل کرنا یا نہ حاصل کرنا۔ پیدا ہونا حاصل ہے اور پھر اسی انسان نے چپکے سے مر جانا ہے۔ تو رزلٹ پھر زیرو ہے۔ اگر آپ اس کو سمجھ لیں کہ آپ کا ہونا جتنا اثبات ہے تو اسی ہونے میں آپ نے نہ ہونا ہے' تو پھر آپ کو اپنی بات سمجھ آ جائے گی کہ ہونے کے اندر ہی نہ ہو جانا ہے۔ تو آج سے پچاس سال بعد آپ کے نام کی کوئی نشانی بہت مشکل سے باقی رہ جائے گی' شاید کوئی بیٹا رہ جائے۔ ورنہ تو نام کی نشانی بہت کم رہ جاتی ہے۔ یہ انسان کی کل اوقات ہے۔ اب اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟ یہ صرف آپ کے ساتھ نہیں ہو رہا بلکہ ہر ایک کے ساتھ ہو رہا ہے۔ تو یہ ضرور ہوتا ہے۔ ایسے ہوتا ہے جیسا کہ

Permanently ہو رہا ہے۔ پھر انسان ایسے ہوتا ہے جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔ جب انسان جاتا ہے تو پھر ایسے ہوتا ہے جیسے کبھی تھا ہی نہیں' اس کا ذکر ہی نہیں تھا' دو دن خیال ہوتا ہے اور تیسرے دن کسی کو خیال ہی نہیں ہوتا کہ کوئی تھا بھی کہ نہیں تھا' کون تھا یا کون نہیں تھا۔ اس طرح آپ کی زندگی بے معنویت کا شکار ہو جاتی ہے اور زندگی خود بے معنویت میں چلی جاتی ہے' اس میں وہ بات ہی نہیں رہتی۔ اب آپ غور کریں کہ آپ کی آرزو' پھر نجاتِ آرزو۔ پھر تکلیف اس سے ہوئی جس کی تمنا تھی' تمنا نہ ہو تو پھر تکلیف نہیں ہو سکتی' دوستی نہ ہو تو گلہ نہیں ہوتا۔ گلہ کب پیدا ہوا؟ جس کے ساتھ دوستی تھی۔ تو ہمارے گلے ہماری خواہش کا نام ہیں۔ تکلیف اسی سے ہوتی ہے جس سے راحت پہنچتی ہے' راحت نہ پہنچے تو تکلیف نہیں ہوتی۔ تو زندگی کے اندر ہمارے تعلقات ہی ہماری طاقت ہیں اور تعلقات ہی کمزوری ہیں۔ یہی ہمارا حاصل ہے اور یہی ہماری محرومی ہے' ہم خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے مکان بنایا اور ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ ہم نے قرضہ دینا ہے۔ قرضہ تو ہونا ہے' بینکوں سے پیسے لیتے ہو تو قرضہ کیسے نہیں ہوگا۔ ایسا تو زندگی میں ہوگا۔ اسی طرح ایک آرزو ہے دوست بنانے کی اور شادی کرنے کی۔ بڑی خوشی سے شادی کرو مگر اس کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک ڈیوٹی بن جاتی ہے' پریشانی بن جاتی ہے۔ اور آپ کہتے ہیں کہ میرے ساتھ ہوا کیا ہے۔ ایک خوشی کی خاطر آپ نے کتنے ہی بکھیڑے بنا لیے پہلے بچے' پھر ان کی پڑھائیاں اور پھر دوسرے واقعات۔ ان بچوں کی خوشی کے مضمون سارے پیسے سمیٹ کے لے جاتے ہیں اور پھر Ultimately ہوتا کیا ہے؟

بیٹی لے گئے جوائی اور بہوئیں لے گئیں پوت

تریا جوبن لے گئی، رہے اُوت کے اُوت

آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ کہ آپ کی بیٹی کو داماد لے گیا اور بہو آپ کے بیٹے کو لے گئی، بیوی آپ کی جوانی کو لے گئی اور آپ وہی کے وہی رہے۔ اس طرح آپ بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ اس کا Net Result یہ ہے کہ آپ وہی کے وہی رہ جاتے ہیں۔ تو یہ ہے انسان کا Net Result کہ کوئی شے ایسی نہیں ہے جو اس کے لیے یہاں Permanence کا باعث ہو۔ اب یہاں اگر آپ کے مزاج میں الٰہیات نہ ہو تو یہ آپ کے لیے پریشانی کا باعث ہوگا۔ کسی کا فرض آپ کیسے پورا کر سکتے ہیں؟ اگر آپ پر اللہ کی محبت ذاتی طور پر فرض ہو گئی تو پھر آپ یہ پوری کر سکتے ہیں، کسی کے حکم کو آپ پورا نہیں کر سکتے۔ دوسرے کی محبت آپ نہیں نبھا سکتے۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ کہ جب تک آپ کو اللہ سے خود محبت نہ ہو آپ کسی کے حکم پر خود یہ محبت نہیں کر سکتے۔ اب آپ دیکھیں کہ آپ کہاں تک پہنچ گئے ہیں؟ نہ کافروں جیسا پیسہ آپ کو ملا ہے، نہ مومنوں جیسا ایمان ملا، نہ زندگی میں وہ تیزی آئی، نہ عمل پورا ہوا، نہ سیاست آپ کی صحیح رہی، نہ آپ کا علم صحیح رہا، نہ وہ فراست حاصل ہوئی، نہ آپ کو دنیا ملی اور نہ آپ نے اپنے لیے کچھ بنایا۔ تو یہ آپ کے اضطراب کا باعث ہے۔ یہاں سے آپ ڈسٹرب ہوتے ہیں۔ اس لیے آپ کی وابستگیاں جو ہیں وہ اکثر بدلتی رہتی ہیں، کہ انسان کرے تو کیا کرے، جائے تو کہاں جائے۔ جائز طریقے کا پیسہ نہیں ملتا، جائز لوگوں کا ایمان نہیں ٹھہرتا، پھر انسان کرے تو کیا کرے۔ یہاں آ کے آپ رکے ہوئے ہیں۔ اس کا علاج صرف یہ ہے آپ

فیصلہ کرلیں کہ

دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامانِ موت

اگر آپ دل کی آزادی چاہتے ہیں تو یہ بادشاہی ہے اور بھرا ہوا پیٹ چاہتے ہیں تو یہ موت ہے۔ آپ نے خود فیصلہ کرنا ہے کہ دل یا شکم۔ تو آپ اپنے لیے خود فیصلہ کریں۔ اگر آپ نے خود فیصلہ کرلیا کہ میں اللہ کی طرف رجوع کروں گا تو کوئی طاقت آپ کو روک نہیں سکتی۔ پھر تو آپ جانتے ہیں کہ غریبی میں بھی اللہ ملتا ہے، دولت مندوں کو بھی اللہ ملا، مغرب والوں کو ملا، مشرق والوں کو ملا، پہاڑ پر رہنے والوں کو ملا، صحرا میں رہنے والوں کو ملا

فطرت کے تقاضوں کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی

تو اللہ ہر ایک کے پاس ہوا۔ آپ کے پاس نہیں ہوگا کیونکہ آپ کا خیال پختہ نہیں ہے۔ اگر آپ یقین یہ کریں کہ ہم نے اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے تو پھر ایک وعدہ ضرور کرلو کہ ہم اللہ سے محبت کے بدلے میں حالات کی اصلاح نہیں مانگتے۔ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں؟ آپ یقین کے ساتھ یہ سفر کریں۔ تو آپ کو راستہ مل جائے گا۔ مگر آپ تو کہتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں تم سے محبت ہے لہٰذا تُو ہمارے حالات درست کر۔ اور ایسے مطالبے کرتے ہیں جیسے کافروں نے کیے ہیں، تو یہ کیا محبت ہوئی۔ تو آپ کے دل کی آرزو تو یہ ہوتی ہے کہ یا اللہ ہمیں محبت کے بدلے میں وہ چیزیں دے جو تو نے کافروں کو دی ہوئی ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی زندگی کافرانہ ہو اور خیال مومنانہ ہو...... تو یہ تو بڑا مشکل ہے۔ اس طرح خیال نہیں چل

سکتا۔ یہ بہت مشکل ہے کہ زندگی فرعون کی ہو اور عاقبت موسیٰ علیہ السلام کی مل جائے۔ یہ ناممکن ہے۔ فرعون کی زندگی کو فرعون کی عاقبت ملے گی، موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کو موسیٰ علیہ السلام کی عاقبت ملے گی۔ اب آپ یہ دیکھیں کہ اگر آپ کا دنیا کی طرف رجوع ہے تو آپ کی عاقبت دنیا ہے اور اگر آخرت کی طرف رجوع ہے تو آپ کی عاقبت آخرت ہے۔ اب آپ خود بتائیں کہ آپ نے اپنا فیصلہ کیا کیا ہے۔ آپ نے اپنا فیصلہ خود کرنا ہے۔ آپ عمل کرتے ہی نہیں۔ کوئی آدمی یہ نہیں بتائے گا کہ آپ عمل چھوڑ دیں۔ آپ یہ بات یاد رکھیں کہ یہ جو زندگی چلی ہے اس نے ایک مقام سے آخری مقام تک جانا ہے۔ اگر آپ کو ابتدائی مقام میں کوئی مبلغ مل جائے یعنی اگر آپ کا بچپن ہو اور آپ کو کوئی تبلیغ کرنے والا مل جائے تو وہ آپ کو کہے گا کہ محنت کرو، پڑھائی کرو، بڑوں کا ادب کرو، کہنا مانو، پاس ہوتے رہا کرو، فیل نہ ہو جانا، سکول جایا کرو، مدرسے جایا کرو...... تو وہ آپ کو یہ باتیں سمجھائے گا۔ کیوں؟ کیونکہ کہ وہ مبلغ آپ کے ابتدائی ایام میں کھڑا ہے۔ مبلغ سے مراد جاننے والا شخص ہے۔ جاننے والا آپ سے ابتدائی زمانے میں یہ نہیں کہے گا کہ تو اللہ سے لو لگا اور زندگی کو چھوڑ، کیونکہ ابھی تو آپ نے زندگی کو چکھا ہی نہیں ہے۔ تو وہ آپ سے اس طرح بات کرے گا۔ اگر آپ کو جوانی کے ایام میں ملے گا تو وہ آپ سے یہ کہے گا کہ تو اب کائنات کا حسن دریافت کر، چاند کا نکلنا، لہروں کا اضطراب، یہ اونچے اونچے پہاڑ، یہ صحرا، یہ دریا، برف باری، کائنات کو دیکھ، ہر طرف جلوے ہیں، رونقیں لگی ہوئی ہیں۔ کیوں کہ آپ جوان ہیں، آپ کو یہ دعوت ہے، دعوتِ نگاہ ہے کہ آپ تھوڑی سیر کرلو اور اللہ تعالیٰ کے جلوے دیکھو کل یوم ھو فی شان ہر روز ہی

اس کی نئی شان ہے، ہر روز اس کے جلوے نئے ہیں

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اُٹھاتا ہے سحاب؟
کون لایا ہے کھینچ کر پچھّم سے بادِ سازگار
خاک یہ کس کا ہے یہ نورِ آفتاب؟
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب؟

تُو دیکھ تو سہی کہ وہ کیا رونق لگا رہا ہے۔ تو آپ اِس کو دیکھو، اُس کو دیکھو، کائنات میں سیر کے لیے بڑی جگہیں ہیں۔ تو وہ دیکھو کیوں کہ آپ کے جوانی کے دن ہیں۔ اب یہ عبادت ہے کہ جوانی میں آپ اللہ کا رنگ، اس کے رُوپ، رونق میلہ دیکھ لو۔ تو جوان آدمی کوئی نہ کوئی حرکت ضرور کرے گا، اس کو کرنے دو۔ بچے کو زندگی کا شعور حاصل کرنے دو کہ محنت کرے، سکول جائے، بزرگوں کا خیال رکھے۔ ایک چھوٹے بچے کی کہانی سُنو۔ آٹھ سال کا بچہ تھا۔ اس کو ماں نے پھول لا دیے اور کہتی ہے کہ بیٹا دیکھو یہ پھول ہیں، یہ بڑے خوب صورت ہیں۔ آٹھ سال کا بچہ پھول لے کے دیکھتا ہے اور کہتا ہے ماں، میں پھولوں سے ضرور محبت کرتا اگر مجھے یہ علم نہ ہوتا کہ یہ مرجھا جایا کرتے ہیں۔ ایک آدمی پاس بیٹھا ہوا تھا، اس نے بچے کی ماں سے کہا کہ یہ بچہ جلدی مر جائے گا۔ ماں نے پوچھا اس کی وجہ؟ اس نے کہا کہ وجہ یہ ہے کہ یہ اپنی عمر سے بڑی دانائی بیان کر رہا ہے۔ تو اگر عمر سے باہر کی دانائی بیان ہو جائے تو وہ بندہ ٹھہرتا نہیں ہے۔ اور پھر نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن اسی بچے نے سُن لیا کہ ماں

باپ بیٹھے ہوئے بات کر رہے ہیں کہ ہمارے سات بچے ہو گئے ہیں، ہم غریب لوگ ہیں، پیسہ ہے نہیں، تو بھی کارخانے میں محنت کرتی ہے، میں بھی کارخانے میں محنت کرتا ہوں، دو دن سے فاقہ ہے، بڑی دِقت ہوئی پڑی ہے...... بیچارے بڑے اضطراب میں تھے۔ اس آٹھ سال والے بچے نے یہ سب سُن لیا کہ ماں باپ پریشان ہیں۔ اگلے دن وہ کارخانے سے واپس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سب بچے درخت سے لٹکے ہوئے ہیں، مرے ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی یہ چٹھی لکھی ہوئی تھی: Dear Parents, we are going because we are so many. کہ ہم جارہے ہیں کیونکہ ہم بہت سارے تھے، اس لیے آپ سے یہ بوجھ ہٹا دیا......تو عمر سے بڑی اگر کوئی دانائی کرے گا تو حماقت ہوگی۔ تو دانائی کے لیے ایک عمر چاہیے۔ اگر جوان آدمی بچپن کی سی حرکت کرے گا تو یہ برا لگے گا اور بڑھاپے کی طرح کی بات کرے گا تو بھی اچھا نہیں لگے گا۔ جوانی میں ویسے بھی حرکت کے ہونے کا امکان ہے۔ اگر کسی کالج کے ہاسٹل کے لڑکے ہیں اور دو مہینے ایسے گزر جائیں کہ کوئی ہنگامہ نہ ہو تو وہ بیچارے پریشان ہو جائیں گے، کوئی نہ کوئی شیشہ توڑ دیں گے ضرور توڑیں گے۔ اگر کسی جگہ پر جوان خون اکٹھا رہتا ہو اور وہاں ہنگامہ نہ ہو تو سمجھو وہ مر گئے۔ اس لیے حکومتوں کو پریشانی ہوا کرتی ہے اور وہ بچوں کے جائز قسم کے فنکشن بھی بند کر دیتی ہے۔ بچوں کو ایسے فنکشن کی اجازت دینی چاہیے۔ جب انہیں روکتے ہیں تو پھر ہنگامہ ہو جاتا ہے۔ بہر حال جوان خون جو ہے وہ ضرور متحرک ہوگا، ہلہ گلہ رونق میلہ شور شرابہ سب ہوگا۔ اگر شادی ہوگی تو یہ جوان لڑکے بلاوجہ رقص کرنے لگ جائیں گے۔ بے شک پرائی شادی ہو مگر یہ ڈِسکو کے نام پر

شروع ہو جائیں گے۔ مطلب یہ کہ ایسا ہو جایا کرتا ہے۔ یہ جوانی کی بات ہے۔ اور اگر انسان بوڑھا ہو جائے اور بوڑھا آدمی بھی یہ بات نہ سمجھے کہ میری اوقات کیا ہے' میرا وقت کون سا ہے' تو پھر اس کو کہتے ہیں کہ وہ بوڑھا جو ہے ایک احمق انسان ہے' اس کے اندر زندگی گزارنے کے باوجود یہ شعور نہیں آیا کہ زندگی گزر گئی ہے۔ تو یہ بہت ہی غلط بات ہے۔ تو عمر کے ہر حصے کے لیے دانائی کی باتیں الگ الگ ہیں۔ اس لیے آپ کو بات سمجھ نہیں آتی۔ ضرورت کے ہر درجے میں دانائی کی بات الگ ہے۔ مثلاً آپ کے پاس پیسہ ہے تو ہم آپ کو کیا کہیں گے؟ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر۔ جس کے پاس پیسہ نہیں ہے اسے کہیں گے کہ کما' جیسے کما سکتا ہے کما' پہلے اپنی جان تو بچا۔ تو غریب کو کہیں گے کہ پیسہ کما اور امیر کو کہیں گے کہ کمائی بس کر' اب کافی ہو گیا' اب خیرات کی بات کر۔ تو زندگی کے جس قسم کے دور سے آپ گزر رہے ہیں اسی دور کے مطابق چلیں۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ تو آپ کو خود بخود یہ سمجھ لینا چاہیے کہ میرے لیے کیا حکم ہے۔ کتاب سے حکم نہیں ملے گا۔ کتاب ایک اور وقت کے لیے لکھی گئی ہے' عمر اور ہے' ٹائم اور ہے۔ اس لیے اپنے معروضی حالات میں اپنے لیے لائحہ عمل کا حکم خود بخود دیکھا کرو کہ اب مجھے کیا کرنا ہے۔ عام طور پر انسان نئے زمانے میں پرانی ضرورت چاہتا ہے اور پھر پریشان ہو جاتا ہے۔ نیا زمانہ جو ہے وہ پرانی ضرورتوں والا نہیں ہے۔ نئے زمانے میں نئی ضرورت ہوتی ہے۔ تو انسان یہاں سے پریشان ہوتے ہیں۔ اگر خدا سے آپ کو محبت ہے تو محبت رکھو' اپنے ایمان کی پختگی کے لیے دعا کرو کہ ہمارا ایمان پختہ ہو جائے۔ پختہ ایمان کی شرط کیا ہے؟ شرط یہ نہ رکھنا کہ ہمارے حالات درست ہوں تو ہم ایمان

میں آئیں گے۔ آپ جس حال میں ہیں یہ حال اللہ کے قریب جا سکتا ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ اللہ۔ کے پاس کس منہ سے جاؤں تو اِسی منہ سے جاؤ جو اس نے بنایا ہے۔ جو تیری شکل ہے اس کے ساتھ اللہ کے پاس چلا جا۔ کہتا ہے ہم گنہگار ہیں۔ اگر گنہگار ہیں تو پھر معافی مانگ کے چلا جا۔ گویا کہ تو ہر حال میں اللہ کے پاس جانے کے قابل ہے' تُو اس سے معافی مانگنے کے قابل ہے۔ انسان کو جب تک یہ سمجھ نہ آئے کہ میرے ذمے کیا کام ہے تو وہ اندر سے اضطراب میں رہے گا۔ تو لوگوں میں یہ خرابی ہے کہ انہیں پتہ نہیں ہوتا کہ کرنا کیا ہے۔ آپ جو کر رہے ہیں اگر آپ عمر کے اس حصے میں صحیح نہیں ہیں تو عمر کے اس حصے میں جائز نہیں ہے۔ مثلاً جو بوڑھا ہے' مرنے والا ہے تو اب کیا وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ بچہ اگر کوئی جھوٹ بول گیا تو شاید ماں باپ کے ڈر سے بول گیا ہوگا مگر جو بڑا آدمی ہے وہ اور طرح سے بات کرے۔ بچوں کی سزا اور طرح سے ہے اور بڑوں کی سزا اور طرح سے ہے۔ پہلے آپ اپنے آپ کو پہچانیں کہ آپ زندگی کے کون سے حصے میں ہیں اور کون سی ضرورتوں میں ہیں۔ اگر ایک آدمی ذہنی طور پر' ذہن میں غلط سوچتا ہے' صرف سوچا ہے اور عمل نہیں کیا' اگر وہ صاحبِ اولاد ہے تو اس کی اولاد وہ غلط کام کر دے گی جو کہ اس نے سوچا ہے۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ کہ ایک آدمی نے ایک غلط بات سوچی ہے اور کی نہیں ہے تو وہ اِس کی اولاد کو غلط عمل دے دے گی۔ تو وہ صرف سوچے گا اور بچے کر گزریں گے۔ تو اولاد کو نصیحت کرنے والا اپنا ذہن بھی صاف رکھے۔ آپ کا غلط عمل اولاد کو گمراہ کر دے گا۔ اس لیے کہتے ہیں کہ بچیوں کا ایک جہیز یہ بھی ہوتا ہے کہ جب بیٹی پیدا ہو جائے تو ماں باپ اتنے نیک ہو جائیں کہ ان

کی نیک نامی جہیز کا حصہ بن جائے۔ تو یہ نیکی اپنے لیے بھی ضروری ہے اور اولاد کے لیے بھی ضروری ہے۔ تو نیک نامی بھی اولاد کا حصہ ہونی چاہیے۔ آپ اولاد کو یہ وراثت دیں، پیسے کی وراثت بھی دیں اور اپنی نیک نامی کی وراثت بھی چھوڑ جائیں۔ اس لیے اس بات کا بڑا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ آپ کا خیال ان کا عمل بن جائے گا، آپ کی غلط بات ان کو گمراہ کر جائے گی، آپ نے اگر خدا پر معمولی سا شک کیا تو وہ خدا کے باغی ہو جائیں گے۔ اس لیے پہلے آپ اپنی حقیقت کو پہچان لیں اور اپنے یقین کو مستحکم بنا لیں۔ اپنے آپ کو پہچاننے کے بعد پھر پتہ چلے گا کہ وابستگی کیا ہے۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ اس لیے یہ بات بہت ضروری ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ضرور دعا کیا کریں۔ سب سے اچھی دعا یہ ہے کہ آپ کا ایمان مستحکم ہو اور آپ کا یقین قائم ہو۔ یقین قائم کرنا جو ہے وہ کافی ہے۔ تو آپ کا یقین قائم ہونا چاہیے؟ کس بات پر یقین قائم ہو؟ اللہ پر، کہ اس نے مجھے دنیا میں بھیجا، اچھا کیا، یہی کرنا چاہیے تھا، اب اگر واپس بلا رہا ہے تو واپس ہی بلانا چاہیے تھا۔ تو یہ کہنا کہ ہم آنے پہ راضی اور ہم جانے پہ راضی، اگر کچھ غریبی سے گزار رہا ہے تو اس پر بھی راضی، اگر کچھ دیر بعد دولت دے گا تو ہم اس پر بھی راضی ہو جائیں گے۔ مطلب یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے عمل پر راضی رہنے کا فیصلہ کر لیں تو آپ کا دین محفوظ ہو جائے گا۔ یہ نہ کہنا کہ سارے لوگ گمراہ تھے تو میں بھی اس لیے گمراہ ہو گیا، ان کو سزا ہو نہ ہو، آپ کو ضرور ہو جائے گی۔ اس لیے اپنے آپ پر یقین ہونا چاہیے اور آپ اپنے ایمان کی پختہ طور پر Rehabilitation کریں، اسے قائم رکھیں......

اب آپ اور سوال کریں......کوئی بات؟

سوال:-

ضروریاتِ زندگی کا کیسے تعین کریں؟

جواب:-

ضروریاتِ زندگی کو اس طرح Determine کیا جائے کہ جس طرح سماج کا بیشتر حصہ وقت گزار رہا ہے' اور وقت گزر بھی سکتا ہے' تو آپ اس طریقے کو اس کی ضرورت کہیں۔ اور جس چیز کے بغیر گزارہ ہو سکتا ہے اسے غیر ضروری کہیں۔ تو اگر آپ کو Conveyance کی ضرورت ہے' گاڑی چاہیے تو ضرور لیں لیکن اگر ماڈل تیار نہ ہو تو کیا فرق پڑتا ہے۔ ضرورت وہ جس کے ساتھ آپ کا کام چل سکے اور جہاں نمائش پیدا ہوتی ہے وہ غیر ضروری ہے۔ مثلاً مکان ایسا ہونا چاہیے کہ چھت سے بارش نہ آئے مگر ڈیکوریشن غیر ضروری ہے۔ اس لیے آپ یہ دیکھیں کہ جس چیز کو کم داموں میں سادگی سے حاصل کیا جا سکے اس کے لیے زیادہ دام غیر ضروری ہیں۔ کھانے پینے کی ضرورت تو سب کی ہے۔ باقی آپ کی اولاد کی بات ہے تو اگر اولاد کو یہ پتہ ہو کہ ہمارا والد ہمارے لیے دوزخ کی طرف رجوع کر رہا ہے' اور اگر آپ کو مشاہدہ بھی ہو جائے تو میرا خیال ہے کہ کوئی اولاد ایسی نہیں ہے جو یہ چاہے کہ ان کا باپ یہاں یا وہاں تکلیف میں جائے۔ اولاد کی خاطر کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اولاد کو ہی مصیبت میں ڈال دیں۔ یہ آپ اولاد کے نام پر ہی کریں گے۔ مثلاً ایک آدمی ناجائز پیسہ لے آیا اور اولاد کو میز پر بٹھا کر کہا کہ بچو اب بسم اللہ کرو۔ اب وہ بسم اللہ کے نام پر زہر کھا رہے ہیں۔ بچے اس بات سے آشنا نہیں ہیں کہ وہ کیا کھا رہے ہیں۔ وہ تو اپنا جائز حق سمجھ رہے ہیں کہ ہمارے والد صاحب

جو کچھ لائے ہیں وہ صحیح ہے۔ آپ ان کو بے خبر رکھ کے انہیں پریشان کر رہے ہیں۔ اس طرح والدین ہی اولاد کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ غریب لوگوں میں بھی لائق اولاد پیدا ہوئی ہے۔ آپ کو جو لوگ بڑے بڑے نظر آ رہے ہیں ان سے اگر پتہ کرو کہ ان کی زندگی میں کیا کیا واقعات تھے تو پھر پتہ چلے گا۔ تو آپ اپنی زندگی میں اپنی اولاد کی خاطر اپنے آپ پر اتنی ہلاکت پیدا نہ کریں کہ آخر میں اولاد پر ہی یہ ہلاکت اُترے۔ اولاد کے لیے کام ضرور کرو، کام بھی اتنا کرو جتنا مناسب ہو، لیکن ایسا نہ کرو کہ کل کو اگر آپ نہ ہوں تو وہ گمراہی پر مجبور ہو جائیں۔ کام کرنا تو ضروری ہے اولاد کے لیے۔ ایک آدمی ڈاکہ ڈالا کرتا تھا۔ جنگل سے جو کوئی گزرتا وہ پکڑ لیتا اور کہتا کہ Stand and deliver جو کچھ ہے رکھ دو۔ اس طرح سب کچھ لے لیا کرتا تھا۔ ان پیسوں سے وہ غریبوں کی بھی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک دن وہاں سے ایک بزرگ گٹھڑی لے کے گزرے۔ ڈاکو نے کہا یہ رکھ۔ بابا جی نے کہا بات یہ ہے کہ میں یہ رکھ تو دیتا ہوں لیکن تم اسے کیا کرو گے؟ کیا تمہارے کوئی لواحقین ہیں جن میں یہ تقسیم کرو گے، اگر لواحقین ہیں تو ان سے جا کے پوچھ آؤ کہ اگر اس کے بدلے تمہیں جہنم میں جانا پڑا تو کیا وہ تمہارا ساتھ دیں گے۔ اس نے کہا یہ کون سی بات ہے، زندگی میں ساتھ ہیں تو آگے بھی ساتھ ہی ہوں گے۔ تو وہ ڈاکو گیا اور پہلے ماں سے بات کی کہ اگر اس رزق سے مجھے کوئی گرفت ہوئی تو کیا ساتھ دو گی۔ اس نے کہا بیٹا ہم کب کہتے ہیں کہ تو ناجائز مال لا، ہم تو کہتے ہیں کہ رزق لا، مگر جائز لا، یہ نہ ہو کہ ہم رزق کے بدلے میں جہنم میں تیرے ساتھ چلے جائیں۔ لواحقین میں سے ہر ایک نے کہا کہ ہم ساتھ نہیں

دیں گے۔ تو وہ باباجی کے پاس واپس گیا اور کہا کہ کوئی ساتھ نہیں دے گا۔ باباجی نے کہا کہ جنہوں نے تیرا ساتھ نہیں دینا ان کا تُو ساتھ کیوں دے رہا ہے۔ پھر اسے ساری بات سمجھا دی۔ اس طرح وہ درویش اسے درویش بنا کے چلا گیا۔ تو بڑی آسان سی بات ہے کہ آپ جس کی خدمت کر رہے ہیں اُسے گمراہ نہ رکھو' اندھیرے میں نہ رکھو۔ خدمت اگر کر رہے ہو تو اُسے غلط شے نہ کھلاؤ۔ تم اس کے خادم ہو۔ اگر آپ کا باورچی یا بیوی کھا۔نے میں کوئی غلط شے پکا دے تو پھر یہ ناانصافی ہے۔ اگر آپ کمائی میں کوئی غلط چیز لا کر کھلا دیں تو یہ ناانصافی ہے۔ تو اپنے لواحقین کو صحیح شعور کے ساتھ Serve کرو۔ آپ سمجھتے ہیں کہ زندگی صرف پیسہ ہی ہے' زندگی شعور بھی ہے' زندگی ڈیویلپمنٹ بھی ہے۔ تو آپ ان کو خیال دیں' ان سے دوستی کریں' اولاد کو زندگی سے آگاہ کریں' موت سے آگاہ کریں اور دوسرے واقعات سے بھی۔ اولاد کو صرف پیسہ دے کے آپ سمجھتے ہیں کہ فرض پورا ہو گیا۔ تو ایسا نہیں ہے۔ اس لیے اولاد کی خاطر کہیں خدا کو نہ چھوڑ دینا۔ اگر خدا کو آپ نے مانا ہوا ہے تو اُسے اولاد کی خاطر چھوڑ نہ دینا۔ اگر خدا کو مانا ہوا ہے تو...... اور اگر نہیں مانا ہوا تو پھر مان لو! لواحقین کی اتنی سی کہانی ہے۔

اب آپ بات کریں......سوال پوچھیں......

ہاں اگر زندگی میں ایسی کوئی غلطی ہو چکی ہے تو اس کا طریقہ ہے توبہ۔ بجائے اس کے آپ اس سوچ میں پڑ جائیں کہ کیا ہوا اور کیا نہ ہوا' توبہ کر لیں' آئندہ سے اپنی اصلاح کریں اور اپنے آپ کو درست رکھیں' اولاد کی خدمت کریں۔ تو آپ اولاد کے یہاں بھی ساتھی بن جائیں اور آئندہ کے لیے بھی ساتھی بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ

کی عبادت کا اگر موقع ملا ہے تو شکر کرو۔ بعض اوقات آرزو اللہ کے قریب لاتی ہے' بعض اوقات فاقہ خدا کے قریب لاتا ہے' غم بھی خدا کے قریب لاتا ہے' بعض اوقات کوئی بیماری خدا کے قریب لاتی ہے...... تو یہ سارے کے سارے اللہ کی طرف سے دعوت نامے ہیں کہ آؤ ہمارے پاس۔ مثلاً بیماری کے ذریعے اللہ کے قریب آ گئے۔ تو پھر اسے کہا جاتا ہے کہ تو بیماری کی بات چھوڑ' یہاں آنا تھا تو آ گیا۔ تو اب اللہ کے ساتھ بندے والا معاملہ کر۔ تو آپ سمجھ رہے ہیں؟ کہ اللہ کی طرف آنے کی وجہ بیماری تھی اور اب تعلق کی وجہ یہ بیماری نہ رہ جائے' اب اس کے ساتھ تعلق بنا لو۔ بیماری تو صرف وہاں تک لانے والی ہے۔ ورنہ تو جب بیماری ٹھیک ہو جائے گی آپ گھر واپس چلے جائیں گے۔ بیماری آپ کو وہاں تک لے گئی اور جب وہاں چلے گئے تو بیماری کی کیا ضرورت' آپ اب وہاں رہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کے پاس آپ پہنچ ہی گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے پاس اللہ کے نام پر رہیں۔ اب جو کچھ ہو گا وہ ٹھیک ہی ہو گا' بیماری بھی دور ہو جائے گی اور آسودگی بھی آ جائے گی۔ یہ نہ ہو کہ آپ کو فوری پیسہ مل جائے اور کل کو آپ باغی ہو کر واپس چلے جائیں۔ اب آپ کا فیصلہ یہ ہونا چاہیے کہ جس حال میں وہ رکھ رہا ہے اس کی مہربانی ہے' جو کچھ عطا فرما رہا ہے یہ اس کی مہربانی ہے۔ اگر آپ کا یقین اتنا پختہ ہو جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ حالات ٹھیک ہوئے پڑے ہوں گے۔ تو حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔ یہ نہ ہو کہ جب تک حالات ٹھیک ہوں' بندہ واپس چلا جائے۔ جب یہ یقین ہو جائے کہ بندہ واپس نہیں جائے گا تو حالات فوراً ٹھیک ہو جائیں گے۔ اس لیے یہ دعا کریں کہ یا رب العالمین اب ہمارے حالات درست فرما' ہم یقین کو چھوڑنے

والے نہیں ہیں، ہم یقین میں پکے ہیں، جو ہم سے غلطی ہو گئی اس کو تو اس لیے معاف فرما کہ تو معاف فرمانے والا ہے، ہم غلطی Repeat نہ کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ یارب العالمین تو ہم پر اپنا رحم فرما، کہیں ہمیں مایوسی کے قریب نہ لے جانا۔ تو خود کہتا ہے کہ میری رحمت سے مایوس نہ ہونا اور ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ ہمیں رحمت سے مایوس نہ کرنا۔ یہ تیرا حکم ہے کہ میری رحمت سے مایوس نہ ہونا اور یہی ہماری خواہش ہے کہ ہمیں اپنی رحمت سے مایوس نہ کرنا، اور ہم پر ہماری استعداد سے زیادہ بوجھ نہ ڈالنا۔ یارب العالمین ہم زندگی کو آرام سے گزارنا چاہتے ہیں، اس آرام کا تو انتظام فرمادے، باقی ہم تیرے ساتھ ہی رہیں گے۔ یا اللہ ہمارے لواحقین کا تو انتظام فرمادے، ان کو آسائی سے زندگی گزارنے دے، ہم آج بھی تیرے تابعدار ہیں اور ہمیشہ کے لیے رہیں گے، یہاں بھی ہم تیرے ہیں اور آئندہ بھی۔ اس لیے یہ دعا ہونی چاہیے کہ یارب العالمین ہمارے ایمان میں پختگی عطا فرما، ہمارے یقین کو اور مستحکم بنا، ہمیں کسی چیز سے مایوس نہ کرنا، اپنی رحمت سے مایوس نہ کرنا، ہماری کوئی آرزو ایسی نہ ہو جو تیرے علاوہ ہو، ہماری کوئی خواہش ماسوائے خدا نہ ہو ...... یا اللہ ہماری آرزو آپ ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے کاموں کی نگرانی فرماتے رہیں، آسانیاں فرماتے رہیں تاکہ کہیں ہم پیسے کے خیال میں ہی نہ لگے رہیں، ہمیں آسانیاں عطا فرمادیں تاکہ ہم آپ کے ساتھ محبت کا اظہار کر سکیں۔ محبت میں ابتلا آجائے تو انسان پریشان ہو جاتا ہے۔ پھر وہ کہتا ہے کہ پرانے زمانے میں اور واقعات تھے، آج اور واقعات ہیں، زندگی جو ہے وہ بڑی مشکل ہے۔ پرانے زمانے کے محبت کے جتنے واقعات ہیں ان میں کہیں بھی ایسا نہیں ہوا

کہ کسی کو کوئی ضرورت ہو۔ محبت کرنے والے رانجھے کو اور نہ ہیر کو پیسوں کی ضرورت ہے۔ پیسوں کی ضرورت اس زمانے میں نہیں ہوتی تھی۔ یہ آج کی ضرورت ہے۔ اس لیے دعا یہ ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے کاروبار میں برکت عطا فرمائے' کاروبار میں ترقی عطا فرمائے' آپ کے حالات میں ارتقاء ہو جائے' ترقی ہو جائے اور آپ کے حالات ذرا بہتر ہو جائیں۔ ''بہتر'' کا مطلب یہ ہے کہ خرچ کرنے میں بھی دِقّت نہ ہو' کمانے میں بھی آسانی ہو' بچے بھی ٹھیک پلتے رہیں اور ایمان بھی محفوظ ہو جائے۔ یا رب العالمین' ہمیں اپنی رحمت سے مایوس نہ کرنا' جب ہم آپ کی رحمت سے سوال کریں تو ہمیں ملنا چاہیے۔ تو یہ دعا ہے آپ کے لیے۔ جسم کی بیماری کے لیے بھی دعا ہے اور رُوح کی بیماری کے لیے بھی دعا ہے۔ یا اللہ ہماری ظاہری اور باطنی بیماریوں کو دُور فرما۔ سب سے بڑی باطنی بیماری ہے مایوسی۔ ظاہری بیماری تو اس کے مقابلے میں کوئی شے نہیں ہے۔ باطنی ابتلا کیا ہے؟ احساسِ تنہائی۔ تو اللہ تعالیٰ اس سے بچائے' احساس محرومی سے بچائے اور احساسِ تنہائی سے بچائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ یہ سمجھیں کہ آپ اس کائنات میں محروم ہیں۔ تو محروم سمجھنے والا اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے۔ اگر یہ خیال آ جائے کہ مجھ پر ظلم ہوا ہے' میں مظلوم ہوں' تو پھر بھی وہ مایوس ہو جائے گا۔ دعا یہ کرو کہ اللہ تعالیٰ آپ کو محروم بھی نہ کرے' مظلوم بھی نہ کرے اور مایوس بھی نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سرشار رکھے۔ اگر کوئی غریب ہے تو اللہ اسے خوشی کے ساتھ رکھے۔ یا اللہ غریبی بھی ایسی ہو کہ ہم خوش رہیں اور دولت دے تو ایسی ہو جس سے ہم باغی نہ ہوں۔ یا اللہ دولت وہ دے کہ ہم باغی نہ ہوں اور غریبی وہ دے کہ ہم مایوس نہ ہوں ...... آمین۔

برحمتک یا ارحم الراحمین۔

سوال:-

کیا عزت اور طاقت بھی اللہ کے قریب کرنے کا باعث ہو سکتے ہیں؟

جواب:-

یہ دور بھی کر سکتی ہے اور قریب بھی کر سکتی ہے۔ طاقت اور کبریائی صرف اللہ کو زیب دیتی ہے۔ سجدہ کرنے والا طاقت کی خواہش سے بچے۔ سجدہ کرنے والا عاجزی میں رہے۔ طاقت جو ہے وہ عاجزی چھین لیتی ہے، عاجزی چھن جائے تو انسان، انسان نہیں رہتا۔ اس لیے طاقت کی کبھی دعا نہیں کرنی چاہیے کہ ہمیں طاقت ملے۔ بادشاہ عام طور پر ایمان سے آگے پیچھے ہو جاتے ہیں۔ بادشاہ سے مراد با اختیار ہے مثلاً پولیس اسٹیشن کا ایس ایچ او جو ہے وہ بادشاہ ہے بادشاہ سے مراد وہی ہے جو با اختیار ہو اور اپنے اختیار کو ناجائز بھی استعمال کرتا ہو۔ تو وہ سجدہ نہیں کر سکتا۔ سجدہ ہے اپنی عاجزی کے نام، سجدہ ہے اپنی حقیقت جاننے کا نام، اپنی عاجزی بنامِ کبریا۔ آپ اس کبریا کے سامنے اپنی عاجزی پیش کر سکتے ہیں، اور کچھ پیش نہیں کر سکتے۔

سوال:-

انسان کوشش کرتا ہے کہ میں بڑے سے بڑا بن جاؤں......

جواب:-

یہ "بڑے سے بڑا بننا" ایک حجاب ہے۔ "بڑا ہونے" کی آرزو ایک حجاب ہے، پردہ ہے۔ اگر انسان اس سے بچ جائے تو بہتر ہے۔ آپ یہ آرزو نہ ہی

کرو بلکہ اس کے فضل کی آرزو کرو اور وہ جس حال میں رکھتا ہے، رکھنے دو۔ ایک حدیث شریف ہے، سرکار دو عالمؐ نے فرمایا کہ بادشاہ بننے کے لیے کبھی دعا نہ کرنا۔ اگر تیری دعا کے بدلے تجھے بادشاہی ملی تو ذمہ داری تمہاری ہوگی۔ اگر اللہ تعالیٰ عطا فرمائے تو وہ خود ہی ذمہ دار ہوگا۔ اگر تو نے دولت کے لیے دعا مانگی تو استعمال تیرے ذمے ہوگا۔ اگر مرتبے کے لیے تو نے دعا مانگی تو پھر ذمہ داری تمہاری ہوگی، وہ اگر عطا کر دے تو خود ہی انتظام کرے گا۔ اس لیے آپ اگر انتظار کر سکتے ہو تو کرو مگر تمنا نہ کرو۔ یہ تمنا نہ کرو کہ یہاں اللہ کی رحمت اس شکل میں آئے۔ چاہے اس شکل میں آئے، چاہے اس کے برعکس آئے، بس رحمت ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت آئے چاہے جس شکل میں آئے۔ تُو جس رنگ میں آ، آ تو سہی۔ بس یہ بات ہے۔

سوال:-

اگر انسان کے پاس دولت آ جائے تو فرائض کا بوجھ تو ایک جیسا ہوگا......

جواب:-

اچھا آدمی اسے بوجھ نہیں سمجھتا۔ جو بوجھ سمجھتا ہے وہ انسان اچھا نہیں ہوتا۔ جو دولت مانگتا رہتا ہے اسے منع کر دیتے ہیں کہ نہ مانگو۔ اس کی بات آپ کو سمجھ نہیں آ سکتی۔

سوال:-

آج کل ہر جگہ پروفیشنل جیلَسی بہت ہے......

جواب:-

جو وہ کرر ہے ہیں ان کے لیے ٹھیک ہے۔ جس طرح آپ اس دور میں یہاں پر بیٹھے ہوئے ہیں، بے شمار لوگ ہیں جو یہاں کی بجائے وہاں بیٹھے ہوئے ہیں یعنی کسی اور جگہ پر۔ اب یہ نہ دیکھو کہ وہ کیا کرر ہے ہیں کیونکہ ان کا انجام ان کے ساتھ ہے، آپ اپنے انجام کو دیکھیں۔ آپ زندگی کے اصلی انجام سے غافل نہ رہنا اور وہ یہ کہ اس نے ختم ہو جانا ہے۔ بے شمار لوگ ہیں جو گناہ کرر ہے ہیں۔ کائنات کو آپ روک نہیں سکتے۔ آپ اپنے آپ کو دیکھیں، اپنا آپ غور کریں، لوگوں کے ساتھ ہونے والے واقعات بے شمار ہیں، ہر رنگ موجود ہے کافر بھی رہے گا، مومن بھی رہے گا۔ یہ سب چلنے دو۔ پیسے کی دوڑ اگر لگی ہے تو لگی رہنے دو، آپ اس میں کہیں شامل نہ ہونا۔ اپنا وقت گزارنا۔ اپنے آپ کو وابستہ رکھو، جس خیال میں جار ہے ہو اس میں چلتے جاؤ۔

اب آپ بات کریں...... اپنی کوئی بات...... کوئی سوال...... اپنی ذات کی کوئی بات...... ایسی بات جو سمجھنے والی ہو، باقی تو ہر شے ہوتی رہے گی، دھوکہ بھی چلے گا، بدی بھی چلے گی اور نیکی بھی چلے گی......

کیا آپ لوگوں کو اب جانے کی اجازت دی جائے؟...... اجازت ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین۔ آپ سب آباد رہیں!

1. کہتے ہیں کہ قرآن کا ایک باطن بھی ہے تو اس باطن کو یا مَن کو سمجھنے کا کیا طریقہ ہے؟
2. قرآن سمجھنے کے لیے تقویٰ چاہیے تو تقویٰ کیا ہوتا ہے؟
3. تقویٰ اور ہدایت میں کیا فرق ہے؟

سوال:-

کہتے ہیں کہ قرآن کا ایک باطن بھی ہے تو اس باطن کو یا مَن کو سمجھنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:-

آپ جسے مَن کہتے ہیں وہ آپ خود ہی ہیں۔ اس کو پہچاننے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ہر وہ ذریعہ جو آپ کو باقی زندگی سے متعلق کر رہا ہے اس ذریعے سے تمام واقعات پہ غور کریں اور اس کی پوری کی پوری واردات دیکھیں کہ وہ ذریعہ کیا کام کرتا ہے۔ مثلاً ایک باہر کی زندگی ہے، تو اس زندگی سے آپ کی زندگی کن ذرائع سے متعلق ہے، تعلق میں ہے۔ ان ذرائع پہ آپ غور کریں کہ وہ کون سے ذرائع ہیں، کون سی وجوہات ہیں، کون سے وہ رشتے ہیں، کون سے بانڈز ہیں، جن کے ذریعے آپ کی ذاتی زندگی باہر کی زندگی سے متعلق ہے۔ میری بات آپ کو سمجھ آ رہی ہے۔ مثلاً آپ کو یہ تو سمجھ آ سکتی ہے کہ آپ اولاد کے ذریعے باقی زندگی سے متعلق ہیں اور اگر اولاد نہ ہوتی تو باقی زندگی سے آپ کا تعلق ہی نہیں تھا۔ یہ اولاد تو Creation ہے، پہلے آپ ذاتی طور پر سوچیں کہ آپ اکیلے انسان ہیں، ایک اکائی، اور آپ بیٹھے ہوئے ہیں مگر آپ کا تعلق باہر کی زندگی سے ہے۔ تو باہر کی

زندگی سے آپ کا یہ جو تعلق ہے وہ کس وجہ سے ہے یا کن وجوہات سے ہے؟ آپ یہ بتائیں۔ مثلاً آدھے سے زیادہ ہمارا تعلق آنکھوں سے ہے کیونکہ آنکھیں ہیں تو باہر کی کائنات نظر آ رہی ہے۔ اور جب نظر آتی ہے تو تاثیر بھی کرتی ہوگی۔ کچھ تعلقات آپ کے کان کے ذریعے ہیں' چڑیا' چہچہے' نغمہ' گانا' قرآن کریم کی تلاوت سب کانوں کے ذریعے سے ہے۔ کان نہ ہوں تو یہ سب تعلق ختم ہو جائیں گے۔ آپ کے ذہن میں خیال نہ ہو تو پھر کائنات ختم ہو جائے گی۔ احساس' خیال' گویائی' زبان' حواسِ خمسہ اور آپ کا دل کائنات سے تعلق کا ذریعہ ہیں۔ اگر آپ کا دل نہ ہو تو کائنات کے ساتھ آپ کا تعلق کیا ہے۔ چونکہ آپ کے پاس دل ہے اس لیے وہ کہتا ہے کہ یہ بھی دیکھ لو وہ بھی دیکھ لو' یہ تو پتہ کر لینا چاہیے کہ کیا ہے' وہ کون ہے۔ تو یہ دل کے تعلقات ہیں۔ پھر شکم بھی ہے۔ شکم کا اس کائنات کے ساتھ بڑا تعلق ہے' جب بھوک لگتی ہے تو آپ باہر کی طرف دوڑتے ہیں۔ پھر آپ کا کسی نہ کسی طور پر تعلق بن جاتا ہے' کھانے کا' کمانے کا' لانے کا اور پکانے کا پورا تعلق ہے۔ تو آپ کے وجود میں جتنے قواء ہیں یہ سارے کے سارے باقی کی کائنات کے ساتھ آپ کے رشتے ہیں۔ اگر آپ کو یہ بات سمجھ نہ آئی تو باقی زندگی سمجھ نہیں آئے گی۔ پھر آپ زندگی بنانے والے کا مزاج کہاں سے سمجھو گے۔ پھر اس نے جو قرآن نازل کیا وہ کیسے سمجھ آئے گا اور قرآن کا باطن کیسے سمجھ آئے گا۔ اس لیے پہلی بات آپ یہ سمجھو کہ کائنات سے آپ کا تعلق کیا ہے۔ اب اس کی موٹی موٹی تفصیل سنتے جاؤ۔ مثلاً آپ کا کان کے ذریعے تعلق ہے یعنی آواز' سننا اور سماعت۔ اس کائنات میں خیر اور شر' دونوں آوازیں چل رہی ہیں۔ حق' ناحق' اسلام' کفر' ٹیپ ریکارڈر اور

اذان بیک وقت چل رہے ہیں۔ تراویح بھی ہورہی ہے اور گانا بھی گایا
جارہا ہے۔اب کان نے کون ساMessage ذرا جلدی Receive کر کے آپ کو
دیا؟ یہاں سے آپ کا تعلق شروع ہو جائے گا۔ اگر آپ کے کان کی ٹریننگ نہیں
ہے تو وہ دعوتِ گناہ کو ذرا جلدی سنے گا اور دعوتِ حق کو دیر سے سنے گا اور پھر آپ کو
غلط اثر دے دے گا۔ لٰہذا کائنات کی زندگی سے اپنے تعلق کو درست کرنے کے
لیے اپنی سماعت کو حسنِ سماعت بناؤ۔ اب سننے والی چیزوں میں سب سے زیادہ
خوب صورت سننے والی چیز جو ہے وہ اللہ کا کلام ہے۔ بات سمجھ آئی ؟ اگر کانوں کو
سماعت کا ذوق ہے تو ترتیب وار سب سے پہلے اللہ کا کلام ہی سننا چاہیے اور آخر بھی
اللہ کا کلام سننا چاہیے۔ حق سننے والے کان جو ہیں وہ آپ کو حق گو بنا دیں گے۔
جھوٹ سننے والا کچھ عرصہ کے بعد جھوٹ بولنا شروع کر دے گا۔ لٰہذا آپ سچے
آدمیوں کے پاس بیٹھو، صداقتیں سنو اور جھوٹی بات نہ سنو، غلط لوگوں کی بات نہ سنو،
دعوتِ گناہ نہ سنو...... دو قسم کی آوازیں ہوں گی، ایک وہ آواز ہوگی جو آپ کو آگے
لے جانے کے لیے آرہی ہوگی، کہ Come on آؤ ہمارے پاس، دوڑ کے یہیں
آنا ہے۔ اور دوسری آواز آئے گی کہ کہاں جانا ہے، بس یہیں رہو۔ تو یہ دونوں
آوازیں آرہی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ دونوں آوازوں میں سے تیری کون سی آواز
ہے۔ تو حق کی، خیر کی اور شر کی دونوں آوازیں ضرور ہوں گی۔ ان میں سے آپ کی
کون سی آواز ہے، یہ آواز اگر آپ پہچان گئے تو کان کا حق ادا ہو گیا۔ سب سے
پہلے اللہ کریم نے جب حکم دیا تو زندگی کے کان ہی عمل میں آئے۔ اللہ نے کہا کہ
''ہوجا'' تو ساری زندگی نے سُن لیا کہ ''ہوجانے'' کا حکم ہو گیا ہے، پس ہو گئے۔

گویا کہ یہ جو آپ کا کان ہے، گوش ہے، اسے گوشِ ہوش بناؤ۔ پھر کچھ عرصے کے بعد آپ کے دل میں کان لگ جائیں گے۔ تب دل جو ہے وہ دور کی آوازیں بھی سننا شروع ہو جائے گا یعنی دور کی آواز، احساس کی آواز، دِلوں کی آواز اور خیال کی آواز بھی سنے گا۔ تو آپ کو اس بات کی نگرانی کرنی چاہیے، عمل کرنا چاہیے کہ کان کون سی آواز سنتا ہے۔ وہ کہتا ہے میں سن رہا ہوں کہ جنگ کی آواز آ رہی ہے۔ تو جنگ ابھی کچھ عرصہ بعد ہونی ہے مگر اس کو پہلے آواز آ جاتی ہے۔ تو کچھ لوگوں کو پہلے آواز آ جاتی ہے اور کچھ لوگوں کو دیر کے بعد۔ تو آپ اس کو جتنا جتنا Develop کرو گے، فائن بناؤ گے، لطیف بناؤ گے، Sensitive بناؤ گے، اتنا ہی آپ کا رینج بڑھتا جائے گا اور زندگی سے تعلق پھیلتا جائے گا۔ تو سننے والوں نے بہت کچھ سنا، درخت کی فریاد کو سنا، ستون کی فریاد کو سنا، بکری کو فریاد کو سنا، ہرنی کی فریاد کو سنا، اس کے بچے کی وجہ سے..... تو سننے والوں نے سنا۔ تو آپ بھی سننے لگ جائیں گے۔ آپ تو بولے ہوئے الفاظ بھی نہیں سنتے تو اَن بولے کہاں سے سنو گے یعنی وہ لفظ جو ابھی زبان پہ نہیں آیا۔ جگرؔ ایک شاعر تھا، اس نے کہا ہے کہ

گوشِ مشتاق کی کیا بات ہے اللہ اللہ

سن رہا ہوں میں وہ نغمہ جو ابھی ساز میں ہے

اگر کان شوق ہو جائیں تو ساز میں سے نغمہ سن لیتے ہیں اور پھر یوں اس کی معانی پیدا ہو گئے۔ مولانا رومؒ نے کہا۔

بشنو از نے حکایت می کند

وز جدائیہا شکایت می کند

کہ بانسری کی آواز سنو کہ یہ شکایت کر رہی ہے کہ مجھے جنگل کے بانس سے جدا کر دیا گیا ہے۔ اور پھر یہ کہ

خشک مغز و خشک تار و خشک پوست

از کجا می آید ایں آوازِ دوست

کہ ستار کے اندر لکڑی، تاریں اور کھال سب بے جان ہیں مگر اس میں سے مجھے دوست کی آواز آ رہی ہے۔ اب اس کے معانی بھی انہوں نے بنا دیے کہ کس کی آواز کون دے رہا ہے۔ تو آواز کا اس کائنات میں آپ کے کان سے تعلق ہے۔ تو زندگی کے ساتھ یا کائنات کے ساتھ آپ کا پہلا تعلق کان کے ذریعے ہے۔ اسی طرح پھر آپ کو بولنے کا خیال آتا ہے۔ بولتے وقت آپ کائنات میں یا تو جھوٹ میں اضافہ کر رہے ہیں یا پھر سچ میں اضافہ کر رہے ہیں۔ اگر آپ جھوٹ میں اضافہ کر رہے ہیں تو پھر سمجھو کہ آپ گمراہ ہو گئے۔ اس لیے اس جھوٹ بولنے سے بہتر ہے کہ آپ خاموش رہیں۔ میں نے آپ کو پہلے بھی یہ بات بتائی تھی کہ اگر آپ چالیس دن سچ بولنے لگ جائیں تو چالیس دن کے بعد جو کہیں گے وہ پورا ہو جائے گا۔ کیونکہ آپ کی زبان سچ ہو گئی ہے، اس لیے جو کہو گے وہ سچ ہو جائے گا۔ اس زبان کے ذریعے میں آپ سے بات کر رہا ہوں اور آپ میری بات سن رہے ہیں، تو یہ تعلق ہو گیا ناں، یعنی میری ذاتی زندگی کا باہر کی زندگی سے تعلق ہو گیا۔ تعلق کیسے ہوا؟ بولنے سے۔ گویا کہ بولنے والا جو ہے وہ باہر کی زندگی سے متعلق ہو جاتا ہے، یعنی جہاں تک اس کی آواز جاتی ہے، آواز بے شک قریب جائے، دور جائے، ریڈیو پہ جائے، ٹیلی ویژن پہ جائے، بین الاقوامی طور پہ جائے اور بین السیاروی

ہو جائے...... گویا کہ آپ کی زبان متعلق ہے۔ زبان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہونی چاہیے کہ وہ سچ بولے اور صداقتوں کے قریب رہے اور سچے سامعین کے ساتھ بات کرے۔ اگر اسے کسی اور سچ کی سمجھ نہیں آتی ہے تو کلام الٰہی بولے اور جیسے حکم ہے ویسے بولے۔ اس سے آپ کو زندگی میں سمجھ آئے گی کہ باطن کیا ہوتا ہے۔ یعنی کہ وہ شخص اپنی زبان سے درود شریف بولے، کلامِ الٰہی بولے اور حق بولے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لا تلبسوا الحق بالباطل حق کو باطل کا لباس نہ پہناؤ ولا تکتموا الحق وانتم تعلمون اور حق کو چھپاؤ نہ اگر تم جانتے ہو تو۔ اگر ایسا موقع آ جائے تو حق کو برملا کہو، حق کو باطل سے مت ملاؤ، ابہام مت پیدا کرو۔ اگر کوئی پوچھے کہاں سے آئے ہو تو یہ نہ کہنا کہ بس قریب سے ہی آیا ہوں، جہاں سے ہر روز آتا ہوں۔ تو وہ سچی بات نہیں بتائے گا۔ تو ابہام پیدا کرنے والا جھوٹا ہوتا ہے۔ اس سے پوچھو کہ کہاں رہتے ہو تو وہ کہے گا کہ ہم اپنے گھر میں رہتے ہیں۔ آپ کا گھر کہاں ہے؟ یہاں سے آگے جاؤ تو گھر آ جاتا ہے۔ یہ ہے ابہام۔ تو مبہم بات کرنے والا دراصل جھوٹا ہوتا ہے۔ اس شخص کو ساری کائنات سے صرف ابہام ہی ملتا ہے۔ اس کو کبھی صداقت نہیں ملتی۔ تو آپ اپنی زبان کی اصلاح کریں، بولنے کی اصلاح کریں، بات میں صداقت پیدا کریں، اس میں اللہ تعالیٰ کے کلام کو بولیں ...... اب یہ ایک بات ہوگئی۔ آگے پھر سوال آتا ہے آپ کی آنکھ کا۔ تو یہ بھی ایک بڑا عجب راز ہے، کہ کائنات کے اندر آنکھ آپ کو عکس لا دیتی ہے، جھوٹ کا بھی اور سچ کا بھی۔ اب آپ نے اس میں تخصیص کر دینی ہے کہ آنکھ آپ کے لیے کیا لا رہی ہے۔ آنکھ جو ہے وہ گمراہی بھی لاتی ہے، آنکھ صداقت بھی لاتی ہے۔ آنکھ جو

ہے اس کا تعلق آپ کے وجود کے اندر نفس سے ہے، روح سے ہے، دماغ سے ہے اور احساس سے ہے۔ آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے تو فوری طور پر مناسب شعبے میں تاثیر دیتی ہے، مثلاً صرف دیکھتے ہی دیکھتے گناہ کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی آنکھ نے جو کوئی چیز دیکھی اس کی گناہ کے شعبے میں اطلاع دے دی۔ تو وہ شعبہ مستعد ہو جاتا ہے۔ آنکھ نے اگر اطلاع دے دی کہ یہ دیکھو جنازہ جا رہا ہے، کل کو تمہارا بھی جائے گا، تو آپ وہیں پہ رُک جائیں گے اور باقی کا کاروبار بند کر دیں گے۔ تو آنکھ جو ہے یہ اطلاع دیتی ہے۔ اتنا بڑا راز جو آپ کے پاس ہے وہ آنکھیں ہیں۔ آنکھ آپ کو صحیح اطلاع دے گی۔ اس میں آپ دنیا کے اندر گمراہیوں کے صحیح انجام کو دیکھیں فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین جھوٹوں کی کیا عبرت ہوئی ہے، لوگ کہاں سے آئے، کہاں چلے گئے، جھوٹ بولنے والے کیا کیا بات کرتے چلے گئے، کائنات میں کتنے کتنے رنگ تھے، یہ قبریں ہیں بلکہ قبروں کے نیچے بھی قبریں ہیں، آدمیوں کے نیچے بھی قبریں ہیں اور قبروں کے نیچے پھر اور قبریں ہیں۔ ہر جگہ آپ دیکھیں تو آپ کو کیا کیا نظر آئے گا۔ آنکھ جب محوِ نظارہ ہو تو اس وقت وہ ضرور باطن سے متعارف ہو جاتی ہے یعنی آنکھ جب محوِ نظارہ ہو اور اتنی محویت میں ہو تو اس وقت آپ کو باطن سے تعارف ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ تو آپ آنکھ لے کر ساری کائنات میں پھرو، دیکھو، رنگینیاں دیکھو، نیرنگ دیکھو، حسن دیکھو، کائنات کے جلوے دیکھو...... پھر آپ کو یہ کائنات ساری کی ساری مرقعِ نور و جمال نظر آئے گی۔ پھر آپ کہیں گے کہ یہ کائنات ایک مرقعِ جمال ہے۔ اسی طرح آپ کا احساس ہے۔ بچہ جوان ہو جائے تو فوری طور پر ماں باپ سے ناراض

ہونا شروع ہو جاتا ہے کہ ہم نے کھانا نہیں کھانا۔ اگر اس سے پوچھو کہ تجھے کیا تکلیف ہوگئی کہ کھانا نہیں کھاؤ گے تو وہ کہے گا کہ آپ ہماری بات نہیں مانتے۔ اصل میں وہ کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔ جب کوئی چچا درمیان میں آتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ بچے کی شادی کرنی ہے۔ تو جب وہ جوان ہو جائے گا تو شادی خود بخود ہی ہو جائے گی۔ تو آپ کے اندر عمر کا ایک ایسا حصّہ پیدا ہو جاتا ہے کہ آپ کی خواہشات جو ہیں وہ کائنات سے متعلق ہو جاتی ہیں۔ پھر جب آپ دیکھتے ہیں کہ ذمہ داری پڑ گئی ہے' بیوی آ گئی ہے' بچے ہو گئے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا آپ کے دفتر میں کوئی ملازمت ہے۔ وہ جو کوئی کام نہیں کرتا تھا' بھاگا دوڑا پھرتا تھا' یہاں بیٹھا رہتا تھا' چائے پیتا رہتا تھا' حقہ پیتا رہتا تھا' آج وہ کہتا ہے کہ فلاں جگہ کا اشتہار ہے وہاں ملازمت کے لیے جانا چاہیے' By the way نوکری کر لیتے ہیں' مجبوری ہے' بچے پیدا ہو گئے ہیں۔ تو آنکھ جو ہے اس کو پاکیزہ کرنے والی چیز آپ کی اپنی اولاد ہوتی ہے ورنہ تو آنکھ ناپاکی میں آپ کو اڑا دیتی ہے۔ ورنہ اگر آپ کسی بدقسمت چیز کو دیکھنے لگ جائیں تو آپ بدقسمتی میں آ جائیں گے' ناروا نظاروں کو دیکھنے لگ جائیں تو آپ بھی ناروا ہو جائیں گے۔ اس لیے یہ کہا گیا ہے کہ آنکھ جو ہے یہ مرقعِ جمال دیکھے۔ مثلاً آستانے دیکھے' روضے دیکھے' بے شک ان کی سمجھ نہ آئے لیکن اتنی بات تو ہے کہ یہ مقدس روحیں ہیں۔ تو وہ آنکھیں جو نیک مقامات کو دیکھیں گی وہ آپ کو نیکی ہی میں لے جائیں گی اور وہ آنکھیں جو برے مقامات کی متلاشی ہوں گی وہ آپ کو برے گھر میں لے جائیں گی۔ تو آپ اچھے مقامات دیکھیں' نیک مقامات دیکھیں' نیک لوگوں سے ملیں' نیک شکلیں دیکھیں...... تو آنکھ میں پاکیزگی

ہونی چاہیے۔ایک شخص جس کی زندگی زیادہ پاک نہیں تھی اس کے بارے میں ایک دن پتہ چلا کہ وہ پاک ہوگیا ہے۔لوگوں نے پوچھا تجھے کیا ہوگیا ہے' تُو تو بڑا اچھا ہوگیا ہے۔کہتا ہے مجھے پیر مل گیا ہے تو اس لیے میں نیک ہوگیا ہوں۔اس نے پوچھا آپ کا پیر کون ہے؟اس نے کہا بات یہ ہے کہ میری بیٹی پیدا ہوگئی......تو بیٹی جو ہے یہ سب سے بڑا پیر ہے۔اس طرح انسان میں آنکھ کی پاکیزگی آجاتی ہے۔

اس انسان میں آنکھ کی پاکیزگی آسکتی ہے جس کو اس کائنات کے اندر جو کچھ نظر آرہا ہے وہ اپنی ماؤں اور بہنوں کے حوالے سے نظر آئے۔اور اگر یہ اس طرح نظر نہیں آتا تو پھر طہارت یا پاکیزگی پیدا نہیں ہوسکتی۔اس لیے اولاد کو ایک جہیز یہ بھی دینا چاہیے کہ جب سے بچی پیدا ہوئی' باپ کی نگاہ ناپاک نہیں ہوئی۔تو یہ بھی جہیز کا حصّہ ہے۔بچی کے لیے باپ کی نگاہ کا پاکیزہ ہونا بہت ضروری ہے۔اور اگر آپ جس وقت کسی طرف گمراہ نگاہ ڈال رہے ہیں تو اس وقت آپ کی اپنی عزت کس کے حوالے تھی؟ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ آپ اپنی عزت اللہ کے حوالے کریں اور پھر اللہ کے خلاف جائیں۔اللہ کے حوالے تو اس کی عزت ہوتی ہے جو خود اللہ کے حوالے سے چل رہا ہو اور جو اللہ کے امر کو Violate کررہا ہے وہ اپنی عزت اللہ کے حوالے نہیں کرسکتا۔لہٰذا عین اس وقت آپ کے ''مقدسیات'' پر ناپاک نگاہ پڑ رہی تھی جب کہ آپ کی نگاہ کسی چہرے پر پڑ رہی تھی۔تو اس وقت آپ کی عزت کے چہروں پر بھی غلط نگاہ پڑ رہی تھی۔اگر اس وقت نہیں پڑ رہی تھی تو کچھ دیر کے بعد پڑ جائے گی۔جتنا کیچڑ آپ دوسروں کی دیوار پر لگائیں گے اتنا کیچڑ آپ پر ضرور آئے گا۔قصہ مختصر ہے' لمبی چوڑی کہانی کوئی نہیں ہے۔اس لیے یہ ضروری ہے کہ اپنی

پاکیزگی کو یا اپنی عزت کو سنبھالنے کے لیئے دوسروں کی پاکیزگی اور دوسروں کی عزت کی عزت کرو۔ تو یہ اس کا حق ہے۔ اسی طرح اپنے دل کے حقوق ہیں، دماغ کے حقوق ہیں، دماغ سے کائنات کا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ دماغ سوچنے والی چیز ہے، یہ وجوہات دریافت کرتی ہے، غور کرتی ہے، اس کو اپنے ہونے کی سمجھ نہیں آتی کہ میں کیا ہوں۔ سوچنا تو اللہ کے فضل سے ہی ہے۔ ایک حد کے بعد دماغ سوچنا بند کر دیتا ہے۔ سونا جو ہوتا ہے وہ زمین کے اندر مٹی میں رکھا ہوا ہے، چھپا ہوا ہے، یہ اتنی سی قیمتی چیز ہے اور پھر کائنات کے جو مقدس راز ہیں وہ آپ کو فوری طور پر کیسے مل جائیں؟ چھوٹا سا موتی ہوتا ہے اور وہ سیپ کے اندر چھپا کے رکھا ہوتا ہے۔ تو پھر وہ راز Develop ہوتا ہے۔ تو کائنات کے راز دریافت کرنے کے لیے یا تو سمندر کے اندر غوطہ لگانا پڑے گا یا پھر کان کے اندر جانا پڑے گا، غار میں غور کرنا پڑے گا تا کہ آپ دُرِمکنون، چھپے ہوئے موتی دریافت کر سکیں۔ بزرگ کہتے ہیں کہ یہ وہ راستہ ہے جس راستے پر بہت لوگ جاتے ہیں لیکن

کوئی وِرلیاں موتی لئے تریاں

کم کم لوگ ہوتے ہیں جن کو یہ نصیب ہوتا ہے۔ Every body کو نہیں ملتا۔ چلتے سارے ہی ہیں لیکن سب کو یہ نصیب نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ راستے میں ان کی تلاش آگے پیچھے ہو جاتی ہے۔ مثلاً وہ اللہ کی تلاش میں گئے، مسجد کی طرف گئے اور کچھ عرصہ بعد گمراہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہم نے تو اتنی نمازیں پڑھی ہیں مگر ہمیں تو پیسہ ہی نہیں ملا۔ اب نماز سے تو پیسہ نہیں بنا۔ مدعا یہ ہے کہ نماز کی Achievement تو نماز ہی ہے، نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے۔ اس کائنات میں انسان گمراہ کب ہوتا

ہے؟ جب وہ وجہ کنفیوز کر دے جس کی وجہ سے وہ نیکی کر رہا ہے۔ پہلے کہتا تھا کہ میں نیکی اس لیے کر رہا ہوں تاکہ میری عاقبت بہتر ہو اور اب عاقبت بہتر کرنے کی بجائے یہاں کی کوئی بہتری ڈھونڈ رہا ہے۔ اس طرح انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔ وہ انسان جو کمزور ہو وہ اگر نیکی کر رہا ہو اور کوئی تکلیف آ جائے تو وہ نیکی چھوڑ دیتا ہے۔ اور جو طاقت ور ہیں وہ تکلیف کو اپنا انعام سمجھتے ہیں۔ سب سے زیادہ جو نیک ہیں یا تو وہ شہید ہوا کرتے ہیں' تکلیفوں میں سے گزرتے ہیں آزمائشوں میں سے گزرتے ہیں اور پھر اپنی نیکیوں کی بلندی قائم کر جاتے ہیں۔ کمزور آدمی جو ہے وہ ذرا سی تکلیف آتے ہی نیکی چھوڑ جاتا ہے۔ اس لیے آپ اپنے آپ کو طاقت ور بنائیں۔ یہ میں آپ کی ذاتی زندگی کی بات کر رہا ہوں۔ اگر آپ کو یہ سمجھ آ گئی تو پھر آپ میں بہت سارے علوم آنے شروع ہو جائیں گے' پوری کائنات سمجھ آنی شروع ہو جائے گی کہ میں کیا ہوں' میرا آنا کیا ہے' روح کیا ہے' دل کیا ہے' دماغ کیا ہے' خیال دماغ میں باہر سے آتا ہے یا دماغ سے باہر جاتا ہے' کبھی میرا خیال دور چلا جاتا ہے اور کبھی دور کا خیال میرے پاس آ جاتا ہے...... تو ایسا ہوتا ہے۔ پھر آگے جو دل کی بات ہے تو وہ تو بہت ہی بڑی ہے کہ انسان چلتے چلتے کسی اور انسان کو اپنا مدعا بنا لیتا ہے' پھر مقصدِ حیات کوئی اور بن جاتا ہے۔ وہ کون بن گیا اور کیوں بن گیا؟ یہ سمجھ نہیں آتی ہے' یہ الگ راز ہے۔ وہ تو گھر سے کسی کام کو چلا تھا' اب کہتا ہے کہ میں کام سے تو چلا تھا مگر میرا کام کچھ اور ہی ہو گیا ہے۔ یہ کہ اس کی نگاہ مل گئی' آنکھ مل گئی' دو نگاہیں اور دو نگاہیں' چار آنکھیں ہو گئیں' پھر وہ اسی کے خیال میں گم ہو گیا۔ تو رانجھا اپنی زمینیں بھول گیا اور ہیر اپنا خاندان بھول گئی۔

منم محوِ خیالِ اُو نمی دانم کجا رفتم

خدا جانے میں اس کے خیال میں کہاں سے کہاں چلا گیا۔ اب جانا کہیں اور تھا اور پہنچ کہیں اور گیا۔ یہ راز ہے، یہ دل کی بات ہے۔ جس آدمی کو آپ کا دل پسند کرتا ہے اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ ہمیں بہت پسند ہے تو وہ کہتے ہیں کہ تم نے اس میں ایسی کیا چیز دیکھی ہے پسند کرنے والی، یہ تو عام انسان ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تمہیں عام انسان نظر آ رہا ہے لیکن مجھے عام نظر نہیں آ رہا ہے۔ تو بات یہ ہے کہ آپ کا دل جو ہے وہ کسی ایک انسان کو عام کی بجائے خاص دیکھنا شروع ہو جائے۔ پھر آپ کو کائنات کے ساتھ اپنے دل کا تعلق مل جائے گا۔ تو کائنات کی نگاہ کبھی آپ کے دل پر اور کبھی آپ کا دل کائنات پر ہو گا۔ پھر رونق لگ جائے گی۔ تب آپ کے دل کی آواز کائنات میں پھیلے گی۔

ے میرے غم کا عکس پڑا ہے اوروں کے افسانوں پر بھی

تو یہ لگتا ہے کہ آپ کی بات کا اثر دوسروں پر بھی ہے۔ تو آپ کا دل جو ہے یہ آپ کو باہر کی زندگی سے متعلق کر رہا ہے۔ بے دل اور بے حس آدمی کا کسی سے تعلق ہی کوئی نہیں ہے، اسے اگر کہیں کہ ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے تو وہ کہے گا کہ ہونے دو، اگر کہیں کہ لوگ تباہ ہو گئے تو کہے گا کہ ہونے دو، کچھ لوگ مر گئے ہیں تو کہے گا لوگ تو مرتے رہتے ہیں...... تو یہ بے حس ہے۔ ایک بے حس آدمی چھٹی لینے گیا اس نے پوچھا کیا ہوا؟ کہتا ہے میری ماں مر گئی۔ کب مری ہے؟ پرسوں مری ہے یا شاید پہلے مری ہے، اب یاد نہیں۔ افسر نے کہا کہ اگر یہ بھی یاد نہیں ہے تو پھر چھٹی کیوں لے رہا ہے۔ کہتا ہے اگر چھٹی نہ لی تو لوگ کہیں گے کہ تجھے ماں کا خیال ہی نہیں، اب مرضی

ہے تو دے دو، نہیں مرضی تو نہ دو...... دنیا میں ایسے ایسے بے حس لوگ بھی ہیں، دنیا میں بے حس بھی ہیں اور احساس والے بھی ہیں۔ تو یہ دل آپ کو کائنات سے متعلق کرتا ہے۔ پھر آپ کائنات کو دیکھیں اور دیکھیں کہ سورج کدھر سے نکلتا ہے، مشرق کدھر ہے، مغرب کدھر ہے، یہ زمین پر ہی مشرق اور مغرب ہے، آسمانوں پر تو نہ مشرق ہے اور نہ مغرب ہے، نہ سورج کہیں سے نکلتا ہے اور نہ ڈوبتا ہے، نہ مشارق ہیں نہ مغارب ہیں۔ مشرق مغرب تو زمین کی بات ہے، آسمان پہ اور بات ہے۔ اسی طرح ستارے سیارے پہاڑ اور دریا سارے آپ کے لیے معانی رکھتے ہیں، یہ آیتیں ہیں اللہ تعالیٰ کی، نشانیاں ہیں، کہ پہاڑ جو ہے وہ استقامت کا راز ہے، بلندی کا راز ہے، اپنی جگہ پر قائم رہنے کا راز ہے، پتھروں کا راز ہے، پہاڑ کے اندر خزانے ہیں اور پھر پہاڑ میں سے دریا نکلتے ہیں...... یہ اتنے سارے واقعات ہیں۔ یہ سب آپ کے لیے پیغامات ہیں۔ اس پہ ذرا غور کریں۔ اگر آپ ایک درخت کی زندگی سٹڈی کریں تو یہ پوری کی پوری کائنات ہے، کہ بیج زمین کے اندر گیا، محنت کرتا رہا، غور میں غائب رہا، پھر غور کے اندر عرفان ہوا اور وہ بیج پھٹا، جڑ بنی، پودا بنا، تنا بنا، آندھی، پرندوں اور جانوروں سے بچتا ہوا طاقت ور ہو کے میدان میں کھڑا ہو گیا۔ تو چلتے چلتے پھر وہ کہیں جا کے پھل دار درخت بنتا ہے۔ پھر فیض ہی فیض ہے۔ تو اتنی محنت کرتا ہے وہ ؎

مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

مطلب یہ ہے کہ یہ بڑی مشکل سی بات ہے۔ پھر وہ منفعت بخش بنتا ہے۔ اور جب

بوڑھا ہو گیا، رخصت ہونے لگا، مر گیا تو بھی مرتے مرتے لکڑی دے گیا۔ تو اس میں منفعت ہی منفعت ہے۔ مقصد یہ کہ یہ ساری محنت ہے۔ ایک پرندے کو دیکھو تو پوری محنت ہے۔ آپ کے پاس اگر چشم بینا موجود ہو اور آپ کبھی غور کریں تو اس کائنات میں سارے راز ہی راز ہیں۔ پھر جب آپ اتنی باتیں جاننے کے بعد قرآن پاک کی طرف جائیں گے تو آپ کو باطن سمجھ آ جائے گا، مَن کی سمجھ آ جائے گی۔ آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن کا باطن سمجھنے سے پہلے اپنا باطن سمجھو، کائنات کا باطن سمجھو، زندگی کو پہچانو، موت کو پہچانو، اللہ کے امر کو پہچانو اور پھر قرآن پاک کو، جو کہ اللہ کا کلام ہے، غور سے دیکھو۔ پھر آپ میں جب تقویٰ پیدا ہو جائے تو پھر اس کو کسی پڑھنے والے سے یا پڑھانے والے سے پوچھ لو، ورنہ خود بھی غور کرو گے تو سمجھ آ جائے گی۔ کیونکہ اللہ نے آپ کو بنایا، کائنات کو بنایا اور قرآن پاک کو بھیجا۔ تینوں کو بیک وقت غور کر کے پڑھیں گے یعنی کائنات، قرآن اور انسان، تو تینوں ہی ایک ذات کے کام ہیں، اس ذات کا مقصد ہے کہ تینوں آپس میں متعلق ہوں۔ کائنات تمہارے لیے ہے، تم کائنات کے لیے ہو اور تمہارے لیے قرآن کا پیغام ہے۔ کائنات کا ذکر ہے قرآن میں۔ تو کائنات کو سمجھایا گیا ہے قرآن کی رُو سے اور آپ کی زندگی بتائی گئی ہے قرآن کی رُو سے۔ اب ان تینوں کو ملا کے پڑھیں گے تو آپ کو بات سمجھ آ جائے گی۔ تم، کائنات اور قرآن کریم، اب اس میں جو حوالہ ضروری ہے وہ اللہ کے حبیب ﷺ کا ہے، کیونکہ پیغمبر کے بغیر قرآن سمجھ نہیں آ سکتا، اور ان کے بغیر زندگی سمجھ نہیں آ سکتی، پھر کائنات بھی سمجھ نہیں آ سکتی۔ اس لیے اس حوالے سے جب آپ پڑھیں گے تو آپ کو ساری بات سمجھ

آ جائے گی۔ تو قرآن کا باطن سمجھ آنا آسان ہے، مشکل نہیں ہے، پس پہلے اپنا باطن سمجھ لیں۔ اس طرح یہ سوال یوں حل ہو جاتا ہے...... اب اور کوئی سوال۔ بولو...... کچھ پوچھو......

سوال:-

آپ نے یہ جو فرمایا ہے کہ قرآن سمجھنے کے لیے تقویٰ چاہیے تو تقویٰ کیا ہوتا ہے؟

جواب:-

اس میں ابتدائی وضاحت تو ساری ہوگئی ہے ھدی للمتقین الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ وممارزقنھم ینفقون یعنی ہدایت ہے متقی لوگوں کے لیے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو دیا گیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اب جو کچھ دیا گیا ہے وہ کیا ہے؟ پیسہ، آپ کی زندگی، آپ کی استعداد، آپ کی خوبیاں یعنی جو کچھ بھی آپ کے پاس ہے، جسے آپ باعثِ تقویت سمجھ رہے ہیں، جو چیز آپ اپنے لیے حاصل کرنا چاہتے ہیں اُسی چیز کو آپ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا شروع کر دیں تو متقی ہو جائیں گے۔ آپ یہ دیکھیں کہ آپ کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں اور آپ کو کیا کیا چاہیے۔ ایک درویش نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ کتنے عرصے سے مجھے یہ خیال تھا کہ تلی ہوئی مچھلی ملے۔ سال گزر گیا اور پھر کہیں جا کے میری خواہش پوری ہوئی۔ میرے سامنے تلی ہوئی مچھلی پلیٹ میں پڑی ہوئی آ گئی۔ میں لقمہ شروع کرنے لگا تھا تو ایک سائل کی صدا آئی کہ میں بھوکا ہوں۔ میں نے وہ پلیٹ اس کو دے دی۔ سائل

وہ کھا کے چلا گیا اور مجھ پر ایسی کیفیات طاری ہو گئیں کہ مجھے عرفان مل گیا۔ کہ خواہش جو میری اپنے لیے تھی وہ میں نے اللہ کے حکم پر لگا دی۔ وہ جو مچھلی لینے والا تھا اصل میں وہی مچھلی بھیجنے والا تھا۔ بس اتنی سی بات آپ یاد رکھو کہ جو آپ کو چیز دینے والا ہے' لینے والا بھی وہی ہے۔ جس نے پیسے دیے ہیں وہی مانگنے والا ہے۔ بات سمجھ نہیں آئی؟ کہ جس نے آپ کو پیسے دیے ہیں وہ اب کہتا ہے کہ مجھے دے دو' سارے نہیں تو اس میں سے کچھ حصہ دے دو۔ اگر آپ کو یقین ہو کہ دینے والا وہ ہے تو پھر آپ ضرور اللہ کی راہ میں دو گے۔ آپ کو یقین یہ ہے کہ آپ خود کمانے والے ہیں اور یہی بات تقویٰ کے خلاف ہے۔ وہ شخص کبھی متقی نہیں ہو سکتا جو اپنی زندگی کا آپ مالک بن جائے' جو اپنی کمائی کا خود خالق بن جائے' جو اپنی استعداد پر خود قدرت رکھنے لگ جائے کہ میں نے یہ کیا ہے' یہ میں نے حاصل کیا ہے' یہ ہماری انکم ہے' یہ ہمارا گھر ہے' یہ میرا لباس ہے' یہ میری Achievement ہے' یہ ہم لوگ ہیں ...... جو یہ کہتا ہے اسے تقویٰ آ ہی نہیں سکتا۔ جو یہ کہتا ہے کہ یہ اس نے پیسے دیے ہیں' وہی لے جائے' تو وہ متقی ہے۔ یہ آسان سی بات ہے' اس میں تیرا کیا ہے۔ کہ اس نے زندگی دی ہے' وہی لے جائے' زندگی اسی نے دی تھی' وہی واپس لے رہا ہے' اس میں کیا مشکل بات ہے۔ میرا مطلب ہے کہ ہم تو حکم ماننے والے ہیں' اس نے کہا زندہ ہو جا تو ہم زندہ ہو گئے اور اس نے کہا واپس آ جاؤ تو ہم واپس آ گئے۔ اس میں کیا دِقت والی بات ہے۔ وہ اگر کہے کہ دنیا کا چکر لگا آؤ تو ہم چکر لگا آئیں گے اور کہے کہ چکر لگا کے واپس آ جاؤ تو واپس آ جائیں گے۔ اس میں مشکل بات تو نہیں ہے؟ اس نے اگر کہا کہ میلہ دیکھ کے آؤ تو ہم میلے پہ چلے

گئے۔ پھر کہا کہ اب گھر آ جاؤ تو یہ نہ کہنا کہ اب ہم واپس نہیں آتے۔ پھر تو بات غلط ہے۔ جب اس نے میلے پہ بھیجا ہے اور اب واپس بلاتا ہے تو واپس آؤ۔ بس اتنی سی بات ہے کہ آنا جانا جو ہے وہ مشکل نہ ہو۔ فریدالدین عطارؒ دوکان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بڑے مصروف تھے' نسخے اور دوائیاں بنا رہے تھے۔ ایک فقیر آیا اور اس نے کہا دے اللہ کے نام پر۔ انہوں نے کہا صبر کرو۔ کافی دیر گزر گئی تو اس نے پھر سوال کیا۔ انہوں نے کہا ٹھہر جا۔ فقیر کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا کہ تو جو اتنا مصروف ہے تو مرے گا کیسے؟ انہوں نے کہا یہ کون سی بات ہے' جیسے تُو مرے گا۔ فقیر نے کہا ہمارا کیا ہے' پھر اس فقیر نے کلمہ پڑھا' وہیں لیٹ گیا اور مر گیا۔ ان پر یہ اثر ہوا کہ سب کچھ چھوڑ دیا اور جنگل میں کپڑے پھاڑ کے نکل گئے اور پھر شیخ فریدالدین عطارؒ بنے۔ اب آپ کو یہ بات سمجھ نہیں آتی ہے کہ لانے والا اور لے جانے والا ایک ہی ہے' بھیجنے والا اور بلانے والا ایک ہی ہے۔ جس نے جو چیز آپ کو دی ہے وہی لے جا سکتا ہے اور اسے لے جانے کا حق ہے۔ آپ ایک بار اس کو سارا حق دے دو تو پھر آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ جو بھی آپ کے پاس خوبی ہے وہی خوبی اس کے نام لگا دو۔ جب چاہے وہ واپس لے لے۔ اگر وہ آپ کو غریبی میں رکھنا چاہتا ہے تو غریبی آپ کے لیے رحمت ہے اور اگر آپ کو دولت دینا چاہتا ہے تو دولت رحمت ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر اس کا خیال ترک ہو جائے تو پھر تقویٰ نہیں ہوتا اور اس کا خیال ساتھ رہے تو پھر زندگی میں تقویٰ شروع ہو جاتا ہے۔ حاصل اور ایثار جو ہیں یہ دونوں اس کے نام پر ہونے چاہییں۔ یہ بات سمجھ آئی؟ کہ حاصل بھی اس کے نام پر ہو اور ایثار بھی اس کے نام پر ہو۔ آپ نے اگر کسی زمیندار کو دیکھا ہو' یہ جن کی

زمینیں ہوتی ہیں، تو ان کے نام زمین انتقال ہو جاتی ہے۔ اس سے پہلے کس کے نام تھی؟ کسی اور کے نام۔ کبھی آپ ریکارڈ دیکھو تو پتہ چلے گا کہ آج تک اس کے کتنے ہی مالک بدلتے چلے جا رہے ہیں اور اب اس زمیندار کی باری ہے، وہ ہر مالک کو جھٹکا دیتی ہے اور اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔ آج جو اس کے اوپر سواری کر رہا ہے یہ اس کو بھی لپیٹ لے گی، کیونکہ اس کا مالک کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ خود ہی ہر ایک کی مالک ہے۔ تو یہ آپ کی زندگی ہے کہ آپ اپنے آپ کو شہسوار سمجھ رہے ہیں لیکن یہ گھوڑا کسی سوار کو مانتا نہیں ہے، یہ جھٹکا دیتا ہے اور پار کر دیتا ہے، پھر ایک اور کو جھٹکا دیتا ہے اور پار کر دیتا ہے۔ کچھ لوگ تو جنازوں کی شکل میں جا رہے ہیں اور کچھ زندگی کی شکل میں جا رہے ہیں، یہ بھی جنازے ہیں جو چل پھر رہے ہیں، یعنی کچھ دنوں بعد ان کے ساتھ بھی موت کا واقعہ ہو جائے گا۔ اس لیے متقی ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اُسے زندگی اور موت کے درمیان فرق محسوس نہ ہو، متقی ہونے کے لیے ضروری ہے کہ حاصل اور ایثار میں فرق نہ محسوس ہو، متقی ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اسے اللہ کا ہر حکم قبول ہو، یعنی اللہ کا جو حکم اس کے لیے ہے، وہ قابل قبول ہو۔ اس کے تمام حاصل، تمام استعداد اور تمام Achievements اللہ کے نام پر قربان ہوں۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ جو رزق ہم نے دیا اس میں سے خرچ کرنا ہے۔ رزق صرف پیسہ نہیں ہے، اگر اللہ نے شہرت دی ہے تو شہرت اس کے نام پر لگا دو، بینائی دی ہے تو بینائی لگا دو، مال دیا ہے تو مال لگا دو...... یعنی جو کچھ اللہ نے آپ کو عطا کیا ہے وہ اللہ کی راہ میں لگا دو۔ جو کچھ آپ اپنے لیے رکھنا چاہتے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لگا دو، پھر دیکھو کہ آپ کو تقویٰ مل جائے گا۔ تو تقویٰ ملنے کے بعد آپ

کوقرآن کے معانی سمجھ آئیں گے اور پھر قرآن سے ہدایت ملتی ہے۔ تقویٰ کا معنی یہ ہے کہ یہاں رہنے کی خواہش سے زیادہ یہاں سے نکلنے کی خواہش ہو۔ تو آپ کو یہاں رہنے کی جو خواہش ہے اس سے زیادہ یہاں سے نکلنے کی خواہش ہو۔ یہ رہنے کی خواہش ہے کہ جو آپ یہاں مکان وغیرہ بناتے پھرتے ہیں اور جب یہ پتہ چل جائے کہ اس کا انجام کچھ نہیں ہے تو پھر نکلنے کی خواہش کرلو۔ نماز آپ کو ہر دن میں پانچ دفعہ یہاں سے نکلنے کا راستہ بتاتی ہے کہ یہاں سے نکلو، یہاں سے نکلو! جس طرح آپ زندگی میں سے نکل کر مسجد میں چلے جاتے ہیں اسی طرح آپ نے زندگی سے نکل کر آگے چلے جانا ہے۔ اب یہ اس بات کی ٹریننگ ہو رہی ہے کہ یہاں زندگی سے آپ کیسے نکلیں گے۔ تو پھر سارے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ اللہ کریم کے فضل سے اللہ کے محبوب ﷺ کی محبت میں تقویٰ ہوتا ہے، حاصل وہیں سے ہوتا ہے۔ تو متقی جو ہے وہ متقی سے مل کے متقی ہوتا ہے۔ جب کسی متقی سے آپ کی ملاقات ہوگئی تو پھر تقویٰ آپ کو خود بخود مل جائے گا، خود بخود ہی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی مسافر آپ کو پسند آ جائے تو گھر میں رہنا مشکل ہو جائیگا۔ جب مسافر پسند آ گیا تو پھر آپ سفر کی تیاری کریں گے۔ جب آپ کا دوست جا رہا ہوگا تو آپ کیا کریں گے؟ آپ کہیں گے کہ میں بھی ساتھ چلوں گا۔ اس لیے کوئی سفر پہ جانے والا آدمی آپ پر مہربان ہو گیا تو آپ کو بھی ساتھ لے جائے گا۔ اس طرح تقویٰ حاصل ہو جاتا ہے۔ تقویٰ کی بہت تعریفیں کی گئی ہیں اور سب سے بہتر تعریف یہ ہے کہ اپنی زندگی کو اور اپنی موت کو اللہ کی خوشنودی سمجھو اور دونوں کو قبول کرلو، غریبی امیری قبول، حاصل محرومی دونوں قبول، اپنا بیگانہ اس کے نام سے

ہے، دشمنی بھی اس کے نام کی، دوستی بھی اس کے نام کی ...... اس طرح تقویٰ شروع ہو جائے گا۔ تقویٰ کا اور مفہوم یہ ہے کہ کل کا فکر نہ ہو۔ تقویٰ اس آدمی کا ہو گا جس کو کل کا فکر نہ ہو کہ کل کیا کرنا ہے۔ کل کی بات کل کے ساتھ۔ کل کے لیے جو اپنا ناشتہ بچا کے رکھے گا وہ متقی نہیں ہوتا۔ کل بھی اللہ ہے اور آج بھی اللہ ہے، کیا کل اللہ نے کہیں چلے جانا ہے کہ آج سوچتے جائیں۔ جس اللہ نے آج دیا ہے وہ کل بھی خود ہی دیتا رہے گا۔ بس اتنی سی بات کا خیال رکھ لو تو تقویٰ حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہ بات بڑی آسان ہے۔

سوال:-

تقویٰ اور ہدایت میں کیا فرق ہے؟

جواب:-

تقویٰ تو آپ کا ہوتا ہے اور ہدایت آپ کو ملتی ہے، ہدایت اس راستے پر سفر کا نام ہے۔ ہدایت جو ہے وہ اللہ کریم کے دین کی پہچان ہے۔ تقویٰ آپ کی کیفیت کی اصلاح ہے اور ہدایت آپ کے دین کی پہچان ہے۔ انسان متقی پہلے ہوتا ہے اور ہدایت اس کو بعد میں ملے گی۔ قرآن پاک یہی ارشاد فرما رہا ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جو متقی کو ہدایت دی گی۔ لہٰذا متقی بننے کے بعد ہدایت کا سفر شروع ہوتا ہے اور یہ سفر ختم نہیں ہوتا۔ متقی ہونا اس سفر کی شرط ہے۔ تو متقی ہونا جو ہے یہ سکول میں داخلے کا سرٹیفکیٹ ہے اور ہدایت جو ہے یہ چلتی جاتی ہے، یہ ختم نہیں ہوتی۔ اس میں داخل ہونا ضروری ہے۔

اور کوئی سوال ...... بولو...... آپ غور کریں کہ سب لوگ صبح سے شام تک

محنت کرتے ہیں۔ سب محنت کرتے ہیں۔ چیونٹی محنت کرتی ہے' پرندہ محنت کرتا ہے' جھوٹا بھی محنت کرتا ہے اور سچا بھی محنت کرتا ہے' شرابی بھی محنت کرتا ہے' جواری بھی محنت کرتا ہے' بھکاری بھی محنت کرتا ہے' بادشاہ بھی محنت کرتا رہتا ہے' غلام محنت کرتا رہتا ہے' فقیر محنت کرتا ہے.....تو محنت جو ہے یہ آپ کی فطرت اور جبلّت ہے۔ محنت آپ ضرور کریں گے' چاہے گھر کے اندر یا گھر کے باہر۔ بس آپ اس بات پہ غور کریں کہ جو محنت آپ کر رہے ہیں یہ آپ کو کس راستے پہ لے جا رہی ہے۔ محنت کرنے سے آپ بچ نہیں سکتے۔ بلکہ جو نکما آدمی ہوتا ہے وہ سب سے زیادہ محنت کرتا ہے' بے چارے کو وقت گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لیے محنت سے مَفَر نہیں ہے۔ اب محنت آپ کو یا تو گمراہی کی طرف لے جائے گی یا پھر فلاح کی طرف لے جائے گی۔ آپ کو اپنی محنت کا رُخ ہر وقت دریافت کرتے رہنا چاہیے' کہ اب میری محنت کس طرف جا رہی ہے۔ محنت تو آپ ضرور کریں گے' یہ اللہ کریم کا ارشاد ہے' اس سے آپ بچ نہیں سکتے۔ اللہ نے فرمادیا کہ اے انسان تو محنت کے لیے پیدا کیا گیا یا ایھا الانسان انک کادح جب محنت کے لیے پیدا کیا گیا تو وہ محنت کرتا رہے گا' بادشاہ اور فقیر تک سارے محنت کریں گے۔ آپ اپنی محنت کا رخ طے کر لیں' محنت ہی آپ کو عذاب میں مبتلا کرے گی اور محنت ہی آپ کا ثواب بنے گی۔ محنت نے نجات دلانی ہے اور محنت نے عذاب میں گرفتار کرانا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بڑی محنت کر کر کے عذاب میں پھنس جائیں' یعنی محنت بھی کی اور عذاب بھی حاصل کیا۔ مثلاً ایک آدمی کسی بھٹی میں بیٹھا ہوا ہے' لوہا گرم کر رہا ہے' اینگل آئرن بنا رہا ہے' سریا بنا رہا ہے اور لوہے میں سکریپ ملا دیا' ٹین ملا دیا'

ملاوٹ کردی، تو آگ کے پاس بیٹھا بیٹھا سیدھا ہی آگ میں چلا گیا۔ مطلب یہ کہ ملاوٹ کر کے یہاں بھی عذاب میں رہا، دوزخ میں جلا اور آگے بھی دوزخ۔ تو اس نے محنت ہی کرنی تھی، محنت کرنا جو ہے وہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے لیے مصیبت بن جائے۔ ایک آدمی بڑی محنت کرتا تھا، ڈاکا ڈالتا تھا، جنگل سے کوئی مسافر گزرتا تو اُسے روک لیتا تھا، سامان لوٹا اور گھر جا کے کھایا پیا۔ ایک دن ایک درویش وہاں سے گزرے۔ ان کے ہاتھ میں گٹھڑی تھی۔ درویش نے کہا کہ دیکھو گٹھڑی تو میں تمہیں دے دوں گا لیکن یہ بتا کہ یہ سامان تو کیا کرتا ہے۔ اس نے کہا ہم کھاتے پیتے ہیں، ہماری محنت کا یہ طریقہ ہے۔ درویش نے کہا کہ جن لوگوں کے لیے تو یہ کام کر رہا ہے ان سے پوچھ لے کہ اگر تیرے اوپر عذاب آیا تو کیا وہ شامل ہوں گے۔ ڈاکو نے کہا یہ کون سی بات ہے، اور پھر وہ گھر گیا اور ان سے پوچھا۔ تو سب نے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم عذاب میں کبھی بھی شامل نہیں ہو سکتے، اگر تو نے کمائی لا کے دینی ہے تو نیکی کی کمائی لا، اصلاح کی کمائی لا...... وہ واپس آیا تو پھر درویش نے اس کی اصلاح کر دی۔ اس طرح وہ بھی نیک ہو گیا۔ مدعا یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ محنت آپ کو کسی عذاب کی طرف لے جائے۔ بڑی بڑی محنتیں جو ہیں وہ عذاب کی طرف لے جاتی ہیں۔ لوگ محنت کرتے کرتے کال کوٹھڑی تک پہنچ جاتے ہیں۔ تو بڑے بڑے ذہین آدمی وہاں تک چلے جاتے ہیں۔ تو تقویٰ ہونا ضروری ہے تاکہ وہ آپ کی محنت کو اصلاح کی طرف لے جائے۔ کوئی بھی آدمی غلط محنت کے دم سے پھنس جاتا ہے۔ تو آپ بہت خیال کریں۔ آپ اپنی محنتوں کو عذاب سے بچائیں۔ یہ نہ کرنا کہ حرام کے پیسے لا کر بچوں کو کہیں کہ بسم اللہ کر کے کھاؤ۔

اب بچے بسم اللہ کر کے کیا کھائیں۔ اس لیے آپ کو یہ ضرور سوچنا چاہیے کہ اپنی محنتوں کو بچائیں اور اپنے آپ کو بچائیں۔ محنت آپ ضرور کریں گے مگر غلط محنت نہ کی جائے۔ کسی انسان کی غلطی کی وجہ سے اگر آپ نے اس سے نفرت کی تو نفرت کا زہر آپ میں پھیلے گا' اس میں نہیں پھیلے گا۔ غلطی تو وہ انسان کر رہا ہے' جہالت کر رہا ہے' گمراہی کر رہا ہے' جوا کھیل رہا ہے' شراب پی رہا ہے' تو یہ سب وہ خود کر رہا ہے اور آپ نیک آدمی ہیں' اس کی غلطی کی وجہ سے آپ کو اس سے نفرت ہو گئی کہ وہ بہت بُرا آدمی ہے' تو وہ جو نفرت کا زہر ہے وہ آپ میں پھیلے گا۔ اس لیے آپ جب کسی آدمی میں برائی دیکھیں تو اپنے سے بڑے آدمی کے سپرد کرتے ہوئے آپ آزاد ہو جائیں۔ آپ کہو کہ یا اللہ یہ کیا ہو رہا ہے' آپ جانیں اور آپ کا بندہ جانے' ہم تو آزاد ہیں' اس کے لیے میں دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ اس کی اصلاح کر دیں۔ آپ یہ دعا کیا کریں کہ یا اللہ میں نیکی دیکھنا چاہتا ہوں' مجھے بدی نہ دکھا' آپ دعا کیا کرو کہ یا اللہ ہمیں بدی نہ دکھا' ہمیں حادثات نہ دکھا' ہمیں وہ واقعات دکھا جس سے ہم رحمت میں جائیں' ہم تیرے فضل کے نظارے دیکھنا چاہتے ہیں' تیرے نور کے نظارے دیکھنا چاہتے ہیں' جہاں ظلم ہو رہا ہو ہمیں وہاں کے نظارے سے بچا۔ ایک درویش جا رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک اونٹ وزن سے لدا ہوا جا رہا تھا' نیچے کیچڑ تھا' اونٹ کا پاؤں Slip ہوا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اونٹ وہیں گر گیا۔ اُوپر بھار تھا' وزن تھا۔ وہ درویش مصلّٰی بچھا کے وہیں بیٹھ گئے اور کہا کہ یا اللہ تو نے یہ نظارہ مجھے دکھایا کیوں' اگر اس کی ٹانگ توڑنی تھی تو میرے بعد توڑ دیتا' تیرا اپنا اونٹ ہے' میرے سامنے یہ جو ٹانگ ٹوٹی ہے تو میرے

دل میں یہ ٹانگ ٹوٹی پڑی ہے' اب مہربانی کر کے اسے ٹھیک کرتا کہ پھر میں تیرے نام کے سفر پر جاؤں۔ تو اونٹ ٹھیک ہو گیا۔ انہوں نے وہاں شکر ادا کیا اور وہاں سے چلے گئے...... تو آپ بھی دعا مانگو کہ یا اللہ ہمیں ایسے نظارے نہ دکھا جس سے ہمارا احساس مجروح ہو۔ اس کائنات میں نیکی کے نظارے ہیں' بدی کے نظارے ہیں' تاریکیوں کے نظارے ہیں اور روشنی کے نظارے ہیں۔ یا اللہ ہمیں روشن نظارے دکھا' ہمیں نیک انسان دکھا' ہمیں خوش قسمت انسانوں سے ملا' بدقسمت انسانوں سے بچا' ہم جس آدمی کی غلطی اگر دیکھیں تو اس کے خلاف یا کسی اور کے خلاف ہمارے دل میں نفرت پیدا نہ ہو۔ نفرت جس دل میں پیدا ہو رہی ہو تو وہ بدبو ہے۔ یہ حساب لگا لو' کہ وجہ دوسرا آدمی ہے اور بدبو آپ کے پاس ہے۔ آپ کیا بات سمجھے؟ عمل کسی کا ہے' غلطی کسی کی ہے اور بدبو آپ کے گھر میں ہے۔ اس لیے یہ بڑا خیال رکھنا چاہیے کہ غلطی کسی اور کی ہے' وہ جانے اور اس کا کام جانے۔ نفرت پیدا نہیں ہونی چاہیے۔ نفرت سے بچو۔ اسی طرح بیوی پر یا بچوں پر جو غصہ ہے' اس سے بچو۔ غصہ کیوں آتا ہے؟ غصہ اس لیے آتا ہے کہ آپ اس انسان کی تربیت اپنے مزاج میں کرنا چاہتے ہیں حالانکہ ہر انسان اپنا مزاج رکھتا ہے۔ بچے اپنا مزاج رکھتے ہیں۔ اگر بچے کو اختیار ہوتا' اس کے پاس بھی آپ کے برابر طاقت ہوتی تو وہ بھی آپ کے ساتھ یہی عمل کرتا۔ بچوں کو ان کے مزاج کی تعلیم دو۔ اپنے مزاج کی تعلیم دینے سے آپ خود ہی بدمزاج ہو گئے ہیں۔ کیونکہ بچہ دوسرے دور میں پیدا ہوا ہے۔ دو جڑواں بچے' Twins جو ہوتے ہیں اُن کے سیارے بھی بدلے ہوتے ہیں' منٹوں کا فرق ہوتا ہے۔ اس لیے جو بچہ بعد میں پیدا ہوا ہے یعنی جو آپ کا بچہ

ہے اس کے اور ہی زمانے ہیں۔ آپ کے زمانے میں جب آپ پیدا ہوئے تھے تو پتہ نہیں ٹیلی ویژن تھا کہ نہیں تھا۔ یہ بچہ ٹیلی وژن دیکھ کے پیدا ہوگا۔ اس کا مزاج ہی اور ہے اس کے واقعات ہی اور ہیں اس کی زندگی اور ہے اور اس کے تقاضے اور ہیں۔ اس لیے ان بچوں کو اصلاح ضرور کرو مگر غصہ نہ کرنا۔ غصہ جو ہے وہ اپنی ناکامی کا اولین اعلان ہے۔ یاد رکھنا میری بات! استاد اگر طالب علموں پر غصہ نکالنا شروع کر دے تو سمجھو کہ وہ اپنی نااہلی کا اعلان کر رہا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ استاد کا دماغ اسے نہیں سمجھا سکتا' احساس نہیں سمجھا سکتا' تو اب وہ ہاتھوں سے سمجھانے لگ گیا۔ مقصد یہ کہ استاد نے شاگرد کو ذہن سے سمجھانا تھا اور علم کی رُو سے سمجھانا تھا۔ جب علم کی رُو سے نہیں سمجھا سکا تو اب ہاتھوں سے کیا سمجھا رہا ہے۔ تو یہ اس کی اپنی ناکامی کا ثبوت ہے۔ اس لیے غصہ کرنے والا اپنی ناکامی کا اعلان کرتا ہے کہ میں بے بس ہوگیا ہوں۔ تو بے بس معلم غصے میں آتا ہے اور بے بس استاد جو ہے وہ غصے میں آئے گا' بے بس والدین جو ہیں وہ غصہ کریں گے۔ جب وہ بچوں کی تعلیم کے مطابق اصلاح نہیں کر سکتے تو پھر غصہ کرتے ہیں۔ اٹھا کے کوئی چیز اُن پہ دے مارتے ہیں۔ مقصد یہ کہ غصہ جب کبھی آئے تو یاد رکھنا کہ آپ کی اصلاح میں ابھی بڑا وقت ہے۔ جب اصلاح ہو جائے گی تو پہلی چیز جو آپ اٹھا کے باہر پھینکیں گے وہ غصہ ہے۔ یعنی کہ پھر آپ نے اپنے باطن کے دفتر سے پہلے نفرت باہر پھینک دی کہ نفرت بدبو ہے۔ نفرت انسان کے ساتھ ہوتی ہے' اس کی غلطی کے ساتھ ہوتی ہے۔ تو غلطی کسی اور کی اور بدبو آپ کے اندر کیوں ہو۔ تو نفرت اٹھا کے پھینک دیں۔ دوسری بات یہ کہ نفرت اس لیے نہیں کرنی کہ وہ شخص تیرے خالق کا عمل

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ہے۔ تو خالق کی عبادت کرتا ہے اور اُسے خالق نے پیدا کیا ہے' اس کو نقص دے کے پیدا کیا۔ اور آپ اگر نقص سے نفرت کر رہے ہیں تو آپ تخلیق پر نقص نکال رہے ہیں۔ اور یہ بہت بُری بات ہے۔ لہٰذا نفرت کرنے والا ایک تو بدبُو میں ہے اور پھر وہ اللہ کی تخلیق سے باغی ہے۔ اور اللہ کی تخلیق سے باغی ہونے والا انسان درویش نہیں ہو سکتا۔ بات سمجھ آئی؟ تو غصہ کرنے والا جو ہے وہ اپنی اہلیت کی ناکامی کا اعلان کر رہا ہے کہ میری اندر اہلیت نہیں ہے۔ اس لیے درویش آدمی جو ہے اپنی درویشی کی ابتداء غصے سے توبہ کرنے سے کرتا ہے' نفرت سے توبہ کرتا ہے اور دوسروں کو ان کی خوبیوں اور خامیوں سمیت معاف کرتا رہتا ہے۔ پھر اس کا سفر جاری رہتا ہے۔ جس طرح ماں اپنے چھوٹے' معصوم بچے کی تمام حماقتیں نظر انداز کرتی ہے' اپنی محبت جاری رکھتی ہے اسی طرح آپ اپنی محبت جاری رکھیں۔ درویش کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سے کوئی ایسی چیز لینا' ایسی طاقت لینا جس کو محبت کے ذریعے سب میں بانٹ سکے۔ اگر آپ کے اندر محبت نہ ہو تو اللہ آپ کو طاقت کیسے دے گا۔ مثلاً اللہ کہے گا کہ یہ لے میٹھے چاول اور اس میں سے اپنے مخالف کو بھی دے آ۔ تو آپ کہیں گے کہ اُسے میں کبھی نہ دوں گا۔ اب اگر اللہ اس کو دینا چاہے تو آپ بھی اس کو دیں۔ جب حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا وصال شریف قریب تھا تو رات کا وقت تھا۔ امیر خسروؒ مہم پہ گئے ہوئے تھے۔ آپ نے رات کی تنہائی میں انہیں یاد کیا کہ ''امیر ہے؟'' امیر خسروؒ ان کے محبوب تھے۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ باہر بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا ''امیر تو نہیں ہے' نصیر حاضر ہے''۔ کچھ دیر بعد آپ نے پھر پوچھا کہ ''کیا امیر ہے؟''

انہوں کہا ''غلام' نصیر حاضر ہے''۔ تیسری دفعہ پھر پوچھا تو پھر وہی جواب آیا۔ تو آپ بولے ''نظام چاہے امیر کو' اللہ چاہے نصیر کو' تو میں کیا کروں؟'' پھر انہوں نے خلافت حضرت نصیر الدین چراغ ؒ کو دے دی اور ساتھ ہی یہ اعلان کیا کہ آئندہ میرا اور امیر خسروؒ کا عرس ایک جگہ پر ہوا کرے گا۔ تو آپ نے یہ بتایا کہ محبت کا حق میں رکھتا ہوں اور ودیعت کا حق جو ہے وہ اللہ رکھتا ہے...... تو اللہ کے بندوں کو اللہ کے حکم کے مطابق Deal کرنا ہے۔ تو تقویٰ والا نفرت سے توبہ کر لیتا ہے' غصے سے توبہ کر لیتا ہے اور حاصل اور محرومی کو برابر سمجھتا ہے' پیسے سے محبت جو ہے وہ شرک کا ایک بڑا حصہ ہے' طاقت ور حصہ ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ پیسے سے محبت تقریباً خدا سے محبت کے برابر ہو جاتی ہے۔ پھر وہ سمجھتا ہے کہ پیسہ میرے کام کرتا ہے' یہ کارساز ہے' پیسہ ہی عزت کا ذریعہ ہے...... یعنی جو کچھ اللہ سے تقاضا کرنا ہوتا ہے وہ آپ پیسے سے پورا کرتے ہیں' پھر وہ سمجھتا ہے کہ پیسہ عزت بھی ہے' ذلت بھی ہے' شہرت بھی ہے' سماج بھی ہے' سیاست بھی ہے' ضرورت بھی ہے' کارساز بھی ہے۔ حالانکہ یہ عین شرک ہے۔ سب عزت اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے۔ پیسے سے محبت نہ کرنا' بالکل محبت نہ کرنا۔ فقیر کے لیے ضروری ہے کہ وہ پیسے کی گنتی بھی نہ کرے' پیسے سے محبت نہ کرے' غصہ نہ کرے' نفرت نہ کرے اور کسی انسان کا کسی انسان کے سامنے گلہ نہ کرے۔ گلہ کرنا ایسے ہے کہ آپ ایک اینٹ اٹھا کے پھر رہے ہیں جو جا کے کسی کے سر پہ دے مارنی ہے۔ گلہ کرنے سے آپ اپنی عبادت کا کچھ حصہ اس آدمی کے نام لگا دیتے ہیں جس کا آپ گلہ کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح غیبت بالکل نہ کرو۔ اللہ کریم کا ارشاد ہے کہ غیبت اس طرح ہے جیسے اپنے مردہ بھائی کا

گوشت کھانا۔ یعنی پہلے تو بھائی مرے اور پھر تُو اس کا گوشت کھائے...... اس لیے غیبت نہ کرو۔ اپنے حقوق ادا کرو۔ باقی تو ساری رحمتیں ہیں۔ زندگی میں سے اگر آپ یوں گزریں تو آپ کے بہت سارے راستے آسان ہو جائیں گے۔ یہ ابتدائی باتیں ہیں اور بہت ہی سمجھنے والی باتیں ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرتا ہے۔ آپ ایک دوسرے کے حق میں دعا کریں۔ ماں باپ زندہ ہوں تو ان کی خدمت کریں۔

اب آپ دعا کریں.....

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ ونور عرشہٖ افضل الانبیاء والمرسلین سیدنا وسندنا وحبیبنا شفیعنا محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین ۔آمین ...... برحمتک یاارحم الراحمین۔

1 دعا کریں کہ جو لوگ جیت کر آئے ہیں وہ ملک کے لیے اور اسلام کے لیے کام کریں۔

2 بعض اوقات کئی گمراہ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا پیر بھی اس وقت دنیا میں موجود ہوتا ہے......

3 کیا زلزلے سے یہ مراد ہوتا ہے کہ کوئی تبدیلی آنے والی ہے؟

4 میرا سوال یہ ہے کہ ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے یا ہوگا اس سب کا پوچھنے والا کوئی تو ہونا چاہیے' تو وہ کون ہو سکتا ہے؟

5 اس قوم کے بدکردار والوں سے یا نیک کردار والوں سے جو غلطیاں ہوتی ہیں اُن کا حساب پوچھنے والا کیسا آدمی ہونا چاہیے؟

6 سب کہتے ہیں کہ افواہوں پہ توجہ نہ دیں لیکن کچھ افواہوں سے الیکشن پہ بہت اثر پڑا ہے۔

7 ٹی وی پر ملک کے بارے میں عام لوگوں کی رائے دکھا دیتے ہیں مگر سنجیدہ لوگوں سے کچھ نہیں پوچھا جاتا۔

8 آدھے لوگ کہتے ہیں کہ ایڈ لے لینی چاہیے آدھے کہتے ہیں کہ نہیں لینی چاہیے۔

9 سر! میرا سوال یہ ہے کہ یہ جو ظاہری تبدیلیاں آتی ہیں کیا اس میں اَن دیکھی طاقتوں کا کوئی ہاتھ ہے؟

10 یہ جو اللہ کے مقرب لوگ ہیں ان کو یہ ڈیوٹی کیوں نہیں مل رہی؟

11 جو ہماری سمجھ میں بہتر ہو کیا وہ کر لیا کریں؟

آج محفل شروع کرنے سے پہلے ملکی حالات پر باتیں کرلیں۔ لوگوں نے بڑی محنتیں کی ہیں۔ ایک لیڈر نے بیان دیا تھا حضور پاک ﷺ کے حوالے سے اور پھر اُسے سیٹ نہیں ملی۔ پھر یہ کیا تھا؟ اس سے کوئی غلطی ہوگئی، غلط بیانی ہوگئی۔ یہ جو موجودہ ۱۹۹۰ء کے الیکشن کا واقعہ ہوا ہے یہ بہت سارے اور واقعات کا پیش خیمہ ہے۔ یہ تو سب اخبار میں آجاتا ہے کہ یہ واقعہ ہوا، الیکشن ہوگیا مگر الیکشن میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل ہوتے ہیں جو سیاست میں شامل نہیں ہیں۔ مثلاً رزلٹ اناؤنس کرنے والے سیاست میں نہیں ہیں مگر الیکشن میں شامل ہیں۔ اسی طرح اور بے شمار لوگ ہیں۔ جب فیصلہ عوام پر چھوڑا جائے تو لوگ کہیں گے کہ مرکز نے صوبوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ اس بات کی ضرورت بھی نہیں تھی کہ کوئی صوبوں کے اتنا Openly خلاف ہوجاتا۔ یہ نہ کہنا کہ وہ بھی کرتے تھے اور ہم بھی کرتے تھے۔ ایسا نہیں ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ جس کے پاس ہو وہی ذمہ دار ہوتا ہے۔ پچھلے مہینوں میں تو یہ ہوتا رہا کہ اِدھر کے آدمی اُدھر چلے گئے اور اُدھر کے آدمی اِدھر آگئے۔ پھر ہارس ٹریڈنگ شروع ہوگئی اور اُن کو پانچ یا دس کروڑ روپیہ ملا، بے ایمانی کرنے کا۔ ایسا ہوتا رہا ہے ناں؟ جب یہ خبریں آتی تھیں تو جو دانا لوگ تھے یا اللہ کے قریب رہنے والے یا دعا کرنے والے، وہ کہتے تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے، ملک

بدنام ہو رہا ہے۔ اس ملک کے لیے بہت قربانیاں دی گئی ہیں، اب اس میں نظام ٹھیک ہونا چاہیے۔ میں آج اس بات پہ حیران ہوں اور خوش ہوں، اللہ کا شکر ہے کہ کچھ لوگوں نے کہا کہ غلط آدمی کو جانا چاہیے۔ تو اقتدار سے الگ کرنے والی طاقت جو ہے وہ بڑی طاقت ہے۔ دیوار کو دیکھ کر پتہ چل جاتا ہے کہ یہ ٹھہرے گی کہ نہیں، سیمنٹ کو دیکھ کر پتہ چل جاتا ہے۔ آنے والے کا بھی پتہ چل جاتا ہے کہ اس نے کب جانا ہے۔ لیکن جب یہ محسوس ہو کہ موجودہ حکومت قوی ہے اور پھر وہ ختم ہو جائے تو یہ اللہ کے کام ہیں۔ ایک گروپ اتنا طاقت ور ہوتا ہے کہ کروڑوں کو اِدھر کر دے اور کروڑوں کو اُدھر کر دے، جو مرضی چاہے کر دے، زمین آسمان کر دے اور پھر ایسا جاتا ہے کہ پتہ نہیں چلتا۔ ایک تو یہ ہوتا ہے کہ وہ جانے کے بعد طاقت میں ذرا کم ہو جائے لیکن وہ ایسا جاتا ہے کہ جیسے تھا ہی نہیں ہے

اتنی خموشی گویا نہیں ہو

اگر ایسا واقعہ ہو جائے تو بڑی عجب بات ہے۔ ایسا واقعہ کہ بولنے والے کو وہ واقعہ چُپ کرا دے۔ تو یہ بڑی بات ہے۔ طاقت والے اگر کمزور ہو جائیں تو یہ بڑی بات ہے، مسافر اگر مقیم ہو جائیں تو یہ بھی بڑی بات ہے۔ یہ سب بڑی بڑی باتیں دیکھنے والوں کے لیے یہ بڑے بڑے واقعات ہیں۔ چند دن پہلے جو لوگ بڑے کمزور تھے، خطرے میں تھے، پھر ایسا واقعہ ہوا کہ ان کے حالات ٹھیک ہو گئے۔ تو ایسے ایسے واقعات دیکھنے میں آتے ہیں۔ ایک بڑا چوہدری ایک فقیر کے آستانے پر گیا اور بابا جی سے کہا کہ میری سیٹ تو گئی۔ بابا جی نے کہا کہ نہیں جاتی۔ اس نے دوبارہ کہا کہ وہ تو چلی گئی۔ پھر بڑا رویا۔ بابا جی نے کہا کہ تجھے سیٹ مل جائے گی۔ پھر وہ بڑی

اکثریت سے جیت گیا۔ اس طرح کے واقعات قابل غور ہیں۔ ایک اور بڑا اہم واقعہ ہے کہ کئی لیڈر رہ گئے، ہار گئے۔ کئی شرارتی لوگ پیچھے رہ گئے، وہ جو جوڑ توڑ کرنے والے تھے۔ اچھا ہوا، شور شرابہ بند ہو گیا۔ اس طرح بے شمار واقعات ہوئے ہیں۔ ایسا لگ رہا ہے کہ حالات ابھی خطرناک ہونے والے ہیں۔ جو مقدمے درج ہیں یا درج ہونے والے ہیں وہ خطرناک ہیں۔ اگر کسی طریقے سے جرم ثابت ہو گیا تو پھر یہ Treason ہے، ملک سے غداری ہے۔ غداری کی سزا موت ہوتی ہے ناں؟ پچھلے لیڈر کا قصور ڈھونڈ کے رکھا کرو تاکہ آئندہ جو لیڈر ہو اُسے بتا دیا جائے کہ ایسا کام نہ کرنا۔ لیڈر اگر اپنے غلط ساتھی کو نہ روکے تو اس کی سزا بھی لیڈر کو مل جائے گی۔ اس وقت وہ ملک کا خیال نہیں کرتے، ایسا کرتے ہیں جیسے ملک فتح کر لیا ہو، شریعت کے خلاف بولتے ہیں اور اسلام کے خلاف بولتے ہیں۔ جس مقصد کے لیے ملک بنا تھا اس کے خلاف کام ہوا ہے، اس کے لیے کچھ نہیں ہوا۔ غریب عوام کے لیے بھی کچھ نہیں کیا گیا۔ قانون سازی بھی تقریباً زیرو ہے۔ میرے پاس کئی لوگوں کے فون آئے، ہارنے والوں نے سہارا ڈھونڈا اور جیتنے والوں نے غرور کیا۔

اب آپ لوگ سوال پوچھیں۔

سوال:-

دعا کریں کہ جو لوگ جیت کر آئے ہیں وہ ملک کے لیے اور اسلام کے لیے کام کریں۔

جواب:-

ملک کے لیے اور اسلام کے لیے صرف وحدت ہی مفید ہے اور افراد مفید نہیں ہوتے۔ اگر یہ سارے اکٹھے ہو کے کوئی فیصلہ کر لیں تو پھر سارے ہی مفید ہیں۔ قانون ہمارا بنا ہوا ہے' منزل متعین ہے یعنی اسلام۔ اللہ تعالیٰ نے سب بیان کر دیا کہ کیا تیرا اور کیا میرا' لین دین' حساب کتاب' اپنا حق لے لو اور دوسرے کا حق دے دو' کسی کے پاس ضرورت سے زیادہ پیسہ رکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے' ضرورت سے زیادہ رکھو گے تو پکڑے جاؤ گے۔ آپ کے پاس جو ضرورت سے زیادہ ہے وہ دوسرے کی ضرورت ہے۔ تو اُسے دے دو۔ ساری معیشت ٹھیک ہو جائے گی۔ اللہ نے حکم دے دیا ہے کہ جو پیسہ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہے یہ مت رکھو۔ یہ کس کو دو گے؟ ضرورت مند کو۔ پھر نہ کوئی ضرورت مند رہ جائے گا اور نہ فالتو پیسہ رہ جائے گا۔ پھر معاشرہ درست ہو جائے گا۔ اس طرح لوگ ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ سیاست والے لوگ بھی ٹھیک ہو سکتے ہیں' مخلصین ہوں تو۔ جو آدمی مسلمانوں پر حکومت کرنا چاہے گا وہ مارا جائے گا اور جو خدمت کرنا چاہے گا وہ بچ جائے گا۔ جو اقتدار کا بھوکا ہو گا وہ مارا جائے گا۔ اب سخت وقت آ گیا ہے۔ اگر اقتدار پہ جھگڑا ہو تو یہ سب برباد ہو جائیں گے۔ یہ ہمارے کیا لگتے ہیں' ہمیں تو پاکستان سے غرض ہے۔ اگر وہ کہیں گے کہ پرائم منسٹر کون بنے تو کہو کہ سارے ہی بن جاؤ۔ مگر سارے نہیں بن سکتے' صرف ایک ہی بنے گا۔ کون بنے گا؟ یہ نہ کہنا کہ جس نے زیادہ خرچہ کیا ہے وہ بن جائے۔ پرائم منسٹر خرچے سے نہیں بنتے بلکہ دماغ کے ساتھ اور عقل کے ساتھ بنتے ہیں۔ عقل مند کون ہے؟ یعنی کہ ان لوگوں میں

عقل مند کون ہے۔ آپ کہیں گے کہ اگر عقل مند ہوتا تو پھر الیکشن کیوں لڑتا۔ پھر پرائم منسٹر کون بنے گا؟ ایسا نہ بنانا کہ ملک پسماندہ ہو جائے۔ اگر کسی اور کو بنایا تو خرچہ کرنے والا کہے گا کہ میں نے تو اتنا خرچہ کیا ہے...... تو کسی نہ کسی کو تو بننا ہے۔ اگر یہ کہیں کہ باری باری بن جاؤ تو باری باری تو پرائم منسٹر نہیں بنا کرتے۔ تو یہ ان کا مسئلہ ہے۔ جس کو بنانا چاہیے اُسے کوئی نہیں بنائے گا۔ اب یہ دِقت ہے اس میں۔ اصل بات یہ ہے کہ ملک میں کام کرو اور وزیر بننے کی کوشش نہ کرو۔ جنہوں نے آپس میں معاہدے کیے ہوئے ہیں وہ پورے نہیں ہو سکتے۔ معاہدے انہوں نے اس لیے کیے تھے کہ اُس حکومت سے مل کے جان چھڑاؤ' اب اس سے جان چھوٹ گئی ہے مگر معاہدے پورے نہیں ہو سکتے۔ ہر ایک نے بیک وقت سب سے معاہدہ کیا ہوا ہے۔ اب سارے تو پرائم منسٹر نہیں بن سکتے۔ تو یہ دِقت ہوئی پڑی ہے۔ بہر حال ملک میں انشاء اللہ تعالیٰ کوئی فارمولا بن جائے گا۔ پھر بہتر شکل نکل آئے گی۔ آپ سب لوگ دعا کرتے رہا کریں۔ اللہ تعالیٰ ملک کو سلامت رکھے اور بہتر شکل پیدا ہو جائے۔ انشاء اللہ بہتر ہو گا۔ ایک بات یاد آ رہی ہے کہ افسوس ہے اس بڑھیا پر جس نے ساری عمر باریک سوت کاتا اور آخر میں اُسے اُلجھا دیا۔ کئی لوگ باریک سوت کاتتے رہے' تصوف کرتے رہے' روحانیت کرتے رہے' شب بیداریاں کرتے رہے' بڑے بڑے ذکر اذکار کراتے رہے لیکن اندر سے وہ بات نہیں تھی۔ لہٰذا ایسی جگہ پہ غلطی کر گئے جہاں پہ نہیں کرنی چاہیے تھی۔ اللہ کے ساتھ تھوڑی بہت بے تکلفی کر لو تو اللہ مائنڈ نہیں کرتا' اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے پاس آتا ہے تو آپ سن لو۔ اللہ مائنڈ نہیں کرتا کیونکہ وہ آتا بھی ہے اور جاتا بھی۔

لیکن جب حضور پاکؐ کے نام سے کوئی بے تکلفی کرو گے تو گستاخی میں مارے جاؤ گے۔

؎ باخدا دیوانہ شو وبا مصطفیؐ ہوشیار باش

یہ کہنا کہ حضور پاکؐ نے یہ فرمایا کہ میں تمہارے پاس رہوں گا، تم میرے رہنے کا انتظام کرو، واپسی کا کرایہ بھی۔ استغفر اللہ۔ یہ تو اس بندے کی مت ماری گئی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ یہ تو یہاں پر بھی رجال الغیب آتے ہیں، جو زندہ انسان ہیں۔ اگر کوئی بندہ یہاں پر کھڑا ہو، باہر سے آواز دے، سلام کرے تو وعلیکم السلام۔ پھر میں اسے بھیج دوں۔ آپ پوچھیں کہ یہ کون تھا تو میں کہوں گا کہ یہ بندہ مصر سے آیا تھا۔ کب آیا تھا؟ ابھی آیا ہے اور ابھی واپس چلا گیا۔ تو یہ ممکن ہے۔ کیا چیز ممکن ہے؟ کہ عین اسی وقت میں ایک بندہ مصر سے آئے، آپ سے بات کرے اور واپس چلا جائے۔ تو یہ ممکن ہے۔ ایسے لوگ اب بھی موجود ہیں جو ہوائی جہاز کے بغیر سفر کرتے ہیں اور جب چاہیں جہاں چاہیں وہ جا سکتے ہیں۔ ان کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ یہ اللہ کے بندے ہوتے ہیں۔ ان کو آپ حج کے دنوں میں حج کی جگہ پر دیکھتے ہیں۔ ہوتے یہاں ہیں اور نظر وہاں پر آتے رہتے ہیں۔ تو یہ ممکن ہے۔ حضور پاکؐ کے بارے میں خواب کے مشاہدے کے رُو سے یہ کہنا کہ انہوں نے ٹکٹ طلب کیا تو یہ بندہ کہیں گڑبڑ کر گیا ہے۔ اس بندے کے لیے سارے انا للہ پڑھیں۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ نیکی بھی بغیر اجازت کے نہیں کرنی چاہیے، حالانکہ وہ نیکی ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ آج کل تہجد پڑھ رہا ہے۔ تو ایسی تہجد نہ ہی پڑھو جب تک کوئی بتانے والا نہ بتائے کہ آپ کو پڑھنی چاہیے۔ پڑھتے پڑھتے کہیں تمہارا

دماغ ہی نہ چل جائے، کیونکہ تم ویسے بندے نہیں ہو جیسے تم کام کر رہے ہو۔ اگر دماغ چل گیا تو ایسے کام کر جاؤ گے جس سے بہت پریشانی ہو گی۔ اس لیے بہت لمبی چوڑی عبادت سے پہلے سوچنا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ ایک آدمی صرف پڑھتا جا رہا ہے، پڑھتا جا رہا ہے۔ نیکی کی ترویج بھی حکم سے ہونی چاہیے۔ اللہ کے حکم یا پیر کے حکم کے بغیر نیکی کو پھیلانا نہیں چاہیے۔ اگر کوئی پیر ہو کے یہ کہے کہ ہم الیکشن میں جیتنے والے ہیں اور اگر نہ جیتا تو لوگ کہیں گے کہ یہ سارا فراڈ ہے، روحانیت ہوتی ہی فراڈ ہے۔ اس طرح بڑی پریشانی ہو جائے گی۔ اس طرح اور بڑے بڑے واقعات ہیں۔ وہ جو Loyalty بدلتے رہتے ہیں وہ بہت برے لوگ ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ پہلے یہ اُدھر تھا اور وہ اِدھر تھا، کبھی اس پارٹی میں اور پھر اُس پارٹی میں۔ یہ بھی سارا فراڈ ہے، دھوکا ہے۔ یہ وفاداریاں بدلنے والے ہوتے ہیں۔ دعا کرو کہ ملک کے اندر انتشار پیدا نہ ہو۔ ابھی ملک انتشار سے بچا ہوا ہے، ابھی خطرہ ہے۔ انتشار وہ پھیلاتا ہے جس کے پاس طاقت کی بجائے کمزوری آ رہی ہو۔ اگر ایک چھوٹی سی چیز ہو، مثلاً سائیکل گم ہو جائے تو انسان کو کتنی پریشانی ہو جاتی ہے اور اگر کسی کا اس ملک پر قبضہ گم ہو جائے تو کیا بندہ زندہ رہ سکتا ہے۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ ایک حکم پر کیا کیا ہو جاتا تھا اور اب اگر وہ خط لکھے تو خط رجسٹری نہیں ہوتا۔ بڑا مشکل ہے ناں۔ اگر یہ گرفتار ہو جائیں تو کھانا وہاں تک نہیں جا سکتا۔ کتنا فرق پڑ گیا! پہلے بچے کی آیا انگلینڈ اور فرانس سے آ سکتی تھی اور اب خود دودھ دینا پڑ جاتا ہے۔ تو یہ بڑی معزولی ہے۔ پہلے بہت عزت تھی اور اب بہت معزولی ہے۔ تو اقتدار والوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے، یہ کہیں اکڑ نہ جائیں۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ملک کو سلامت

رکھے اور خیریت سے وقت پاس ہو۔ کہیں گڑبڑ نہ ہو جائے۔

اب سوال کرو...... بات کرو۔ بولو۔

سوال:-

بعض اوقات کئی گمراہ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا پیر بھی اس وقت دنیا میں موجود ہوتا ہے......

جواب:-

ممکن ہو پیر صاحب نے بھی اس کے بارے میں کچھ کہا ہو جو آپ کو پتہ نہ ہوا' اخبار میں نہ آیا ہو۔ ممکن ہے کہ اس میں پیر صاحب کی رنجش کا کوئی واقعہ ہو۔ کسی کی نگرانی میں چلنے والا' بالعموم محفوظ رہتا ہے اور خودسری جو ہے یہ بالعموم تباہی ہوتی ہے۔ خودسر بندہ تباہ ہو جاتا ہے۔ اگر یہ کسی قانون کو Violate کرے تو وہ قانون غلط نہیں ہو جائے گا۔ قانون تو یہی رہے گا' کہ کسی کی اطاعت میں چلتے جاؤ۔ اگر کسی سے اطاعت Violate ہو جاتی ہے تو وہ بندہ ذاتی طور پر ذمہ دار ہوگا۔

سوال:-

کیا ایسے میں دعا کرنی چاہیے؟

جواب:-

دعا ضرور کرنی چاہیے۔ دعا یہ کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کی غلطی کا احساس دلائے۔ اگر غلطی نہیں ہوئی تو لوگوں کو یہ یقین آ جائے کہ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ بعض اوقات مشاہدے کی ریڈنگ غلط ہو جاتی ہے۔ تو بعض اوقات ایسا ہو جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جو شخص روحانیت' عمل' رمل کا کام کرتے ہیں انہیں ابھی تک

سیاست میں آنے کا شوق پیدا نہیں ہوا۔ شاید سیاست میں آنے کا وقت نہیں آیا ہوگا۔ اگر بیان روحانی ہو اور پھر پورا نہ ہو تو پھر اس میں بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔ یہ کہنا کہ مجھے یہ روحانی طور پر بتایا گیا ہے اور ایسا ہوگا' اس میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔ مجھے اس پہ بڑا افسوس ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ جب کسی پیر صاحب کے ساتھ رابطہ ہو جائے تو مشاہدہ اسی کے حوالے سے بیان ہوتا ہے۔ مشاہدے کو کسی سے مَت بیان کرو۔ مشاہدے کے بیان میں کوئی گڑ بڑ ہو سکتی ہے۔ تو ایسا واقعہ بیان نہیں ہونا چاہیے جس میں حضور پاکؐ کا نام ہو۔ اگر بیان ہو گیا ہے تو پھر وہ شخص وضاحت کرے کہ ایسا کیوں ہے اور نتیجہ غلط کیوں ہے۔

سوال:-

کیا زلزلے سے یہ مراد ہوتا ہے کہ کوئی تبدیلی آنے والی ہے؟

جواب:-

زلزلے کا اس بات سے تعلق ہے۔ زلزلہ عام طور پر ایک دور کے ٹرن کی اطلاع ہوتا ہے یعنی کہ وہ دور بدل رہا ہے۔ اگر بادل بہت زیادہ گرجنے لگ جائیں تو سمجھو کہ دور بدل رہا ہے۔ یہ سب Changes ہیں۔ جب اوپر سے حالات بدل جائیں تو زمین کے اندر بھی کوئی نہ کوئی تبدیلی آنی شروع ہو جاتی ہے۔ زلزلہ اگر وسیع ہو' Spread ہوا ہو تو یہ Indication ہے کہ Something serious is about to happen کہ عن قریب کچھ سیریس واقعہ ہونے والا ہے...... ایک بات کا تو اب پتہ چل گیا ہے کہ آپ لوگوں کی زندگی جو ہے وہ سیاست سے علاوہ نہیں ہو سکتی۔ اس لیے آپ کو سیاسی شعور ہونا چاہیے۔ ہر آدمی اخبار ضرور پڑھے کہ ملک

میں کیا ہو رہا ہے۔ یہ نہ کہنا کہ ہمیں پتہ نہیں کہ اخبار میں کیا ہے۔ تو یہ جاننا چاہیے کہ کیا ہو رہا ہے' یا یہ کہ کیا ہونے والا ہے' اپنا Opinion ضرور بنایا کرو کہ کیا ہو رہا ہے اور آپ کی کیا ڈیوٹی ہے۔ ایسے نہ خبریں پھیلایا کرو۔ یہ جانا کرو کہ کون آدمی ملک کے لیے Sincere ہے' ملک میں کیا ہونا چاہیے' بات کیسے ہونی چاہیے' اپنے آپ کو زندہ باد' مردہ باد سے آگے نکال لو۔ پہلے والے اگر اچھے نہیں تھے اور اب والے بھی اچھے نہیں ہیں تو یہ سوچو کہ اس کا حل کیا ہے؟ یہ باری باری جائیں گے۔ پھر کوئی اچھا سا آدمی' مخلص آدمی آ جائے' پانچ سات ہزار آدمی اِدھر کر دے اور پانچ سات ہزار آدمی اُدھر کر دے' تین چار لاکھ کو ویسے ہی فارغ کر دے' صاف ستھری کہانی بن جائے گی۔ زیادہ سے زیادہ پچاس ساٹھ ہزار بندہ چاہیے۔ آپ یہ دیکھو کہ اللہ کی طرف سے کیا ہوتا ہے۔ اللہ کی شان دیکھو کہ جو فائز ہے وہ معزول کیسے ہو جاتا ہے یعنی جو لوگ کرسیوں پہ بیٹھے ہوتے ہیں وہ معزول کیسے ہوتے ہیں۔ بس اللہ کی یہ شان دیکھتے جاؤ۔ وہ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلت دے دے توتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وہ مالک ہے' جسے چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہے ملک ہٹا دیتا ہے۔ ابھی یہ فیصلہ نہیں ہوا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ یہ دیکھو کہ ہٹانے والا ہٹا رہا ہے' لانے والا لا رہا ہے۔ حکمرانوں کا سفر بڑا مشکل ہے۔ بہر حال یہ دیکھو کہ ملک میں کتنے عرصے سے پریشانی ہے۔ سکندر مرزا سے یہ واقعہ شروع ہوا ہے۔ کوئی بندہ Sincere آیا ہی نہیں۔ لیاقت علی خان کے بعد کوئی بندہ ایسا آیا نہیں جسے ساری قوم قبول کرے۔ تو ایسا نہیں ہوا۔ بھٹو کا زمانہ آیا تھا کہ وہ قبول ہوا لیکن اس کی پلاننگ غلط ہو گئی' اس نے

نوٹ ہی نہیں کیا کہ اس قوم کا مزاج کیا ہے' اسلام کو آگے رکھنا چاہیے تھا اور اس کے مطابق کام کرنا چاہیے تھا۔ کام بھی نہیں کیا اس نے۔ اسلام والوں نے اسلام نافذ نہیں کیا' سوشلزم والوں نے سوشلزم نافذ نہیں کیا' کسی نے کچھ نہیں کیا۔ آپ لوگوں نے بھی کیا کیا۔ اللہ آپ ہی سب کرے گا۔ آپ بس یہ دیکھو کہ اللہ جس کو چاہے جیسے چاہے عزت دے دے اور وہ جب چاہے دی ہوئی چیز کو واپس لے لے۔ انسان کچھ نہیں کرسکتا۔ الیکشن سے پہلے مبصرین کو بھی پتہ نہیں ہوتا کہ کس کو کتنی سیٹیں ملیں گی۔

سوال:-

میرا سوال یہ ہے کہ ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے یا ہوگا اس سب کا پوچھنے والا کوئی تو ہونا چاہیے' تو وہ کون ہوسکتا ہے؟

جواب:-

آپ کا کیا مطلب ہے؟

سوال:-

اس قوم کے بدکردار والوں سے یا نیک کردار والوں سے جو غلطیاں ہوتی ہیں ان کا حساب پوچھنے والا کیسا آدمی ہونا چاہیے؟

جواب:-

کس حوالے سے؟

سوال:-

جو ہماری حقیقی بیک گراؤنڈ ہے۔

جواب:-

بیک گراؤنڈ والا تو آیا نہیں ۔ بیک گراؤنڈ تو کربلا تک پہنچ جائے گی۔
بیک گراؤنڈ والے سے مراد یہ ہے کہ جو صاحبِ اختیار بھی ہو اور صاحبِ عقل بھی ہو۔ ایسا تو کوئی نہیں ہوا۔

سوال:-

سب کہتے ہیں کہ افواہوں پہ توجہ نہ دیں لیکن کچھ افواہوں سے الیکشن پہ بہت اثر پڑا ہے۔

جواب:-

یہی تو آپ کے الیکشن کا پراسیس ہے۔ الیکشن تو ہے ہی آپ کا ایسا۔

سوال:-

ٹی وی پر ملک کے بارے میں عام لوگوں کی رائے دکھا دیتے ہیں مگر سنجیدہ لوگوں سے کچھ نہیں پوچھا جاتا۔

جواب:-

اگر کسی سنجیدہ آدمی سے پوچھ بھی لیا گیا تو اس کی بات کون سی معتبر ہے۔ وہ تو صرف پروگرام ہے۔

سوال:-

وہ تو حکومت کے فورم سے ہوا ہے اور سارے ملک میں نشر ہوا۔

جواب:-

نہیں ایسا نہیں ہے۔ نشر کرنا تو ٹھیک ہے مگر اس میں یہ بتایا گیا کہ کچھ لوگ

یہ کہتے ہیں۔ مثلاً کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ملک اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا ہے۔ تو کیا ایسا نہیں ہے؟ یہ گورنمنٹ نے نہیں کہا ہے۔

سوال :-

گورنمنٹ کو یہ کرنا چاہیے کہ دس بیس دانشور اکٹھے کر کے یہ پروگرام کروائے۔

جواب :-

آپ یہ بات کہاں کہیں گے؟ یہ جو بات کہہ رہے ہیں یہ گورنمنٹ کو کس طرح بتائیں گے؟ تو حکومت کے ساتھ آپ یہ جو بات کرنا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کا کوئی انتظام ہونا چاہیے، تو یہ بات کیسے کہیں گے؟

سوال :-

جس طرح ہم روز گفتگو کرتے ہیں اسی طرح کہہ دیں گے۔

جواب :-

میں یہ کہتا ہوں کہ آپ بات کو صحیح طریقے سے کہیں اور اسے Relevant جگہ پر کہیں۔ یہ Change ہونی چاہیے عوام میں۔ یعنی جو بات حکومت سے کہنی ہے وہ اس خاص ادارے کو کہیں کہ ایسا ہونا چاہیے۔

سوال :-

فی الحال تو میں یہ کرتا ہوں کہ دوستوں میں یہ بات کہتا ہوں۔

جواب :-

وہ آپ کا ذاتی Opinion ہے اور اسے ہم مائنڈ نہیں کرتے۔ ذاتی

کوئی مائنڈ نہیں کرتا۔ کچھ لوگوں کا ذاتی Opinion ہے کہ امریکہ سے ایڈ Opinion نہ لو اور کچھ لوگوں کا Opinion ہے کہ ایڈ لے لو' کچھ کہتے ہیں کہ یہ جو امریکن ایڈ ہوتی ہے یہ قرضہ' سود ہوتا ہے' اس سے سارا ملک برباد ہو جائے گا' چائنا آزاد ہو گیا ہے' اس نے ایڈ نہیں لی' کوریا نے نہیں لی' سارے لوگ چل رہے ہیں۔ کیا پاکستان نہیں چل سکتا؟ تیل ہمارا ہے۔ تو کیا اسلامی ممالک نہیں چل سکتے؟ پیسہ اِدھر ہے' مَین پاور بھی ہے' پھر کیا یہ ملک چل نہیں سکتے؟ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ ایسا ہے بلکہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ کچھ لوگوں کا خیال ہے۔

سوال:-

یہ تو آدھے لوگ کہتے ہیں کہ ایڈ لے لینی چاہیے اور آدھے کہتے ہیں کہ نہیں۔

جواب:-

یہ آپ کی اس بات کا جواب ہے کہ انہوں نے آدھے لوگوں سے پوچھا کہ کیا کرنا چاہیے؟ انہوں نے کہا کہ امریکن ایڈ نہیں لینی چاہیے۔ یہ انہی گلی محلے کے لوگوں کی بات ہے۔

سوال:-

میں یہ کہتا ہوں کہ جتنے اہم فیصلے ہیں وہ خاص لیڈر شپ سے پوچھے جائیں۔

جواب:-

لیڈر شپ کہاں ہے؟ ایک حکومت معطل ہونے والی ہے اور دوسری بنی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ آپ کا شعبہ نہیں ہے لہٰذا یہ آپ کا کام نہیں ہے۔ اس پہ کام تو ہو رہا ہو گا۔ اگر آپ کام والے نہیں ہیں تو سننے والے ہوں گے۔ اگر سننے والے

ہیں تو پھر سنو اگر اخبار پڑھنے والے ہیں تو پھر اخبار پڑھیں' اگر Opinion کو Form کرنے والے ہیں تو Opinion Form کریں۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ خود ہی Opinion Form کرنے والے بنیں۔ تگڑے ہو جائیں۔ اگر ایک لیڈر نے کوئی بات کہی ہے تو آپ یہ دیکھیں کہ اس نے اتنا Loudly کیوں کہا ہے کہ ہم امریکن ایڈ نہیں لینا چاہتے۔ یہ دیکھو کہ اس نے یہ بات کس سے پوچھ کے کی ہے' کس نے انسے اجازت دی ہے۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں' ایک ایسا فورم ہونا چاہیے' جہاں کھڑے ہو کے بولنے کی اجازت ہو۔ اسے ہائیڈ پارک نہ کہہ دینا۔ سنا ہے وہاں کھڑے ہو کے بادشاہ کو کچھ بھی کہتے ہیں۔ آپ نے کہنا ہے کہ یہاں پہ ہائیڈ پارک بنالو' موچی دروازے کو ہائیڈ پارک کا درجہ دے دو۔ دوسرے ملک ہمارے اندرونی معاملات میں ضرور دخل دیتے ہیں۔ پھر حکمرانوں کو کہنا پڑ جاتا ہے کہ آپ ایڈ تو دیتے ہیں لیکن یہ کیا کہ آپ ہمارے ہاں معاملات میں دخل دیتے ہیں۔ میں اس لیے یہ باتیں کر رہا ہوں تا کہ آپ ذرا سوچو۔ میں نے آپ سب کو خود ہی بولنے کی اجازت دی ہے۔ آپ اس طرح بولو کہ سیاست میں آپ کا مخالف نظریہ رکھنے والا Offend نہ ہو۔ کیونکہ آپ کے اندر یہ امکانات ہیں کہ Offend ہونا اور Offend کرنا یعنی اگلے کو مشتعل کر دیں گے۔ آپ ایک نظریہ ہیں اور پھر اسے بیان کرتے ہیں' بیان کرتے کرتے ایسا بیان بن جاتا ہے کہ دوسرا شخص Offend ہو جاتا ہے۔ اور جب دوسرا شخص بیان کرتا ہے تو آپ Offend ہو جاتے ہیں۔ تو آپ اسے اس طرح بیان کریں کہ افہام و تفہیم پر پہنچ جائیں۔ صرف یہ نہ کہہ دینا کہ فلاں حکمران کو ظالموں نے معزول کر دیا۔ انہوں نے معزول تو کیا ہو گا مگر اس

میں معزول ہونے والے کا بھی کچھ عمل شامل ہوتا ہے۔ انسان Weak کیوں ہوتا ہے؟ جب اس سے کہیں غلطی ہو جائے تو وہ Weak ہو جاتا ہے' ورنہ وہ Weak نہیں ہوتا۔ یہ باتیں آپ خود سوچا کریں۔ آج کا دن میں نے آپ کو سیاست کے لیے دے دیا ہے۔ اس لیے آپ اپنا Opinion بنائیں۔

سوال:-

الیکشن میں کئی جگہ دھاندلی ہوئی ہے......

جواب:-

چھوٹی موٹی دھاندلی تو ہوتی رہتی ہے۔ طاقت ور دھاندلی اچھی چیز نہیں ہے۔ جس طرح اخبار میں آیا تھا کہ ایک لاء منسٹر نے بڑی دھاندلی کرائی۔

سوال:-

اس کو روکنے کا کچھ سسٹم ہونا چاہیے' میرے بھائی نے کہا ہے کہ ہم نے خود دو کاپیاں ڈالی ہیں۔ سارا عملہ ہمارے پاس ٹھہرا تھا۔

جواب:-

میں نے یہ سنا ہے کہ پہلے ڈبہ خالی دکھاتے ہیں' دونوں کو دکھاتے ہیں کہ یہ خالی ڈبہ ہے' دیکھو اسے ہم بند کرنے لگے ہیں۔ پھر بند کر دیتے ہیں۔ دونوں طرف کے لوگ بیٹھے ہوتے ہیں۔ پھر دونوں مہر لگا دیتے ہیں۔ اب کوئی اور وہاں کاپی نہیں ڈال سکتا۔

سوال:-

سسٹم تو ایسا ہے مگر یہ بات کہ ایسا ہوا ضرور ہے۔

جواب:-

ہوا ہوگا۔ یہ معمولی سی بات ہے مثلاً مخالف پارٹی کا ایک پولنگ ایجنٹ ہے اور اسے کوئی دو لاکھ روپے دے دے تو پھر دھاندلی میں کیا مشکل ہے۔ وہ کہے گا کہ میں پانی پینے جا رہا ہوں، تم ووٹ ڈال لو۔ تو اس میں کیا مشکل بات ہے۔ اُسے کہتے ہیں کہ اگر تیری پارٹی جیت گئی تو تجھے کیا ملے گا، تم اپنے بارے میں سوچو۔ اس طرح دو چار کا پیاں ڈال سکتے ہیں۔ بہر حال یہ سب واقعہ غور کرنے والا ہے۔

سوال:-

سر! میرا سوال یہ ہے کہ یہ جو ظاہری تبدیلیاں آتی ہیں کیا اس میں ان دیکھی طاقتوں کا کوئی ہاتھ ہوتا ہے؟

جواب:-

ہاں، یہی تو خوبیٔ تقدیر ہے۔ یہ تو میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ مثلاً ایک آدمی ہے، وہ بیٹھا ہوا ہے ایک ایسے جہاز میں جس نے ٹوٹ جانا ہے۔ موت کے اوپر بیٹھا ہے لیکن مطمئن ہو کے اپنی چائے پی رہا ہے۔ اب آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس کے آخری لمحات اطمینان کے ساتھ گزر رہے ہیں۔ آپ تو جہاز کے باہر کھڑے ہیں اور اسے دیکھ رہے ہیں۔ اور ادھر جو جہاز میں بیٹھا ہے وہ اس جہاز میں بیٹھا ہوا ہے جو Ill-fated ہے، چائے پی رہا ہے، گانا سن رہا ہے، یہ کر رہا ہے، وہ کر رہا ہے اور وہ Happily seated at the seat of death موت کی کرسی پر خوش بیٹھا ہوا ہے۔ اسی طرح ایک آدمی ہے جو زندگی میں کامیاب ہے، زندہ رہے گا لیکن پریشان ہے۔ اب یہ پریشان ہے لائف کے اندر اور وہ مطمئن ہے ڈیتھ کے

اندر۔ یہ دونوں باتیں غیر مرئی ہیں۔ ان دونوں باتوں میں Unseen Power دخل دے رہی ہے۔ یہ بات سمجھ آ رہی ہے؟ ایک آدمی جس پر زندگی کے اندر خوشی اور غم کا جو ٹوٹل پریشر آ رہا ہے یہ Unseen Power کا عندیہ ہوتا ہے' اور اعمال کا نہیں ہوتا۔ انسان پر جو پریشر آ رہا ہے تو اس کے عمل کا وزن Produce نہیں ہو رہا' مثلاً اولاد کی طرف سے پریشر آ گیا۔ اب یہ اعمال کی بات نہیں ہے بلکہ یہ خدا کی طرف سے آ رہی ہے' Unseen Power کی طرف سے ہے۔ اگر ہر طرف سے اطمینان پیدا ہو جائے تو یہ بھی اُدھر سے آتا ہے۔ اگر کسی ملک میں چار کروڑ بندہ ایک دن میں اداس ہو جائے' ان کی پارٹی ہار جائے' وہ ایک دن میں معزول ہو کے ہارٹ ٹربل محسوس کرے تو یہ واقعہ صرف سیاست تو نہیں ہے۔ یعنی کہ اوپر سے جو وزن آ رہا ہے وہ سب پہ ڈالنا ہے۔ بندے بھی بہت زیادہ ہیں' چار کروڑ ہیں' تو غم بھی اتنا ہی آنا چاہیے اور جو مبصرین ہیں وہ بھی پریشان ہوں گے کہ سمجھ نہیں آ رہی کہ بات کیا ہے؟ یہ سب کیسے ہو گیا؟ تو یہ سب Unseen Power کی بات ہے۔ پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ کبھی بیوقوف کو خوش کر دیا گیا اور کبھی دانا کو اداس کر دیا گیا۔ یہ اللہ کے کام ہیں۔ وہ بڑے بڑے نیک انسانوں کو معزولیاں دے دیتا ہے۔ یہ تو بڑا سوال ہے جو آپ نے کیا ہے۔ آپ یہ دیکھیں کہ حضرت امام عالی مقامؑ کے ساتھ وہ واقعہ کیوں ہو گیا۔ وہ امام برحق ہیں' شفاعت کے ساتھ ہیں' مرتبے والے ہیں اور ان کے ساتھ یہ واقعہ کیوں ہوا؟ تو ایسے واقعہ کا ہونا غلطی کی دلیل نہیں ہے' واقعہ' نیک کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور واقعہ' برے کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے' واقعہ جو ہے وہ Promote بھی کرتا ہے اور واقعہ Demote بھی کرتا ہے۔ غم کا آنا عروج

کا باعث بھی ہو سکتا ہے اور زوال کا باعث بھی ہو سکتا ہے۔ جب کوئی حکومت ختم ہو جائے تو کھیل ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ابھی تو کھیل شروع ہوا ہے' ابھی تو واقعہ سٹارٹ ہوا ہے۔ کیسے؟ جس ملک میں کسی حکومت کے لیے چار کروڑ آدمیوں کی مخالفت ہو وہ چین سے کیسے بیٹھے گی۔ یہ بھی دیکھو کہ مخالف متحد ہوتے ہیں' اگر دو گھر ہیں تو زندہ باد اور مردہ باد ساتھ کہیں گے۔ ایسے بھی لوگ ہیں جو اپنی محبت اور اپنی نفرت میں پکے ہیں۔ تو ملک میں زیادہ تر لوگ حکومت کے مخالف ہوتے ہیں۔ یہ جو آپ آپس میں بیٹھے ہیں ان میں سے کئی آپس میں مخالف ہوں گے۔ اقتدار والے کو خوش نہیں ہونا چاہیے۔ عوام کا ایک ایسا ادارہ ہونا چاہیے جو انہیں بتائے کہ تمہیں زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے' اگر ہارنے والے کو منزل نہیں ملی تو تمہیں بھی کون سا ساحل مل گیا۔

مجھے بھی کب ملی منزل تجھے بھی کب ملا ساحل
وفا کیسی جفا کیسی خرد کیسی جنوں کیسا

یہ ان کی غلط فہمی ہو گی یا خوش فہمی ہو گی' ابھی منزل دور ہے' ابھی سفر جاری ہے' راستے میں گرد و غبار ہے۔ ایک وقت میں کتنے ہی لوگ وزیر اعظم بننا چاہتے ہیں' چار چار پانچ پانچ ہو جاتے ہیں۔ تو یہ ہیں Candidates۔ آپ لوگوں کو یہ بات سمجھ آنی چاہیے کہ وہ واقعہ جو غم پیدا کرتا ہے' وہ واقعہ جو خوشی پیدا کرتا ہے' وہ واقعہ جو ملک میں مال تقسیم کرتا ہے' وہ واقعہ جو ملک میں غریبی تقسیم کرتا ہے' ان سب کے ساتھ Invisible hand کا تعلق ضرور ہوتا ہے' اس کے اندر کسی اور طاقت کا دخل ضرور ہوتا ہے۔ لوگ غلطی سے یہ کہتے ہیں کہ وہ طاقت امریکہ ہے یا کوئی اور ہے' اصل

میں وہ طاقت اور ہے۔ وہ خوشیاں دینے والی طاقت ہے، غم دینے والی طاقت ہے، عروج لانے والی طاقت ہے، زوال دینے والی طاقت ہے، یعنی اللہ کی طاقت ہے یا اللہ کی اپنی نشانیوں کی طاقت ہے۔ پاکستان کس نے بنا دیا تھا؟ میں نے پہلے بھی بتایا تھا کہ غلام مسلمانوں نے پاکستان بنا دیا تھا اور آزاد مسلمان اب اسے ہاتھ سے ضائع کرتے ہیں۔ یہ غور کرنے والی بات ہے۔ سیاست دان ایک دوسرے سے جھگڑتے رہتے ہیں، اگر وہ سیاست میں نہ ہوتے تو ایک دوسرے سے اچھی طرح ملتے تو سہی۔ وہ سیاست میں آئے ہیں تو جھگڑا ہوا ہے ورنہ تو ان کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ سارے جہاز جب آ رہے ہیں تو تُو مخالف کا جہاز بھی آنے دے، اُسے پکڑنا ہے تو کسی اور طریقے سے پکڑ لو، مگر جہاز تو آنے دو۔ کسی بات کو اَنا کا مسئلہ نہ بناؤ۔ جہاز وہیں رہ گیا اور With the result کہ یہ خود معزول۔ تو یہ ہیں ساری باتیں۔ ایک شعر ہے، میں نے وہ آپ کو پہلے بھی سنایا ہوا ہے ؎

جے کو رام دِلدّ ردے
پہلے مَت وا کی ہَر لے

یعنی جس کو رام مصیبت دیتا ہے تو مصیبت سے پہلے اس کی مَت مار دیتا ہے۔ انسانوں کی جب مَت ماری جائے تو سمجھو کہ مصیبت آنے والی ہے۔ اقبالؔ نے کہا تھا کہ ؎

وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے
تیری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

مطلب یہ کہ انسان سوچتا نہیں ہے کہ کل کیا ہونے والا ہے۔ تو وہ کہتا ہے کہ آج تو

بڑا خوش ہے اور کل They are ringing the bells, tomorrow they will ring their hands یعنی یہ جو لوگ آج گھنٹیاں بجا رہے ہیں، گھڑیال بجا رہے ہیں، کل کہیں ان کے ہاتھ ہی مجبور نہ ہو جائیں۔ اس لیے یہ بڑا مشکل وقت ہے۔ میں آپ کو اس لیے یہ موقع دے رہا ہوں کہ آپ اسے Read کریں، یہ فتح اور شکست کی بات نہیں ہے بلکہ ابھی تو ایک منزل چلی ہے۔ ایک جگہ ایک درویش بیٹھا ہوا تھا اور دوسروں کے ساتھ چائے پی رہا تھا۔ ایک بندہ کہنے لگا کہ This time there is going to be a great turn یعنی اب کی بار ایک بہت بڑا موڑ آنے والا ہے۔ تو درویش نے کہا کہ This time it will be about turn یعنی اب کی بار کچھ اور ہی ہونے والا ہے، یہ Great turn ہوتے ہوتے کہیں About Turn نہ ہو جائے۔ مطلب یہ کہ جہاں سے چلے تھے وہیں جا پہنچے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ چلتے چلتے کسی اور قافلے میں جا ملو۔ اس لیے پہلے اپنے قدم زمین پر لگاؤ، اللہ کا شکر ادا کرو اور دعا کرو کہ یا اللہ انسانوں کے درمیان نفرت کی دیوار نہ بنے۔ نفرت پیدا ہوئی تو جھگڑا پیدا ہو سکتا ہے۔ دعا یہ کرو کہ ملک میں اندرونی طور پر Cohesion پیدا ہو اور اس میں سلامتی ہو۔ سارے مل کر اگر نیشنل گورنمنٹ بنا لو تو کیا فرق پڑتا ہے۔ تو سارے مل کے قومی حکومت بنا لو۔ آرام سے بات بن جائے گی۔ صلح کر لو اور قومی حکومت بنا لو۔ تاکہ غریب بھی اپنے کام کرتے رہیں، باقی عوام بھی اپنا کام کرتے رہیں اور یہ لوگ بھی اپنا کام کرتے رہیں۔ پھر خزانہ ختم نہیں ہوگا۔ لڑائی کرو گے تو کسی کو کچھ نہیں ملے گا، پھر آدھے آدمی خزانہ لوٹیں گے اور باقی کے آدھے آدمی مقدمہ چلا کے پھانسی لگا دیں گے۔ خزانہ ختم ہو جائے گا اور دونوں مارے

جائیں گے، ایک مر جائیں گے اور دوسرے مارے جائیں گے۔ اس لیے ذرا سوچو، غور کرو۔ دیکھو، کیا بنتا ہے۔ بہر حال ملک میں ترقی ہو گی۔ اب شروع ہو جائے گی۔ خوشحالی کا دور شروع ہو جائے گا۔

سوال:-

یہ جو اللہ کے مقرب لوگ ہیں ان کو یہ ڈیوٹی کیوں نہیں مل رہی؟

جواب:-

ڈیوٹی کا ابھی فیصلہ نہیں ہو رہا۔ ابھی ان کو Interfere کرنے کا حکم نہیں آ رہا۔ یہ جو اللہ کا مقرب ہے وہ اللہ کا ہر فیصلہ مانتا ہے، وہ کہتا ہے کہ ہونے دو۔ تو یہ ہو رہا ہے۔ ورنہ اگر کسی چھوٹے سے درویش کو بھی حکم دے دے تو توبہ توبہ! سب کچھ اِدھر سے اُدھر کر دے، زیر زبر کر دے۔ میں کہتا ہوں کہ دنیا چلانا آسان ہے مگر گھر چلانا مشکل ہے۔ بڑی بڑی پاور والے لوگ موجود ہیں۔ لیکن اجازت کے بغیر تو پاور نہیں ہے۔ اصل میں اجازت کا معنٰی ہی پاور ہے۔ اگر آپ ایک کام کے لیے روزانہ جاتے ہیں اور وہ نہیں ہوتا تو جب اس نے کہہ دیا کہ اب آپ جاؤ تو پھر کام ہو جائے گا۔ تو اجازت ہی سب سے بڑی چیز ہوتی ہے۔ ایک کہانی ہے، اس سے آپ کو بات سمجھ آ جائے گی۔ بڑی ٹیکنیکل کہانی ہے۔ ایک درویش تھا جو پانی پر چل کے آ جا سکتا تھا۔ وہ بڑا مقرب تھا۔ اُسے ایک عام انسان ملا اور پوچھا کہ سنا ہے کہ آپ پانی پر چل سکتے ہیں۔ درویش نے کہا ہاں، اللہ کی مہربانی ہے۔ اس نے کہا پھر چل کے دکھائیں۔ وہ چل کے دریا کے پار چلا گیا اور پھر واپس آ گیا۔ پانی اس کے لیے زمین بن گیا تھا۔ اس آدمی نے کہا کہ یہ کون سی مشکل بات ہے، کہو تو

میں بھی چلوں۔ درویش نے کہا چلو۔ وہ چل کے پار گیا اور پھر واپس آ گیا۔ درویش بڑا پریشان ہوا کہ یہ تو مجھے خاص تحفہ ملا تھا' اجازت ہوئی تھی' پھر میں نے عبادت کی تھی' ایک مدت کے بعد میں پانی پر چل سکا۔ پھر اس سے پوچھا کہ تو کیسے چل پڑا؟ کہتا ہے کہ یہ تو میں نے ابھی سیکھا ہے اور میں نے تم سے پوچھ کے کیا ہے۔ درویش نے کہا وہ کیسے؟ اس شخص نے کہا میں نے تم سے پوچھا کہ کیا میں چلوں تو تم نے کہا کہ چلو...... اجازت ہوگئی اور میں چل پڑا...... جب میں نے کہا تھا کہ یہ مشکل بات نہیں ہے تو یہ میں نے ٹھیک کہا تھا اور پھر میں نے پوچھا کہ کہو تو میں چلوں' تم نے کہا کہ چلو اور میں چل پڑا' مجھے اجازت چاہیے تھی جو مل گئی...... تو ان مقربوں کو بھی اجازت دینے والے کوئی ہوتے ہیں۔ ذرا دیکھو کہ وقت کیا آتا ہے۔ بس غور کرو۔ اب آپ سارے لوگ یہ کرنا کہ جہاں بھی ملک کے حق میں بات ہو وہ کرنا' پارٹی کے حق کی بات نہ کرنا۔ آج کے دن آپ ایک وعدہ کریں کہ جہاں ملک کے حق کی بات ہو وہاں برملا کہہ دینا اور پارٹی کی عقیدتوں سے ذرا آزاد ہو جاؤ۔ ملک کے لیے اور اپنے دین کے لیے' جہاں بھی کوئی بہتر مقام آئے وہاں ضرور بات کیا کرو۔

سوال:-

جو ہماری سمجھ میں بہتر ہو کیا وہ کر لیا کریں؟

جواب:-

ہاں' ٹھیک ہے' جو ٹھیک سمجھ آ جائے۔ پاکستان کے اندر ایک اَن پڑھ اور جاہل آدمی بھی یہ سوچ سکتا ہے کہ ہندوستان کے ساتھ کیا تعلق ہونا چاہیے۔ یہ بات

سب کو ضرور سمجھ آتی ہے۔ اگر یہ کہیں کہ ہندوستان کو کچھ علاقہ دیا جائے تو یہ کوئی نہیں مانے گا۔ اس کے لیے ایک ہی سوچ چاہیے اور زیادہ ٹیکنیکل سوچ نہیں چاہیے۔ جو دل میں بات آتی ہے وہ ٹھیک ہے۔ اس کے پیچھے بڑا خمیر ہے' پرانی سب نمازیں ہیں' صدیوں کے واقعات چلے آ رہے ہیں۔ ہر مسلمان ضرور دل میں یہ خواہش کرتا ہے کہ اسلام کا غلبہ ضرور ساری دنیا پر ہو' حالانکہ خود پر غلبہ نہیں ہوتا' دفتر نہیں جاسکتا' اتنا تھکا ہوتا ہے۔ مگر یہ ضرور کہے گا کہ ورلڈ میں اسلام کا بول بالا ہو' ہم ہر طرف اذانیں دیں گے۔ حالانکہ وہ خود نماز نہیں پڑھتا۔ لیکن خواہش کرتا ہے کہ ہر طرف دین ہی دین ہو جائے۔ یہاں پہ لڑتا ہے' بحث کرتا ہے کہ یہ کیا دین ہے' یہ کوئی دین ہے' پھر یہ کہتا ہے کہ اسلام غالب آ جائے۔ مسلمان یہ نہیں کہتا کہ دین ختم ہو جائے' مر جائے گا تب بھی یہ نہیں کہے گا۔ اُسے اسلام سمجھ نہیں آیا لیکن وہ اسلام کو چھوڑتا نہیں ہے۔ یہ مسلمان کی خوبی ہے۔ آپ لوگ اگر مکہ شریف جائیں' اللہ کے گھر جائیں تو وہاں سے چیز چوری کر کے آ سکتے ہیں اور آپ جب مدینے شریف جائیں تو پھر آپ کی مجال نہیں' وہاں سانس رُک جائے گا۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو وہاں سے روئے بغیر واپس آ جائے۔ یہ سب حقیقتیں ہیں' بڑی بڑی باتیں ہیں۔ ابھی یہ آشکار اس لیے نہیں ہیں کیونکہ آپ لوگوں کے حالات ایسے نہیں ہیں۔ آپ کو ابھی ٹائم نہیں ملا۔ لیکن وہ واقعات بہرحال اب بھی باقاعدہ موجود ہیں' اثر موجود ہے' تاثیر موجود ہے' وہ ہونے والے واقعات ہیں' کرنے والے واقعات ہیں اور دیکھنے والے واقعات ہیں۔ ایک بات یاد رکھنا کہ جو شخص نعت کہتا ہے' نعت لکھتا ہے تو جس ذات پر نعت ہو رہی ہے ان کی ذاتی توجہ

شامل ہے۔ اس کے بغیر نعت نہیں ہو سکتی۔ نعت کی محفل ہو تو حضور پاک ؐ کی توجہ ضرور ہوتی ہے۔ جہاں آپ درود شریف پڑھتے ہیں وہاں پر توجہ ضرور ہوتی ہے۔ جب آپ خلوص سے درود پڑھتے ہیں تو سمجھو کہ توجہ ہے......

تو یہ سب اللہ کے کام ہیں۔ آپ دیکھتے جاؤ کہ کیا ہوتا ہے۔ ملکی سفر جو ہے یہ معطل نہیں ہونا چاہیے۔ ترقی کا سفر ہونا چاہیے۔ ملک تمہارے لیے نہیں ہے، تم ملک کے لیے ہو، تم ملک کے لیے ہو!

آج اس بات کی دعا ہونی چاہیے جو کہ ملک کے لیے بہتر ہو اور آپ کے لیے بھی بہتر ہو۔ آپ ملک کے لیے Contribution کر سکو۔ ایسا ممکن ہے کہ کوئی نئی جماعت یا ایسا نیا واقعہ تشکیل ہو جائے جس میں آپ لوگوں کا کوئی نہ کوئی حصہ ہو۔ ایسا ممکن ہے اور ایسا ہو بھی سکتا ہے۔ دعا یہ کرنی چاہیے کہ ملک کے اندر جنگ یا جھگڑا نہ ہو، فساد نہ ہو، جیتنے والے نرم ہو جائیں، ہارنے والے تھوڑے سے خوش ہو جائیں اور مل جل کے کام کر لیں۔ تو یہ بہت اچھی بات ہے۔ دعا یہ ہے کہ دونوں مخالفوں کی صلح ہو جائے۔ ہماری کوشش بھی یہ ہو گی کہ دونوں کی صلح ہو جائے تا کہ آسانی سے سب چلتا جائے ورنہ یہ بات فسادات کے اندر دور دور تک چلی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ سب کو آسانی دے اور سکون دے۔ آپ لوگوں کو بھی اللہ سکون دے۔

صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین ۔ آمین

...... برحمتک یا ارحم الراحمین۔

1. مجاز اور حقیقت میں کیا فرق ہے؟ حقیقت کے سفر میں مجاز کی کیا اہمیت ہے؟
2. اس سارے کھیل کا فاعل کون ہے؟
3. وحدت الوجود کیا ہے؟
4. میری عرض یہ ہے کہ سائنس دان بڑی محنت سے کوئی چیز تلاش کرتا ہے اور مولوی صاحب یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو ہمیں پہلے سے پتہ تھا......
5. ہم لوگوں کی کیا خدمت کیا کریں؟
6. روحانی کائنات میں ''مَیں'' کی کیا کیفیت ہے اور کیا اہمیت ہے؟

سوال:-

مجاز اور حقیقت میں کیا فرق ہے؟ حقیقت کے سفر میں مجاز کی کیا اہمیت ہے؟

جواب:-

نہ تو مجاز Defined ہے اور نہ حقیقت Defined ہے اور نہ ان کی سرحدیں Defined ہیں۔ مثلاً آپ یہ دیکھیں کہ ایک آدمی کہتا ہے کہ نہ مجھے باپ عبادت پر مجبور کر سکا، نہ استاد نے مجبور کیا، نہ کوئی پیر کامل مجبور کر سکا لیکن مجھے اس کی یاد نے مجبور کر دیا جو مجاز ہے۔ یعنی کہ مجاز جو ہے وہ لگن کو اتنا Sincere کر دیتا ہے کہ انسان مجاز کی یاد کے ذریعے عبادت میں داخل ہو جاتا ہے۔ گویا کہ جو لوگ تبلیغ سے اصلاح نہیں پکڑتے وہ لوگ محبت سے اصلاح پکڑ لیتے ہیں اور پھر سیدھے ہی دین میں چل پڑتے ہیں۔ ایک واقعہ یاد آ رہا ہے۔ آپ لوگوں کو بھی یاد ہو گا۔ ایک دن قوالی کی محفل ہو رہی تھی۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے اپنی کیفیت میں یہ کہہ دیا کہ ہم تو دھوبی کے بیٹے بھی نہ بن سکے۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ بعد میں آپ کے مریدینِ خاص نے پوچھا کہ سرکار یہ دھوبی کے بیٹے کا کیا قصہ ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ وہ ہم نے کیفیت میں کہا تھا۔ آپ نے کہا کہ میں نے بات سنی ہے کہ ایک

دھوبی تھا جو کسی راجہ کے کپڑے دھویا کرتا تھا۔ اس کی ماں بھی کپڑے دھویا کرتی تھی۔ راجہ کی ایک بیٹی تھی۔ وہ لڑکا اس کے کپڑے بھی دھویا کرتا تھا۔ تو وہ جو دھوبن کا بیٹا تھا وہ کپڑے دھوتا' ان کو استری کرتا' ادب سے دھوتا اور ادب سے استری کرتا' خوشبو لگا کے ادب سے تہہ کر کے پہنچا آتا۔ راجہ کی بیٹی بہت خوش ہوتی۔ سلسلہ چلتا رہا۔ پھر ایسا واقعہ ہوا کہ دھوبی کی ماں نے نوٹ کر لیا کہ یہ تو کپڑوں سے محبت کرتا جا رہا ہے' لگن میں ہے' محویت میں ہے۔ اس نے سوچا کہ کوئی ایسی چال چلی جائے تا کہ اس کا دل جو ہے اس خیال سے نکل جائے۔ اس نے بیٹے سے کہا کہ تو جس راجہ کی بیٹی کے کپڑے دھوتا تھا وہ مر گئی ہے۔ اس نے سوچا تھا کہ کپڑے میں خود دھو لیا کروں گی تا کہ یہ اس خیال سے نکل جائے۔ اس کا بیٹا یہ خبر سنتے ہی اسی وقت مر گیا۔ بعد میں وہ دھوبن کپڑے دھو کے لے گئی۔ راجہ کی بیٹی نے کہا کہ مائی بات یہ ہے کہ کپڑوں میں وہ رنگ نہیں ہے۔ اس نے کہا اب تو راز کھل ہی گیا' بولی کہ قصہ یہ تھا' مجھ غریب کا بیٹا لگن میں تھا' ان کو سنوارتا تھا' ان سے باتیں کرتا تھا' میں نے سوچا کہ کہاں راجہ اور کہاں ہم لوگ' اس لیے میں نے اس سے یہ خیال ترک کرنے کے لیے اُسے جھوٹی خبر سنائی کہ آپ فوت ہو گئی ہیں' یہ خبر سنتے ہی وہ فوت ہو گیا...... راجہ کی بیٹی نے کہا کہ مجھے دکھاؤ کہ کہاں ہے اس کی قبر۔ وہاں جا کے وہ بھی مر گئی۔ تو خواجہ صاحبؒ نے کہا کہ اتنی محبت جو دھوبی کے بیٹے کو ہوئی ہے وہ تو ہمیں خدا سے نہیں ہوئی۔ اُسے اَن دیکھے کی محبت تھی۔ یعنی کہ وہ اَن دیکھے کی ایسی محبت تھی اور ہم تو خدا سے بھی محبت نہیں کر سکے' ہم سے بہتر تو وہ تھا۔ تو یہ جذبات میں انہوں نے کہا۔ گویا کہ جو مجاز ہے وہ اپنی دنیا کی حقیقت ہے۔ وہ مجاز

نہیں ہوتا بلکہ اصل میں وہ محبت ہوتی ہے' انسان سے ہو تو بھی محبت ہے۔ اور یہ محبت حقیقت ہے۔ اس میں نہ محبّ کی بات ہے اور نہ محبوب کی بات ہے۔ اس لیے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ God is love or love is God خدا محبت ہے یا محبت خدا ہے۔ تو اس محبت کو حقیقت بننے میں کچھ دیر نہیں لگتی کیونکہ وہ ہوتی حقیقت ہی ہے۔ یعنی کہ کمرشل ورلڈ میں ایک آدمی ٹائم کے مطابق ایرپورٹ پر جارہا ہے' پورے جہاز نے فلائٹ پر جانا ہے' منٹوں سیکنڈوں کا حساب ہے اور اگر اُسے محبت ہو جائے تو اس کا سارا پروگرام ترک ہو جائے گا کیونکہ وہ محو ہو گیا ہے' حیرت میں چلا گیا ہے۔ مقصد یہ کہ آج کا انسان یہ بات سمجھ نہیں سکتا کہ اس مکینیکل ورلڈ میں ایک شخص غیر مکینیکل کیسے ہو جاتا ہے اور اس کا ریگولر چلنے والا دل یک دم Bump کیسے کر جاتا ہے۔ یہ جو کسی انسان کے دل کے اندر کسی اور انسان کی محبت کا داخل ہونا ہے یہ بذاتِ خود حقیقت ہے۔ ورنہ انسان تو انسان کو نقصان پہنچاتا ہے۔ ایثار کرنے والی چیز کو محبت کہتے ہیں اور یہ حقیقت کی طرف سے آتی ہے۔ اگر کوئی آدمی شکایت کرے تو اللہ کی طرف سے یہ حکم آتا ہے کہ دل بھی ہمارا' دلبری بھی ہماری اور دلبر بھی ہمارے' تو درمیان میں کیا ہے...... یہاں پہ آ کے مجاز جو ہے وہ حقیقت میں چلا جاتا ہے۔ اور پھر ان لوگوں کی اور ہی کہانی بن جاتی ہے۔ وہ موم تو پہلے ہو چکے ہوتے ہیں' مل کے روتے ہیں' بچھڑ کے روتے ہیں اور پھر جب وہ حقیقت بنانے والے کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا بنایا ہے۔ وہاں جا کے وہ بے باک ہو جاتے ہیں تو یہ بات پوچھتے ہیں...... عشق کا مرشد کوئی نہیں ہوتا' عشق آپ ہی مرشد ہوتا ہے۔ بات سمجھ آئی؟ تو یہ جو محبت ہے یا عشق ہے اس کا کوئی رہنما نہیں

ہوتا، تو یہ اپنی رہنمائی خود کرتا ہے۔ عشق کا مفہوم یہ ہے کہ یہ انسان کوشش سے نہیں کرسکتا اور نہ اس کا کوئی فارمولا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کائنات میں ہر قسم کے انسان کے لیے ایک قسم موجود ہے۔ اگر وہ قسم واقعی اس قابل ہو کہ سارے ہی اس کے ساتھ تعلق بنائیں تو پھر ایسا واقعہ کبھی نہیں ہوا۔ جس انسان کو کسی کی Willing عطا فرمائی گئی ہے تو یہ صرف اُسی کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان اس قابل بنایا ہے کہ اس کو چاہنے والا کوئی نہ کوئی انسان موجود ہو۔ کوئی انسان ایسا نہیں ہوگا جس کو طلب نہ ہوئی ہو اور کوئی انسان ایسا نہیں ہوگا جو طلب نہ رکھتا ہو۔ یعنی کہ کسی نہ کسی انسان کے قریب بیٹھنے کا شوق جو ہے اس انسان سے محبت کی دلیل ہے۔ تو اس کے قرب کی خواہش محبت کی دلیل ہے۔ اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ قریب رہنے کی خواہش جو ہے وہ خواہش تقربِ حسن ہے۔ تو یہ خواہش جو ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سب کو نہیں ملتی، کسی کو ملتی ہے اور کسی کو نہیں ملتی۔ اور جس کو ملتی ہے وہ کہتا ہے کہ اگر تم میری نگاہ سے دیکھو تو پھر اور ہی حساب نظر آئے گا۔ اور پھر جو چیز اس کو نظر آتی ہے وہ حقیقت کا جلوہ ہوتا ہے۔ باقیوں کو تو وہ انسان نظر آتا ہے لیکن اس کو کچھ اور ہی نظر آتا ہے۔ یعنی کہ وہ اپنی ذات کو مکمل طور پر اس کی تحویل میں دے دینا چاہتا ہے۔ اور یہ جو تحویل میں دینے کی خواہش ہے یہ اس کی محبت کی دلیل ہے۔ اس لیے وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں کوئی گرو نہ کوئی شیخ نہ بزرگ وہ راستہ بتا سکا ہے جو ہمیں محبت نے عطا کیا۔ اس لیے وہ کہتے ہیں ؎

ایمان سلامت ہر کوئی منگدا تے عشق سلامت کوئی ہو

یعنی کہ لوگ یہ تو مانگتے ہیں کہ اللہ ایمان سلامت رکھے لیکن عشق کی سلامتی کوئی کوئی مانگتا ہے۔ جس نے عشق کی سلامتی مانگی تو عشق تو ایمان ساز ہے' کیونکہ اس میں ایثار ہے'اس کے اندر محویت ہے۔ محویت نہ ہوتو پھر عبادت نہیں ہوسکتی۔ ہم جو کہتے ہیں کہ نماز میں لگن نہیں ہوتی یا محویت نہیں ہوتی تو یہ جو عشق ہے اس کی ابتدا ہی محویت سے ہوتی ہے۔ تو عشق میں محویت ہے' ایثار ہے اور ہمہ حال خیال جو ہے اس میں توجہ پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ توجہ جو ہے وہ گرنے نہیں پاتی' وہ ہر وقت' ہمہ حال اس کے خیال میں مگن جا رہا ہوتا ہے۔ پھر یہ سارا سفر جو ہے یہ حقیقت بن جاتا ہے۔ جب ایک نے غائب ہو جانا ہے تو دوسرے پر حقیقت نے آشکار ہو جانا ہے۔ پھر پتہ چلتا ہے کہ کون تھا جو اس میں جلوہ گر ہے۔

اہل جہاں کو کیا خبر کون ہے کس میں جلوہ گر
میں ہوں کہاں تہی تو ہو اصل میں راز ہے یہی

تو وہ جو راز ہے وہ خاص لوگ جانتے ہیں۔ جتنے بھی دین میں استقامت رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں وہ مجاز کو Sincerely طے کر کے آتے ہیں۔ کیونکہ وہ سوز پیدا کر کے آتے ہیں اور سوز جو ہوتا ہے یہ ایمان سے ایک قدم کے فاصلے پر ہوتا ہے۔ سوز اگر موجود ہے تو ایمان قریب ہے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ لوگ جو اللہ کے قریب ہیں ان کی صفت یہ ہے کہ یضحکوا قلیلا ویبکوا کثیرا وہ ہنستے کم ہیں اور روتے زیادہ ہیں۔ رونے کا عمل جو ہے یہ محبت سکھاتا ہے۔ تو وہ روتے ہیں اور جاگتے ہیں۔ محبت کرنے والے اور عشق والے کی یہ صفات برابر ہیں۔ اس لیے پھر ان کو انعام کے طور پر ایک راستہ دیا جاتا ہے اور پھر وہ اس لگن کو اس لگن میں تبدیل

کر دیتے ہیں۔ اس لگن کو دینے والا بھی وہی ہے۔ مجاز کو حقیقت بننے میں جو دیر ہوتی ہے‘ یہ جو نقطہ ہوتا ہے یہ گرو کا کام ہوتا ہے۔ مجاز کو اگر گرو نہ ملے تو مجاز رہتا ہے اور گرو مل جائے تو حقیقت ہے‘ وہ درمیان میں اشارہ ہوتا ہے کہ اس کو یوں دیکھ کہ کون چلا رہا ہے۔ اگر وہ محبوب ہوتو پھر اُسے سب کا ہونا چاہیے۔ اس لیے وہ تو اس کا باعث نہیں ہے۔ یہ جو تیرے اندر خیال پیدا ہو رہا ہے‘ محبت پیدا ہو رہی ہے‘ اگر اس کا Cause وہ ہے تو یہ سب کے لیے ہونا چاہیے مگر یہ سب کے لیے تو نہیں ہے‘ صرف تیرے لیے ہے‘ تو تیرے لیے خصوصی طور پر تیرے اللہ نے یہ اہتمام کر رکھا ہے‘ تیرے دل کی اور تیری روح کی پرورش کے لیے اللہ نے وہ خوراک مرتب کی ہے۔ تو پھر اسے حقیقت بننے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ یہ آناً فاناً ہوتا ہے‘ وہ کسی کی تلاش میں جا رہا ہوتا ہے‘ کسی کو ڈھونڈنے جا رہا ہوتا ہے اور اسے کچھ اور مل جاتا ہے۔ تو ماسوا اور ماورا کے درمیان ایک نقطہ ہی ہے بس۔ اس لیے کہتے ہیں کہ اس نقطے کو سمجھنے کی دیر ہے صرف۔ جب یہ نقطہ آشکار ہو گیا تو پھر وہ ہمہ حال آگے نکل گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جتنی بھی آپ کو حقیقت کی غزل ملے گی وہ ساری کی ساری مجاز میں پوری اترتی ہے۔ حقیقت والا سنے تو وہ حقیقت ہے اور مجاز والا سنے تو وہ مجاز ہے۔ تو جتنی بھی غزل ہو گی ایسی ہو گی۔ امیر خسروؒ حقیقت بیان کرتے ہیں

نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم
بہر سو رقصِ بسمل بود شب جائے کہ من بودم
پری پیکر نگارے سرو قدے لالہ رخسارے
سراپا آفتِ دل بود شب جائے کہ من بودم

خدا خود میرِ مجلس بود اندر لامکاں خسرو

محمدؐ شمعِ محفل بود شب جائے کہ من بودم

تو مجاز اور حقیقت کا سارا بیان تقریباً یکساں ہے۔ اس لیے جب کوئی بات دل کے اندر اترتی ہے تو دل کو وہ آہنگ دیتی ہے، وہ رنگ دیتی ہے اور دل جو ہے وہ نازک ہونے کی وجہ سے تقربِ الٰہی میں فوراً چلا جاتا ہے۔ اس طرح مجاز کو حقیقت بننے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ بلکہ مجاز ہی حقیقت ہے۔ اگر محبت سے محبت کی جائے تو مجاز حقیقت ہے اور اگر صرف محبوب سے محبت رہے تو یہ مجاز ہے۔ اس لیے مجاز والے لوگ حقیقت کے سفر پر جلدی نکل جاتے ہیں۔ تو یہ عشق کی بات ہے کہ ؎

عشق نہ ہو تو شرع دین بت کدۂ تصورات

عشق پر آتش حلال عشق پر حاصل حرام

تو وہ کہتے ہیں کہ عشق ابتدا ہے، عشق انتہا ہے۔ عشق جو ہے وہ محبوب کے خیال میں فنا ہونا ہے اور اللہ محبوب ہو نہیں سکتا۔ یہ یاد رکھنے والی بات ہے۔ کیونکہ آپ کو اللہ کا پتہ ہی نہیں ہے، نہ خد نہ خال اور نہ چہرہ۔ تو وہ محبت ہی الٰہیات بن جاتی ہے۔ محبت کے اندر جو استقامت ہے یہ الٰہیات بن جاتی ہے ورنہ چہرہ تو انسان کہلائے گا۔ اس لیے اس کے اندر یہ راز ہے کہ خدا سے محبت جو ہے محبت کے طور پر، محبت کی حد تک تو کی جا سکتی ہے لیکن خدا محبوب کیسے بنے۔ محبوب کے لیے ہم جنس کا ہونا ضروری ہے۔ پھر خدا کی محبت جو ہے وہ حضور پاکؐ کے ساتھ محبت بن جاتی ہے۔ اس کا یہی طریقہ ہے۔ یہی خدا سے محبت ہے۔ پھر یہ محبت دینے والے بزرگ یا اولیائے کرام جن سے یہ محبت ملتی ہے، ان سے محبت ہو جاتی ہے۔ اکثر ایسے ہوتا

ہے۔ جتنا بھی آپ دیکھو ساری کی ساری لگن کی کہانی ہے۔ پھر قوالی ہوتی ہے کہ ؎

کیا بھر لاؤں جمنا سے مٹکی

اور یہ کہ ؎

پانی بھرن سہیلیاں رنگا رنگ گھڑے

بھریا اس دا جانیے جس دا توڑ چڑھے

کہ سب سہیلیاں پانی بھرنے جا رہی ہیں اور انہوں نے رنگا رنگ گھڑے اٹھائے ہوئے ہیں لیکن گھڑا صرف اس کا بھرا جانا جائے گا جو خیریت سے گھر پہنچے گی۔ تو حقیقت کی ساری داستان اس طرح مجاز میں بیان کر دی گئی ہے۔ ساری حقیقت بیان کر دی گئی ہے۔ تو حقیقت کا تو بیان ہی نہیں ہے۔ انسانوں کی دنیا میں حقیقت کیسے بیان ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود آپ سے آپ کی زبان میں بات کی ہے ورنہ اللہ اگر اپنی زبان میں بیان کرے تو آپ کو کیا سمجھ آئے گی۔ آپ کو کیسے سمجھ آئے کہ بات کیا ہے۔ تو اللہ آپ لوگوں سے آپ کی زبان میں بات کرتا ہے۔ خالی عبادت کرنے والا اس راز کو نہیں پہچان سکتا جو کہ الٰہیات کا ہے۔ میں نے پہلے بھی آپ کو بتایا ہے کہ پہلے شریعت سے محبت ہو اور پھر پتہ چلتا ہے کہ طریقت کیا ہے۔ کچھ لوگ جو ہیں وہ شریعت کی نماز پڑھتے ہیں اور کچھ لوگ جو ہیں وہ اللہ کی نماز پڑھتے ہیں۔ شریعت حکم ہے اور حکم سے ڈر کر نماز پڑھنا اور چیز ہے، لگن میں نماز پڑھنا اور چیز ہے۔ مثلاً آپ یوں دیکھیں کہ سارے کا سارا انسان جب غور کرتا ہے تو جتنی بھی اس کو لگن عطا ہوئی، وہ لگن ساری کی ساری یا تو دین میں ملے گی یا طریقت میں ملے گی۔ طریقت میں توجہ کرنی پڑتی ہے، وہاں ایک شیخ ہوتا ہے۔ ان

دونوں میں اگر فرق ڈھونڈنا ہو تو فرق بڑی مشکل سے بیان ہوتا ہے۔ کہ ایک نماز امام حسین علیہ السلام نے پڑھی اور آپؑ کو شہید کرنے والوں نے بھی نماز ادا کی۔ وہ بھی خدا کی عبادت کر رہے ہیں۔ تو خدا کی عبادت کیسے' یا خدا کے حبیب ﷺ سے محبت کیسے جب کہ حقیقت کو تم یہاں ختم کر رہے ہو۔ اس فرق کو سمجھنا بڑا مشکل ہے۔ اللہ کے حکم کی نماز تو اُن لوگوں نے پڑھ لی' کہتے تھے کہ جلدی جلدی امام کو ختم کرو کیونکہ پھر نماز پڑھنی ہے۔ تو انہوں نے کیا نماز پڑھنی ہے۔ نہ ہی پڑھیں تو بہتر ہے۔ اگر امامؑ کو شہید کر کے نماز پڑھی تو کیا نماز پڑھی۔ اس لیے پھر محبت کے بغیر عبادت نہیں ہے۔ یزید بھی عبادت کرتا تھا اور اس کے ساتھی بھی عبادت کرتے تھے' نماز ادا کرتے تھے۔ لیکن بات تو نہیں بنتی۔ اگر حضور پاک ﷺ کسی کو حکم دیں کہ بات سنو اور وہ کہے کہ ابھی میں اللہ کی عبادت کر رہا ہوں' ٹھہر کے آؤں گا تو پھر حبطت اعمالھم سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ پھر تو بات ختم ہو گئی کیونکہ اعمال ضائع ہو گئے۔ مطلب یہ کہ اگر صرف ایمان کی سلامتی مانگو تب بھی خطرہ ہے' محبت کی سلامتی اصل بات ہے۔ اس لیے محبت جو ہے وہ ایمان پر فوقیت رکھتی ہے۔ طریقت والے لوگ دین کے ساتھ محبت کرتے ہیں' اللہ کے ساتھ محبت کرتے ہیں' اللہ کے حبیب ﷺ سے محبت کرتے ہیں اور ان کے حکم کو اپنی Pleasure سمجھتے ہیں۔ باقی جو صاحبان شریعت ہیں وہ صرف حکم مانتے ہیں۔ اگر انہیں اللہ آواز دے دے تو وہ کہیں گے کہ پہلے ہم آپ کی نماز پڑھ لیں پھر ہم آپ سے بات کریں گے۔ اس لیے ان میں یہ فرق ہے۔ اگر مکان کو آگ بھی لگی ہو تو وہ کہے گا کہ پہلے میں نماز پڑھ لوں' آگ تو لگتی ہی رہتی ہے۔ ایسے آپ کو بے شمار لوگ ملیں

گے کہ ملک رہے نہ رہے، میری نماز کا وقت ہے۔ اس لیے تبلیغی جماعتیں فیل ہو جاتی ہیں۔ ان کا منشور صرف یہی ہے کہ وہ کسی اور نظام کے قائل نہیں ہیں سوائے اپنی عبادت کے۔ عبادت بڑے اچھے طریقے سے کرتے ہیں۔ لیکن اگر اسی عبادت کے دوران اس کی آواز آ جائے جس کی عبادت کر رہا ہے تو پھر بھی وہ عبادت کرتا جائے گا، اور فوری طور پر وہ جو حکم کر رہا ہے وہ نہیں سمجھے گا۔ جب تک حقیقت کی بات سمجھ نہ آئے، یہ سارا واقعہ سمجھ نہیں آئے گا۔ اور حقیقت کی بات سمجھنے کے لیے مجاز سے گزرنا ضروری ہے۔ مجاز جو ہے وہ حقیقت کا حصہ ہے، اوّلین زمانہ ہے۔ مقصد یہ کہ انسان پہلے حیلہ کرتا ہے اور پھر وہ Magnetic Range میں داخل ہو جاتا ہے۔ پہلے وہ حیلہ کرتا ہے، کوشش کرتا ہے اور جب وہ داخل ہو جاتا ہے تو وہ اسے خود ہی ہنساتا ہے، خود ہی رُلاتا ہے اور خود ہی نماز پڑھاتا ہے۔ پھر جو وہ کراتا ہے یہ کرتا جاتا ہے۔ یعنی کہ جو میاں کی مرضی، جو اس کی مرضی۔ نہ اپنی کوئی خواہش رہ جاتی ہے اور نہ اپنی کوئی آرزو رہ جاتی ہے۔ تو یہ ایک نقطہ تھا کہ مجاز سے حقیقت اور مجاز کی حقیقت کیا ہے۔ تو حقیقت بذاتِ خود مجاز میں بھی کھیلتی ہے اور وہاں بھی کھیلتی ہے۔

سوال:-

اس سارے کھیل کا فاعل کون ہے؟

جواب:-

اس کا فاعل وہ آپ ہی ہے۔ وہ خود ہی ہے۔ اس کا جلوہ جو ہے وہ محبوب میں حسن پیدا کرتا ہے اور محبّ میں تمنا پیدا کرتا ہے۔ کرتا وہ آپ ہی ہے۔ اس کو اگر

خدا کہہ دیا جائے تو کہیں وہ محبت پیدا کرنے والا محبوب بن کے آیا اور کہیں دلبر بن کے آیا ۔

او ہو لال کلو کڑی رات والا

اَج بھیس وٹا کے وَت آیا

یعنی کہ ہے وہی۔ سب کھیل اس کا اپنا ہے۔ تو اس کا اپنا ہی کھیل ہے۔ اس کی اگر جلوہ گری دیکھو گے تو ساری کائنات کے اندر عشق کا مربوط جلوہ نظر آئے گا' چاہے وہ حقیقت ہے کہ نہیں ہے' مثلاً چاند اور چکور کا ایک قصہ نظر آئے گا' گل و بلبل کا ایک قصہ نظر آئے گا' رنگ اور نغمہ کا ایک قصہ نظر آئے گا۔ پھر اس کائنات میں انسان کی انسان کے لیے تمنا جلوہ گر نظر آئے گی' محبت کرنے والے نظر آتے رہیں گے' جلوہ گریاں نظر آتی رہیں گی۔ اور یہی ایک چیز ہے جو آپ کو تمنائے دنیا سے نجات دے سکتی ہے ورنہ کوئی چیز نہیں دے سکتی۔ تو انسان کی تمنا جو ہے آپ کو دنیا کی تمنا سے نجات دلائے گی۔ صرف انسان کی تمنا' کہ اس کے خیال میں ہم نکل گئے ۔

منم محوِ خیالِ اُو نمی دانم کجا رفتم

شدم غرقِ وصال اُو نمی دانم کجا رفتم

تو وہ انسان ہے یا ذات ہے جس کے خیال میں غرق ہو کے مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ میں کہاں سے کہاں چلا گیا۔ وہ ''انا الحق'' کہلاتا بھی خود ہے اور سزا بھی خود دیتا ہے' خود ہی جلوہ ہے اور خود ہی حاصلِ جلوہ ہے' خود ہی دیدِ جلوہ ہے' خود ہی پیدا کرتا ہے وہ۔ دوسرے کو بات سمجھ نہیں آتی۔ دنیا کے اندر جتنے بھی بلند حقیقت شناس ہیں وہ

سارے کے سارے یہاں سے گزرے ہیں اس سفر سے گزرتے ہیں۔

سوال:-

پھر وحدت الوجود کیا ہے؟

جواب:-

وحدت الوجود ایک علم نہیں ہے بلکہ ایک مشاہدہ ہے۔ انسان پہ ایک ایسا مقام آتا ہے جب انسان کو یہ سمجھ آ جائے کہ کوئی انسان غیر نہیں ہے اور جب یہ پتہ چل جائے کہ سارے اس کے جلوے ہیں وہ دنیا میں بدنامیاں بھیج رہا ہے اور خود ہی نیک نامیاں بھیج رہا ہے جو ہو رہا ہے اس کی طرف سے ہو رہا ہے۔ سارے جلوے جو ہیں اس کے اپنے ہیں۔ ہر چہرہ اس کا اپنا چہرہ ہے۔ اس ایک چہرے میں کتنے ہی چہرے ہیں۔

ع اک چہرے میں لاکھوں چہرے ہر چہرہ ہر جائی

تو کائنات میں سب ایک جیسے چہرے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کمال ہے۔ یہ قدرت کا خاص احسان ہے کہ انسانوں کے چہرے انسانوں کے ہی رہتے ہیں اور ہر چہرہ ایک جیسا ہے۔ تو وحدت الوجود کو سمجھنا بالکل ہی آسان ہے اگر غیر اللہ کی سمجھ آ جائے تو۔ اگر غیر اللہ سمجھ نہ آئے تو وحدت الوجود میں بڑا خطرہ ہے۔ یہ ضرور سمجھو کہ غیر اللہ کیا ہے؟ یعنی کہ جہاں اللہ نے منع کر دیا تو وہاں منع ہو جاؤ۔ مثلاً ایک آدمی اللہ کو نہیں مانتا یا بت کی پوجا کرنے والا ہے ہے تو وہ بھی وجودِ واحد لیکن اس کے لیے حکم آ گیا کہ یہاں میرا جلوہ نہیں ہے تو وہاں اس کا جلوہ نہیں ہوگا۔ ورنہ وہ خود ہی سمجھا دیتا ہے کہ میں پھولوں میں جلوہ گر ہوں میں خود شمس و قمر میں جلوہ گر

ہوں، میں ہی کائنات میں چل رہا ہوں، ہر چہرے میں میرا ہی جلوہ ہے، ہر تمنا میری ہے، ہر دل میرا اپنا ہے ...... جب یہ بات سمجھ آجائے تو انسان وحدت الوجود میں چل پڑتا ہے۔ جہاں وہ کہے کہ یہاں پہ راستہ بند ہے، رُک جاؤ تو آپ رک جاؤ۔ کیونکہ آگے عدو اللہ ہے۔ عدو اللہ اگر سمجھ آجائے تو باقی سارا وحدت الوجود ہے۔ خطرہ صرف اتنا ہی ہے یعنی شیطان سے جو کہ عدو اللہ ہے اللہ کا دشمن ہے۔

سوال:-

سائنس دان ان چیزوں کو اور طرح سے بیان کرتے ہیں۔

جواب:-

سائنس دانوں کی بات سائنس دانوں کے ساتھ۔ یا اگر آپ سائنس دان ہوتے تو آپ سے بات ہوتی۔ پہلے تو آپ کے لیے سائنس دانوں کی بات سمجھنا مشکل ہے، پھر ان کی بات Convey کرنا مشکل ہے، پھر آپ کے ذریعے جواب ان تک پہنچنا مشکل ہے۔ ان کو میں الگ سمجھا دوں گا۔ آپ اپنی بات کریں۔

سوال:-

یہاں تو سائنس پڑھنے والا بھی سائنس دان کہلاتا ہے۔

جواب:-

کہلانے کی بات نہیں ہے۔ سائنس دان اور چیز ہے۔ سائنس کسی مذہب کے خلاف نہیں ہے اور نہ کوئی مذہب سائنس کے خلاف ہے۔ سائنس اور مذہب کا فرق میں نے بتایا تھا۔ سائنس جو ہے یہ ایک جیسا Experiment، ایک جیسے

ماحول میں کر کے ایک جیسا رزلٹ نکالے گی یعنی H_2O جب بھی ملے گا تو پانی ہی ہوگا یعنی جب یہ یہ ایٹم ملیں گے تو یہ مالیکیول بنے گا۔ جب بھی زندگی میں ہوگا' یہی ہوگا۔ تو یہ ایک لاء بن گیا۔ لیکن مذہب کے اندر یکساں عبادت کرنے والے لوگوں کا یکساں نتیجہ کبھی نہیں ہوگا۔ دس بندے اگر نماز پڑھ رہے ہیں تو ہر ایک کا درجہ الگ الگ ہوگا۔ سائنس جو ہے یہ مستقبل کی طرف دیکھتی ہے کہ کل کو ہم نے کیا کرنا ہے۔ اور مذہب ماضی کی طرف دیکھتا ہے۔ مذہب کا سرچشمۂ ہدایت جو ہے وہ ماضی میں ہوتا ہے۔ پیغمبر کے ساتھ جلوہ گری ماضی میں ہوگی۔ اس لیے سائنس جو ہے چیزوں کی پرائس کو جانتی ہے اور مذہب جو ہے چیزوں کی Value کو پہچانتا ہے' قدر کو پہچانتا ہے۔ پرائس اور ویلیو میں فرق ہونا چاہیے ناں۔ مثلاً یہ میز جو ہے وہ ہمارے کسی دوست نے دیا تھا اور وہ دوست اب دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔ اب یہ میز جو کہ چند روپوں کی میز ہے' وہ میرے لیے کائنات کا حصہ ہے اور یہ اس کی نشانی کے طور پر میرے پاس ہے حالانکہ اس کی قیمت کچھ زیادہ نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ میز دے دو تو ہم اس کے بدلے میں تمہیں بڑی میز دے دیں گے تو وہ کہتا ہے بالکل نہیں' یہ میری نشانی ہے۔ تو اس کی پرائس کم ہے مگر ویلیوز زیادہ ہے۔ سائنس اس بات کو سمجھ نہیں سکتی کہ اس کے ساتھ کوئی ویلیو کی Attribute کی جائے' کوئی قدر لگائی جائے کہ یہ وہ چیز ہے اور یہ اور چیز ہے' مثلاً یہاں سے کوئی قافلہ گزرا تھا اس لیے ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں' کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جلوہ ہوا تھا' اس لیے آپ وہاں تھوڑی دیر بیٹھ گئے۔ سائنس ان باتوں کی قائل نہیں ہے۔ سائنس کی Domain اور ہے۔ سائنس Experiment کے ذریعے

ثابت کرتی ہے اور جو چیز ثابت نہ ہو اس پر ایمان نہیں رکھتی۔ اور ہمارا پہلے دن کا سبق یہ تھا کہ اللہ کو ثابت نہیں کرنا بلکہ اللہ کو ماننا ہے' ثابت کرنے والا بھی جھوٹا ہے اور اللہ کا ثبوت مانگنے والا بھی جھوٹا ہے۔ ہم غیب پر ایمان لائے۔ اللہ کو آج تک کسی نے ثابت نہیں کیا اور وہ سارے اللہ والے تھے اور ہوتے رہے۔ ثابت کرنے کی ضرورت ہی کوئی نہیں۔ اللہ نے کہا کہ میں رزق بھیجتا ہوں لیکن کسی نے ثابت نہیں کیا کہ رزق اللہ کے پاس سے آتا ہے۔ آپ کو تو ہر مہینے کے بعد تنخواہ ملتی ہے۔ پھر اللہ کی طرف سے رزق کیسے آیا؟ یہ ماننے والے نے مانا کہ یہ رزق اللہ کی مہربانی سے آیا ہے' جتنے بھی پیسے ہیں اس سے گزارہ کرلو۔ بس اللہ نے اتنے ہی پیسے بھیجے ہیں۔ سائنس نے کہنا ہے کہ بڑا خرچہ ہے۔ تو مذہب کبھی سائنس نہیں بنے گا اور سائنس کبھی مذہب نہیں بن سکتی۔ سائنس بے جان بات ہے۔ اس کا اشیاء کے ساتھ تعلق ہے اور مذہب کا افراد کے ساتھ تعلق ہے' Values کے ساتھ تعلق ہے۔ سائنس دلوں کی کیمسٹری جانتی ہے کہ اس کے اندر ماہیت کیا ہے' دل کا آپریشن کر کے دیکھتی ہے کہ کیسے بائی پاس کرنا ہے لیکن دل کے اندر گداز کتنا ہے' یہ سائنس نہیں جانتی' دل کے اندر سوز کتنا ہے' یہ سائنس نہیں جانتی۔ سائنس گلاب کے پھول کو Dissect کردے گی' اس کے حصے توڑ کے بتائے گی لیکن مذہب والا کہے گا کہ سبحان اللہ کیا خوب صورت گلاب ہے۔ یہ دیکھنے والے کا اپنا اپنا مزاج ہے۔ مذہب لیبارٹری میں نہیں جاتا۔ اس لیے یہ اپنے سکون قلب کی بات ہے' احساس کی بات ہے' عقیدے کی بات ہے۔ عقیدہ سائنس سے باہر ہے۔ سائنس والے اپنا کام کر رہے ہیں' ان کو کرنے دو وہ مکان بناتے ہیں تو ٹھیک بناتے ہیں۔

سائنس کا کام ہے مکان بنانا اور مذہب ہے اس کے اندر لطف سے زندگی گزارنا۔ جو زندگی اس مکان کے اندر جا رہی ہے' یہ سائنس نہیں ہے' جو کچھ لطف کے ساتھ ہو رہا ہے یہ سائنس نہیں ہے۔ سائنس اپنی تمام تر طاقت کے باوجود کسی ایسے انسان کو بیٹا نہیں دے سکتی جس کے ہاں اولاد نہیں ہے۔ پوری طاقت کے باوجود سائنس جو ہے وہ بالوں کو سفید ہونے سے روک نہیں سکتی۔ بال بھی آپ کے ہیں' سائنس بھی آپ کی ہے مگر اس کے باوجود آپ کے اختیار سے باہر ہے۔ تو سائنس جو ہے وہاں پر بے بس ہو جاتی ہے جہاں انسان کی خواہش آ جائے۔ سائنس آپ کو کبھی یہ نہیں بتا سکتی کہ دوسرے انسان کی آرزو کیا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ میری زندگی ختم ہونے والی ہے مگر میں ایک انسان کی تلاش میں ہوں تو سائنس کہے گی کہ یہ بے معنی چیز ہے' مہمل چیز ہے۔ اس لیے سائنس کی Domain اور ہے' مذہب کی Domain اور ہے۔

سوال:۔

میری عرض یہ ہے کہ سائنس دان بڑی محنت سے کوئی چیز تلاش کرتا ہے اور مولوی صاحب یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو ہمیں پہلے سے پتہ تھا......

جواب:۔

یہ بحث کی بات نہیں ہے۔ اگر بحث میں پڑ جائیں گے تو آپ کو کچھ سمجھ نہیں آئے گی۔ آپ پہلے سائنس دانوں کی بات کریں گے' پھر مولوی صاحب کی بات کریں گے' پھر اخبار کا حوالہ دیں گے کہ آج ''مشرق'' میں یہ چھپا تھا مگر ''نوائے وقت'' میں اور بات تھی۔ اس طرح بات بے معنی ہو جائے گی۔ کیا آپ کو

یہ بات سمجھ آ گئی ہے کہ مذہب کے مقابلے میں سائنس کی کیا حقیقت ہے؟ باقی یہ کہ کچھ Prove کرنے والا جو مرضی Prove کرے، کہنے والا جو بھی کہتا جائے۔ اللہ کریم کے جو احکامات ہیں آپ نے اس کے مطابق چلنا ہے۔ اس کو ثابت کرنے والی کوئی بات نہیں ہے۔ مذہب ثابت کچھ نہیں کرتا بلکہ صرف آپ کو راستے کی بات بتاتا ہے۔ کبھی کسی نے یہ ثابت نہیں کیا کہ اس کا خدا سے وصال ہوا ہے۔ کسی نے ثابت نہیں کیا کہ اس کے اندر لطف پیدا ہو گیا ہے یا اس کے اندر کتنا سکون ہے، کتنی ڈھیر ساری خوشی ہے۔ اس لیے وہ اور چیز ہے۔ اس کی Domain اور ہے۔ یہ بھی اچھی بات نہیں ہے کہ آپ مذہب کے حوالے سے سائنس کے مقابلے میں کھڑے ہو جائیں، اس طرح تو آپ Unscientific ہو جائیں گے۔ ان کا پروگرام آپ چلنے دیں۔ یہ بحث کی بات نہیں ہے کہ وہ کیا کہتا ہے اور یہ کیا کہتا ہے۔ آپ بتائیں کہ آپ کیا پوچھتے ہیں۔ آپ اپنی بات کریں۔ یہ نہ کرنا کہ کہیں سے کچھ پڑھ کے آ جاؤ اور پھر پوچھ لو کہ وہ کیا کہتا ہے۔ وہ آدمی کبھی اپنی اصلاح نہیں کر سکتا جو دوسروں کو صرف پڑھتا ہی جائے۔ پھر اصلاح کیسے ہو گی؟ جو دوسروں کا بیان ہے وہ دوسروں کی زندگی ہے اور تیری زندگی تو تیرے ساتھ ہے" تو اپنی زندگی کو دیکھ کہ کہاں الجھی پڑی ہے۔ تو دوسروں کی کہانی پڑھنے سے بات کیا سمجھ آئے گی۔ اپنی زندگی کو یہاں سے نکالو۔

سوال:-

ہم لوگوں کی کیا خدمت کیا کریں؟

جواب:-

سب سے پہلے آپ اپنی خدمت کریں تاکہ لوگوں کی خدمت کرنے کے قابل ہو سکیں۔ غریب جو ہے وہ غریبوں کی کیا خدمت کرے گا' جاہل جو ہے وہ جاہل کی کیا خدمت کرے گا' پہلے آپ علم حاصل کریں اور پھر جاہلوں کی خدمت کریں۔ جو چیز آپ کو حاصل ہے' اس کے ذریعے اس کی خدمت کریں جس کے پاس وہ چیز نہیں ہے۔ پہلے آپ اپنے آپ کو دوسرے کی خدمت کرنے کے قابل بنائیں۔ تو پہلے اپنی خدمت کریں' یعنی خود کچھ حاصل کریں۔ اگر کوئی یہ کرے کہ گھر سے کچھ پیسے چوری کرے اور جا کے کسی کی خدمت کر آئے تو یہ تو ٹھیک نہیں ہے۔ یہ خدمت کا طریقہ تو نہیں ہے۔ تو آپ اپنے آپ کو اس قابل بنائیں کہ کسی کے کام آ سکیں۔ خدمت کرنا تو اچھی بات ہے۔ پہلے اپنی خدمت کرو' پھر اقربا کی خدمت کرو' یتیم کی خدمت کرو' مسکین کی خدمت کرو' راہ کے اندر جو مسافر ہے اس کی خدمت کرو اور پھر جو چیز آپ کے مزاج میں آئے اس طرح کی خدمت کرو۔ لیکن پہلے خدمت کے قابل بن جاؤ۔ اتنی سخاوت نہ کرنا کہ کل کو کوئی سخی تلاش کرنا پڑ جائے جو آپ کو دے۔ یہ نہ کہنا کہ میں تو خیرات کر کے آیا' سب کچھ دے آیا ہوں' اب تم مجھے کچھ دو تاکہ میرا گزارہ ہو جائے۔ اکثر لوگ ایسے جوش میں آ کے ایسا کر جاتے ہیں' یہ کہتے ہیں کہ میں متوکل ہوں اور پھر استعفیٰ دے دیا۔ بعد میں پھر وہ پریشان ہوتے ہیں۔ بغیر دلیل کے کوئی ایسا کام نہ کرنا' بغیر وجہ کے ایسا نہ کرنا۔ اپنے آپ کو سنبھالو۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں' آپ ان پہ غور کیا کریں۔ مقصد یہ ہے کہ آپ تنہا بھی بیٹھا کریں اور اللہ کو یاد کیا کریں۔ صرف ''اللہ اللہ''

کہنے سے بھی اللہ کی یاد ہوتی ہے۔ حالانکہ ''اللہ'' لفظ ہے' اسم ہے' اللہ یہاں تو نہیں ہے' آپ کاغذ پر جو ''اللہ'' لکھتے ہیں یہ تو اللہ نہیں ہے' اللہ تو ساری کائنات کا خالق ہے۔ یہ تو لفظ ہے اور اس کے اسم کا عکس ہے۔ لیکن اگر آپ اسم کے عکس کو بھی پکاریں گے تو بات اس ذات تک جائے گی جس کا یہ اسم ہے۔ حالانکہ آپ ذات کو نہیں پکار رہے' آپ لفظ ''اللہ'' کو پکار رہے ہیں مگر اسم سے وہ ذات متاثر ہوتی ہے جس کا وہ اسم ہے۔ میں نے پہلے بھی بتایا تھا' اب پھر بتاتا ہوں کہ ہر ذات اپنے اسم کی حفاظت کرتی ہے' چاہے پکارنے والا جس دور میں ہی ہو۔ مطلب یہ کہ جو بھی ذات بلند ہے اس کا اسم ہمیشہ بلند ہوگا اور وہ اپنے اسم کو کبھی کمزور نہیں ہونے دے گی' پکارنے والے کی مدد ضرور کرے گی' کیونکہ اس نے اپنے اسم کو بلند رکھنا ہے۔ آپ نے جس اسم کو پکارا ہے تو وہ ذات مدد کے لیے آئے گی۔ اس لیے بلند ذاتوں کو پکارنے سے مشکل ٹل جاتی ہے کیونکہ وہ ذات اپنے اسم کی پکار کے وقت موجود ہوتی ہے۔ اور شہرت کیا ہے؟ اسم کی پکار میں شہرت ہے۔ آپ نے صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو دیکھا؟ لیکن آپ کے دل میں احترام ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آپ نے نہیں دیکھا لیکن آپ کے دل میں یہ موجود ہے کہ وہاں شجاعت ہے اور فیض ہے۔ تو یہ جو خیال رائج ہے کہ وہ بہت بلند ذات ہیں تو یہ اس اسم کی ایک شہرت اور عزت ہے۔ وہ اسم اپنی اس عزت اور شہرت سے محروم تو نہیں ہوگا کیونکہ اس ذات نے ایک واقعہ کیا ہوا ہے' آپ جب انہیں پکاریں گے اور جواب نہ آیا' ہزار بار بھی پکارا مگر جواب نہیں ملا تو آپ کہنے پہ مجبور ہو جائیں گے کہ مجھے تو کچھ نہیں ملا۔ تو وہ ذات اپنے اثباتی اسم کو نفی نہیں ہونے دیتی۔ اس لیے آپ جب

بھی پکاریں گے تو وہ ذات کہ جس کا وہ اسم ہے' کوئی نہ کوئی سبب بنا دے گی' کیونکہ ان کو اپنے اسم کی عظمت درکار ہے۔ اس لیے آپ اس اسم کو پکاریں تو ضرور مدد ملے گی۔ صرف پکارنے والے کی لگن ہونی چاہیے اور خلوص ہونا چاہیے۔ صرف پکار جو ہے یعنی ندا' ندا جو ہے وہ بذاتِ خود تقرب کی دلیل ہے' حالانکہ وہ ذات نہیں ہوتی۔ تو آپ تنہا بیٹھ کے ''اللہ اللہ'' کیا کریں' اللہ تعالیٰ ضرور آپ کے ساتھ مہربانی کرے گا۔ اسم کو محبت سے پکارا کرو۔ دنیا کے بکھیڑے آخر ختم ہو جاتے ہیں۔ ہماری جتنی بھی اشتہاء ہے اگر دو دن گزر جائیں تو بدل جاتی ہے' وقت گزر جائے تو بدل جاتی ہے۔ کسی کو خدانخواستہ بہت بڑا غم ہو' باپ کو بیٹے کا یا بیٹے کو باپ کا' تب بھی چند گھنٹے بعد ختم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کھانا کھا لو۔ وہ کہتا ہے دل تو نہیں کرتا۔ چلو جی ایک لقمہ ہے' کھا لو۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ غم سمیت سو جائے گا۔ مطلب یہ کہ کسی کا غم اتنا دیرپا نہیں ہے کہ نیند پر حاوی ہو جائے۔ حالانکہ بھوک اور نیند بڑی معمولی چیزیں ہیں۔ اگر کوئی ایسا غم مل جائے جو بھوک اور نیند پر حاوی ہو جائے تو پھر یہ تو بڑی بات ہے۔

آپ لوگوں کے لیے دعا ہے۔ آپ لوگ کوئی نہ کوئی نیکی کرتے رہا کریں۔ سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ ایک دوسرے کو معاف کیا کرو اور جب کبھی کوئی خواہش ہو تو اللہ سے رجوع کیا کرو کہ یارب العالمین اگر یہ چیز میرے لیے بہتر ہے تو اس کا حصول میرے لیے آسان فرما دے اور اگر یہ میرے لیے بہتر نہیں ہے تو مجھے اس خیال سے آزاد فرما دے۔ یہ دعا ہمیشہ مانگنی ہے۔ یہ دعا آپ کرتے رہیں تو اللہ آپ پر بہت مہربانی فرمائے گا۔ ویسے بھی ہم سب کے لیے دعا کرتے

ہیں۔ سب مل کے دعا کریں کہ اے اللہ ہماری وہ آرزوئیں جو تجھے قبول نہیں، ہمیں ان آرزوؤں سے نجات دِلا اور جس بات کو تو بہتر سمجھتا ہے اس کو ہمارے لیے مقرر فرما اور اس کی تمنا ہمیں دے، ہمیں ہماری غلط آرزوؤں سے نجات دے۔ ہمارے لیے تُو صحت مند آرزو مقرر فرما تا کہ ہم تیرے راستے پر چل سکیں اور تیرا یہ راستہ طے ہم نے کرنا ہے۔ راستہ تیرا ہے اور طے ہم نے کرنا ہے، اس لیے ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم تیرے راستے پر چلیں۔ تو راستہ اللہ کا ہے اور سفر آپ کا ہے۔ اس لیے آپ یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنا راستہ عطا فرمائے۔ اس کا راستہ آپ کا سفر ہے اور سفر تو آپ نے کرنا ہی ہے، یا تو غلط سفر کریں یا پھر نیکی کا سفر کریں۔ آپ لوگوں کے لیے سلامتی ہو۔

اب کوئی اور بات پوچھو...... آج موقع ہے۔

سوال:-

روحانی کائنات میں ''مَیں'' کی کیا کیفیت ہے اور کیا اہمیت ہے؟

جواب:-

''مَیں'' ایک لفظ ہے، اس کے معانی بدلتے رہتے ہیں۔ اس کے معانی ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ اگر باپ سامنے ہو تو ''مَیں'' بیٹا ہے اور بیٹا اگر سامنے ہو تو ''مَیں'' باپ ہے۔ اس لیے ''مَیں'' کا جب تک کوئی مقابل نہ ہو تو ''مَیں'' کی سمجھ نہیں آسکتی۔ سب سے پہلے یہ دیکھو کہ اس کا مقابل کیا ہے۔ اگر مقابل میں خدا ہے تو ''مَیں'' بندہ ہے، آقا ہے تو ''مَیں'' غلام ہے، سامنے سفر ہے تو ''مَیں'' مسافر ہے۔ تو ''مَیں'' اس طرح بدل جاتا ہے بغیر کہے ہوئے، اس کے رنگ بدلتے

جاتے ہیں، کیونکہ جو چیز سامنے آتی ہے اس کے مطابق ''میں'' بدل جاتا ہے ہر چند کہ ''میں'' وہی ہوتا ہے۔ تو ''میں'' کو سمجھنے کے لیے آپ اپنے بچپن کے فوٹو دیکھیں تو آپ کہیں گے کہ یہ میں ہوں، یہ بھی میں ہوں اور وہ بھی میں ہوں۔ اب ایک ''میں'' میں اتنے ''میں'' ہیں۔ تو یہ سمجھنا بڑا مشکل ہے کہ ایک ''میں'' میں کتنے ''میں'' ہوتے ہیں۔ اس لیے آپ یہ دیکھیں کہ اصل میں کیا ہے۔ اگر وہ ''میں'' ہوں تو یہ ''میں'' کون ہے ؂

کیا جلتی ہوئی ریت پہ ہم ڈھونڈ رہے ہیں
صحرا میں تیرا نقشِ قدم ڈھونڈ رہے ہیں
یہ ہم ہیں تو وہ کون ہے وہ ہم ہیں تو یہ کون ہے
کچھ اور ہی آئینے میں ہم ڈھونڈ رہے ہیں

تو اصل ''میں'' کون ہے؟ آئینے کے اندر والا ''میں'' ہے یا باہر والا ''میں'' ہے۔ یعنی کہ میں اپنی نگاہ میں ''میں'' ہوں یا جو تیری نگاہ میں ہے وہ ''میں'' ہوں۔ اس لیے ''میں'' کو پہچاننے کے لیے ایسی نگاہ کی تلاش کرو جس کا فرمایا ہوا آپ کے لیے سند ہو۔ وہ نگاہ فیصلہ کرتی ہے کہ ''میں'' کیا ہے۔ آپ اپنے ایمان کا فیصلہ نہیں کر سکتے بلکہ وہ نگاہ والا کہتا ہے کہ آج تیرا ایمان مکمل ہو گیا۔ اس لیے ''میں'' کا فیصلہ وہ ہی کرے گا، جب بھی کرے گا۔ جو مقابل ہے اس کے مطابق ''میں'' کا رنگ بدلتا رہتا ہے ؂

کسی نظر میں علامت ہوں خود پسندی کی
کسی نگاہ میں اک ذرّہِ تراب ہوں میں

میں ایک فرد ہوں مجھ سے ہے ملتوں کا ظہور
حقیقتوں کو جنم دینے والا خواب ہوں میں

یعنی کہ حقیقتیں مجھ سے ہیں حالانکہ میں خواب ہوں۔ تو میں پچھلے دور کا آخری آدمی ہوں اور آنے والے دور کا پہلا آدمی ہوں۔ اس لیے اگر میری نگاہ ماضی میں جائے تو میں پہلا انسان ہوں اور مستقبل میں جائے تو آگے قافلہ مجھ سے چلتا ہے۔ اس لیے میں زمانہ ساز بھی ہوں اور زمانہ جو ہے وہ مجھے بھی بنا رہا ہے۔ زمانہ مجھ سے ہے اور میں زمانے سے ہوں۔ اس لیے اکیلا ''مَیں'' سمجھ نہیں آ سکتا بلکہ اکیلا ''مَیں'' ناممکن ہے۔ جب آپ ''مَیں'' کے سامنے کسی کو دیکھیں گے تو اس کے بعد ''مَیں'' کی سمجھ آئے گی۔ اگر آپ سے زیادہ سچا سامنے آجائے تو آپ تھوڑے سے جھوٹے ثابت ہو جائیں گے اور جھوٹوں میں بیٹھے ہوں گے تو پھر سچے ثابت ہوں گے۔ اس لیے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ''مَیں'' سے آگاہ کرے۔ ہمارا ایک کالم بھی تھا ''مَیں اور مَیں'' کے عنوان سے۔ تو پتہ کرو کہ اصل ''مَیں'' کون ہے؟ آپ کے اندر بے شمار ''مَیں'' ہیں اور ہر بار یہ بدلتے رہتے ہیں۔ یہ جو آپ کا نام ہے اس کے تحت آپ زندگی کا سفر کرتے رہتے ہیں اور آخری وقت میں یہ نام چھن جاتا ہے اور پھر اس کا نام ''میّت'' بن جاتا ہے۔ پھر نام کوئی نہیں رہتا۔ کہتے ہیں کہ اس میّت کو دفن کرو۔ کوئی کہتا ہے کہ میّت کیا ہوتی ہے، اس کا پورا نام لو یعنی ڈاکٹر فاروقی، مگر وہ کہتے ہیں کہ یہ تو میّت ہے۔ تو نام واپس لے لیا۔ پیدا ہونے سے پہلے بھی نام نہیں ہے صرف پیدائش سے موت تک نام ہے۔ نہ اس سے پہلے کوئی نام ہے اور نہ اس کے بعد کوئی نام ہے۔ آگے یہ بے نام ہے۔ تو رُوح کا نام نہیں

رکھا جارہا، رُوح جو ہے وہ رُوح ہی ہے، وہ امرِ ربی ہے۔ رُوح کا نہ کوئی باپ ہوتا ہے، نہ ماں، نہ بہن......

کیا کوئی اور سوال ہے؟ اس سے پہلے کہ بادل آئے اور برسے، آپ لوگ اپنے اپنے گھروں کو جائیں۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے اور آپ کا ذوق سلامت رکھے۔ گھبرانا نہیں بلکہ چلتے چلے جانا ہے۔ یعنی کہ چلنا ہی اس سفر کی منزل ہے۔ بس چلتے چلو ۔

چلے ہو ساتھ تو ہمت نہ ہارنا ہرگز
کہ منزلوں کا تصور میرے سفر میں نہیں

اس سفر میں منزلیں نہیں ہوتیں بلکہ سفر ہی سفر ہوتا ہے، سفر کے بعد بھی سفر ہے۔ آپ چلتے جاؤ۔ اقبالؔ نے کہا ہے کہ ۔

ہر اِک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں

پس چلتے چلو۔ اب دعا کرو۔ یارب العالمین رحم فرما، آسانیاں عطا فرما۔

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ ونور عرشہٖ سیدنا ومولٰنا حبیبنا وشفیعنا محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔ برحمتک یا ارحم الراحمین۔

۷
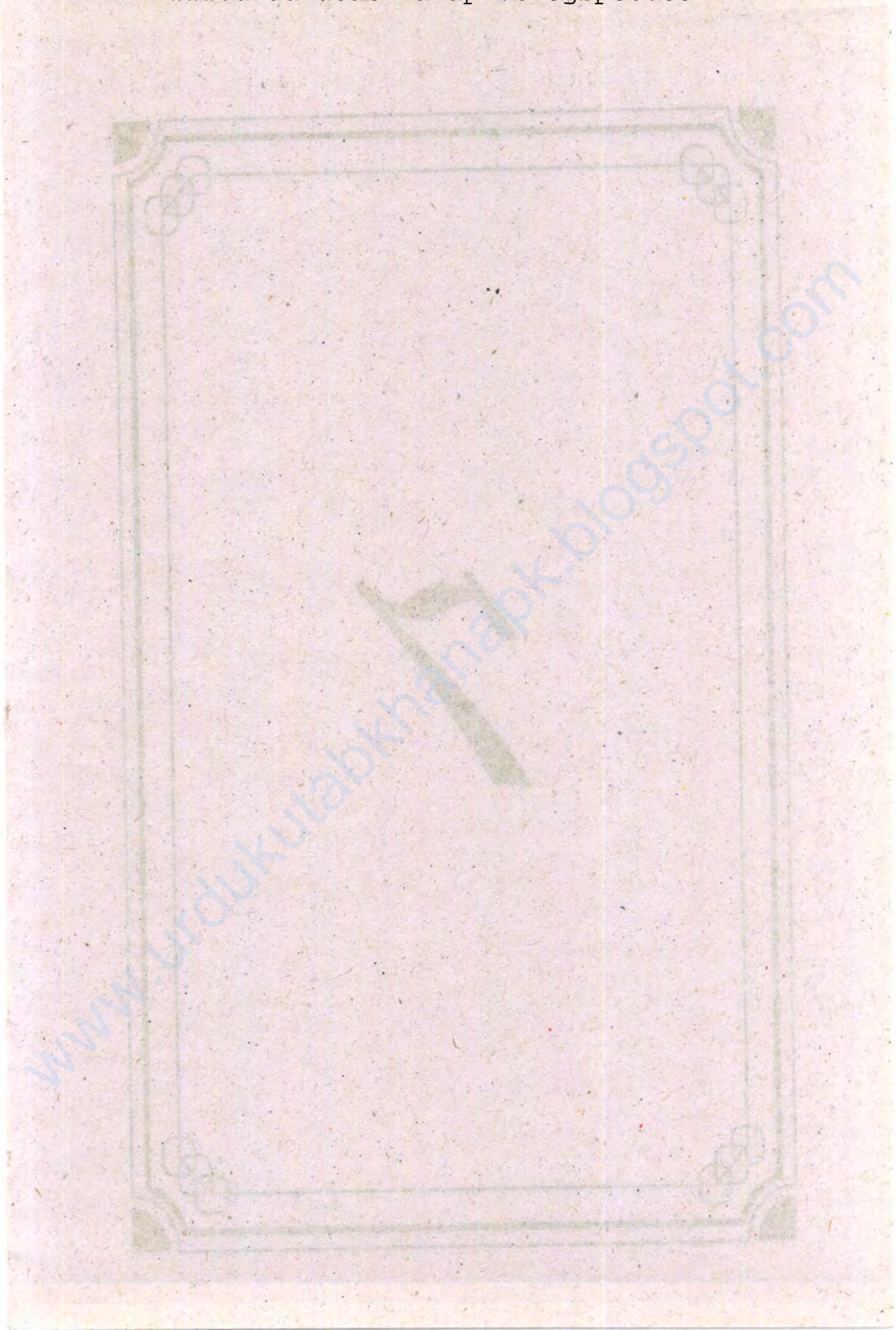
1. انفاق فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟
2. گورنمنٹ کو ٹیکس بھی تو دینے پڑتے ہیں۔
3. آج کل انقلاب کی ضرورت ہے کیونکہ دنیا پس رہی ہے۔
4. یہ جو ہٹے کٹے مانگنے والے ہوتے ہیں کیا ان کو دینا چاہیے؟
5. عناصر اربعہ کیا ہوتے ہیں اور امرِ ربی سے ان کا کیا تعلق ہے؟
6. عناصرِ اربعہ کی پرورش بھی تو رُوح کرتی ہے۔
7. حکم یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز کا ستائیس گنا ثواب ہے لیکن گھر میں کیفیت زیادہ ملتی ہے......
8. سارے لوگ مختلف خیال رکھتے ہیں؟
9. اگر ہم اصلاح نہیں کر سکتے تو علیحدہ تو بیٹھ سکتے ہیں؟
10. جو کچھ آپ نے فرمایا اس پر یکسوئی کیسے پیدا کریں؟

سوال:۔

انفاق فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔

آپ نے اپنی زندگی میں دیکھنا یہ ہے کہ آپ کیا کریں۔ جو چیز آپ کے پاس زندگی کی آسانی کے طور پر موجود ہے اس میں دوسروں کو شریک کریں، خیرات بھی کریں۔ اللہ کے دیے ہوئے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ یہ ضروری ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ تم ہرگز فلاح نہیں پا سکتے جب تک کہ میری راہ میں میرا دیا ہوا پیسہ خرچ نہیں کرتے۔ یہ آسان سی بات ہے۔ جب یہ یقین ہو کہ یہ پیسہ اللہ نے دیا ہے اور خرچ کر کے اسی کو دے رہے ہیں تو دینے میں آسانی ہو جائے گی۔ غریب آدمی کے لیے حکم ہے کہ عبادت کرے اور امیر آدمی کے لیے حکم ہے کہ مال خرچ کرے۔ یہ ہے انفاق، اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔ اور درمیانے لوگ مال بھی خرچ کریں اور عبادت بھی کریں۔

سوال:

گورنمنٹ کو ٹیکس بھی تو دینے پڑتے ہیں۔

جواب:

گورنمنٹ کو دینے کے بعد بھی آپ کا فرض بنتا ہے کہ آپ اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ گورنمنٹ کا کام گورنمنٹ کرے گی۔ آپ کہیں گے کہ پتہ نہیں گورنمنٹ صحیح کام کرتی ہے کہ نہیں۔ آپ کو اگر گورنمنٹ پسند نہ ہو تو کیا آپ گورنمنٹ بدل سکتے ہیں؟ اگر بدل نہیں سکتے تو برداشت کرو۔ پھر جو ہو رہا ہے وہ ٹھیک ہے۔ جس چیز میں آپ کا دخل نہیں ہو سکتا اس کو تو برداشت کرنا پڑے گا۔ باقی دیکھنا یہ ہے کہ عذاب سے بچنے کے لیے آپ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کرتے ہیں۔ یہ بخشش اور بچت کی راہ ہے۔

اور کوئی سوال...... سوال وہ ہو جس کا جواب جاننے سے آپ کے عمل اور آپ کی حالت میں فرق آئے۔ میں علم میں اضافے یا کسی کی بات نہیں بتا سکتا۔ مثلاً سر میں درد ہے تو اس کا علاج ہونا چاہیے۔ پھر سر کی حالت بدل جائے گی۔ سوال وہ ہونا چاہیے جس کا آپ کے ساتھ پرسنل تعلق ہو، حال کا اور خیال کا تعلق ہو۔

سوال:

آج کل انقلاب کی ضرورت ہے کیونکہ دنیا پس رہی ہے۔

جواب:

دنیا کے ساتھ ہی آپ کا حال ہے۔ کئی لوگوں کے پاس مکان ہیں اور کئی لوگوں کے پاس نہیں ہیں۔ تو آپ کا حال اور ہے۔ آپ کی ذات میں کیا دقت ہے؟ ذات کا مطلب ہے انفرادی شکل۔ جہاں تک اجتماعی شکل کا تعلق ہے تو ایک جماعت بن جائے گی۔ اس کا ایک سیکرٹری جنرل ہو گا اور ایک ایڈمنسٹریٹر ہو گا۔ وہ

الگ بات ہے۔ آپ اپنی ذاتی بات کریں۔ ذاتی کا معنیٰ ہے آپ کی ذات کے اندر، آپ کے وجود میں اور آپ کے خیال میں جو بات ہو۔

سوال:

یہ جو ہٹے کٹے مانگنے والے ہوتے ہیں کیا ان کو دینا چاہیے؟

جواب:

جہاں تک آپ کے خیال کا تعلق ہے تو جب کوئی آدمی اللہ کے نام کا سوال کرے تو وہ سائل ہو گیا۔ جو سائل بن گیا اس کو عطا کر دو، دے دو۔ بس یہ کافی ہے۔ کچھ نہ کچھ دے دو۔ صحت مند ہو تو بھی دے دو۔ وہ صحت مند تو نہیں ہے ناں کیونکہ جو آدمی مانگنے پہ آ گیا تو اس کی صحت تو خراب ہو گئی۔ تو وہ صحت مند تو نہ ہوا۔ اس لیے اس کو دے دینا چاہیے۔ مانگنے والا مجبور ہوتا ہے۔ اس کی مجبوریاں زیادہ ہوتی ہیں۔ مجبوری نہ ہو تو خوشی سے کوئی نہیں مانگتا۔ اگر یہ اس کا پیشہ ہے تو یہ بہت مشکل پیشہ ہے۔ اس پیشے کی آمدنی یہ ہے کہ آپ دے دیا کریں۔ اس کا پیشہ کیوں خراب کرتے ہو۔ چلنے دو اس کو۔ اس کو اُس طرح رزق عطا ہو رہا ہے اور آپ کو اِس طرح عطا ہو رہا ہے۔ بس دیتے جاؤ۔ دینے سے رزق کم نہیں ہوتا۔

اور کوئی سوال پوچھو...... بولو......

سوال:

عناصرِ اربعہ کیا ہوتے ہیں اور امرِ ربی سے ان کا کیا تعلق ہے؟

جواب:

عناصرِ اربعہ کا معنیٰ ہے چار کا گروہ اور پانچواں ان کا قائد۔ مثلاً چار یارؓ

اور پانچویں سردار ﷺ۔ عناصرِ اربعہ آپ کے وجود کے حصے بھی ہیں' آگ' مٹی' ہوا اور پانی۔ وہ اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ کبھی کچھ ہو گیا' کبھی کچھ اور ہو گیا۔ وجود کے اندر ان میں پانچواں بھی ضرور ہے اور وہ ہے امرِ ربی۔ اگر ان چار عناصر کا قافلہ رُوح کی اطاعت کرے تو پھر قافلہ چلتا رہتا ہے۔ صحت میں اور بیماری میں بھی چلتا رہتا ہے۔ آپ نے اصل میں یہ دریافت کرنا ہے کہ امرِ ربی کیا ہے؟ وجود کی دنیا تو کافر اور مومن دونوں کی برابر ہیں یعنی جہاں تک عناصر کا تعلق ہے یہ دونوں میں برابر ہیں۔ سردی انگریز کو بھی لگے گی' ہندو کو بھی لگے گی اور آپ کو بھی لگے گی۔ تو یہ سب کو لگے گی۔ صحت اور بیماری سب کے لیے ہے۔ آپ کے مومن ہونے کا اس بات سے تعلق ہے کہ آپ اس بات کو پہچانیں کہ آپ کے اندر اللہ کا کیا حکم نافذ ہے۔ یہیں سے آپ کے سارے چشمے پیدا ہوں گے۔ اور پھر اس دنیا سے اس دنیا کا راستہ بنے گا۔ کیونکہ فانی جو ہے یہ فنا ہو جائے گا۔ وجود کے باقی عناصر جو ہیں وہ ہیت ترکیبی کے مطابق سارے چار کے چار تباہ ہو جائیں گے وہ یہیں سے پیدا ہوئے اور پھر یہیں ختم ہو جائیں گے۔ وہاں جو چیز آگے جاتی ہے وہ آپ کا Conscience ہے جسے آپ رُو ح کہتے ہیں۔ اس لیے یہاں اس کی دریافت کرنی چاہیے۔ اس کی دریافت کے کئی طریقے ہیں' مراقبہ ہے' ذکر ہے' فکر ہے' اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے' اس کی یاد ہے' اس کے ملنے والوں سے ملنا ہے' اپنے قافلے بہتر کرنے ہیں ...... یہ ساری کی ساری جو ہیں روحانی رفعتیں ہیں تاکہ روح زندہ ہو جائے اور عناصر کی ضرورت Suspend ہو جائے یا کم از کم تھوڑی دیر کے لیے معطل ہو جائے۔ کیونکہ ان چار عناصر کی ضرورت پڑتی رہتی ہے' کبھی وجود میں گرمی بڑھ جائے گی' کبھی

سردی بڑھ جائے گی، کبھی پانی کم ہو جائے گا، کبھی پانی بڑھ جائے گا۔ تو واقعات چلتے رہتے ہیں۔ اصل چیز یہ ہے کہ یہ نہ ہو کہ انسان غافل کا غافل چلا جائے۔ تو اس کی روحانی پہچان کا ہونا ضروری ہے۔ جس وقت آپ وجود کی دقتوں سے باہر نکلتے ہیں، وجود کی ضرورتوں سے باہر نکلتے ہیں، وجود کی کیفیات سے باہر نکلتے ہیں تو پھر آپ کو سمجھ آتی ہے کہ وہ پانچویں ضرورت کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ وجود اللہ کی راہ میں جھکنے سے سستی کرتا ہے کیونکہ اس وجود میں مٹی ہے جو دیر کرتی ہے لیکن رُوح جو ہے اس پہ سواری کر کے اسے اپنے حکم پر چلاتی ہے۔ رُوح زندہ ہو تو یہ وجود اطاعت میں چلا جاتا ہے۔ رُوح زندہ نہ ہو تو یہ وجود تو کبھی بھی عبادت نہ کرے گا، نہ آپ کے کام آئے گا اور نہ کسی اور کے کام آئے گا۔ اس لیے آپ یہ دریافت کریں کہ کہیں آپ کی رُوح میں کسی جگہ پر دقت تو نہیں ہے۔ وجود کی دقتوں کو دور کرنے کے لیے تو ہمارے پاس بہت ادارے ہیں مثلاً اگر سر میں درد ہو تو دوا لے لو، پیسے کم ہو جائیں تو کاروبار کر لو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا کم پیسے میں اللہ کا فضل زیادہ نہیں ہو سکتا اور کیا زیادہ پیسے والے باغی نہیں ہو سکتے؟ آپ نے یہ دیکھنا ہے کہ اللہ کا فضل دریافت کرنے کے لیے آپ کے پاس کیا شعبہ ہے۔ تو اس شعبے کو دریافت کریں۔ اس لیے اس کو آپ غور سے دیکھیں۔ انسان اپنے آپ کو بعض اوقات دھوکہ دیتا ہے کہ میں یہ کام کرنے لگا ہوں صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے۔ اور پھر کام میں اتنا محو ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ کو بھول جاتا ہے اور خوشنودی کو بھول جاتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں اللہ کے لیے لنگر پکا رہا ہوں تو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ اس کا مقصد کیا ہے، منفعت کیا ہے اور وہ کیوں پکانا چاہتا ہے، حالانکہ اس نے نام اللہ کا

رکھا ہوا ہے۔ اگر اللہ کا نام رکھا ہے تو پھر جو چیز نہیں پکار ا وہ بھی پکائیے۔ پھر اس کی ساری زندگی وقف کی ایک صورت بن جاتی ہے۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں رہتے ہوئے یہ غور کرے کہ اس کی زندگی کا بہت سارا عمل عناصر اربعہ کے لیے ہے' اجزائے وجود کے لیے ہے' جسم کی آسانی کے لیے ہے' آسائش کے لیے ہے' راحت کے لیے ہے۔ اور اصل ضرورت یہ تھی کہ وہ اپنی روح کے لیے کچھ کرتا۔ غور والی بات یہ تھی۔ اس کائنات میں جب سے مخلوق پیدا ہوئی ہے یہ سلسلہ چلتا آرہا ہے کہ لوگ غافل ہو گئے' وجود کے مشاغل میں مصروف ہو گئے۔ پھر ایک انسان آ گیا اور اس نے اخلاقیات کا درس دے دیا۔ وہ اخلاقیات کا درس کیوں دیتے ہیں؟ تا کہ یہ باغی نہ ہو جائیں' اس لیے ان کو اخلاقیات سکھاؤ۔ اور اسی مخلوق کو جو وجود کے مشاغل میں مصروف تھی' جشن اور کھیل کود' لہو و لعب وغیرہ ان میں کوئی اخلاقیات والا آ گیا اور اس نے کہا کہ اے قوم تم ظالم نہ ہو جانا' ایسا نہ کرو' وعدوں کا پاس کرو۔ تو کچھ اخلاق سکھانے والے آئے اور پھر پیغمبر بھی آئے۔ اب اسی گرینڈ وجود کی' عناصر اربعہ کی اصلاح کرنے کے لیے وہ آ گئے کہ تم اللہ کا فضلِ تلاش کرو' اپنی روح کو تلاش کرو' یہ جو امر ربیؔ ہے اس کو تم تلاش کرو' یہ تمہارے وجود کے اندر ہی ہے' اب یہ سلسلہ Throughout ہی چلتا آرہا ہے۔ آپ کو بات سمجھ آرہی ہے؟

سوال:-

عناصرِ اربعہ کی پرورش بھی تو روح کرتی ہے۔

جواب :-

عناصرِ اربعہ اپنے روٹین میں پرورش پا رہے ہوتے ہیں اور جب تک ان کے اُوپر اِرادہ وارِد نہ ہو تو صرف پرورش تو ایسے ہے جیسے جانوروں میں ہوتی ہے۔ جانوروں کے بھی عناصر اربعہ ہوتے ہیں۔ تو وہ Animals کے بھی ہیں۔ انسانوں کے ہاں جو عناصرِ اربعہ کی پرورش ہے مثلاً چھوٹے قد سے بڑا قد ہو جانا، بچپن سے جوان ہو جانا، یہ روح کا کام نہیں ہے بلکہ یہ فطرت ہے۔ وہ فطرت جانوروں کو بھی پال رہی ہے۔ وہ فطرت بیج سے درخت بنا رہی ہے، چھوٹے پرندے سے بڑا پرندہ بن جاتا ہے، انڈے سے پرندہ نکل آتا ہے، تو یہ وہ فطرت ہے۔ رُوح کا تعلق پہچان کے ساتھ ہے کہ ایک خالق کی پہچان کرو، یہ پہچانو کہ تم اپنے آپ کے مالک نہیں ہو، تم یہ بات پہچاننے کے لیے آئے ہو کہ تمہیں اللہ نے پیدا کیا، ایک ذات نے پیدا کیا، یہاں آپ کا آنا کس مقصد سے ہے اور پھر آپ نے یہاں سے جانا ہے۔ اس لیے جسم کا Develop ہو جانا جو ہے اس کو رُوح نہیں کہتے۔ رُوح کہتے ہیں آگاہ ہو جانے کو۔ کس بات سے آگاہ ہو جانا؟ کہ پیدا ہونے کا کوئی مطلب بھی ہے، صرف پیدا ہو کے بڑا ہو جانا تو مقصد نہیں ہے۔ یہ نہ کہنا کہ اس نے پیدا کر دیا، اس کا فرض پورا ہو گیا اور ہم اپنا کام کر رہے ہیں، یہی اس کا فضل ہے، اور کیا فضل ہوتا ہے ...... یہ بات نہیں ہے۔ یہ نہیں ہے کہ آپ بڑے ہو گئے، نوکری بھی کر لی، یہ تو ساری دنیا کرتی رہتی ہے۔ پھر بچوں کی شادیاں کر دیں، یہ بھی ساری دنیا کرتی رہتی ہے۔ مکان بنا لیا، تو یہ بھی سب لوگ کرتے رہتے ہیں۔ اور پھر چپکے سے مر گئے۔ تو یہ بھی سارے لوگ کرتے رہتے ہیں۔ اس کا نام زندگی نہیں ہے۔ یہاں تک تو مسلمان

اور غیر مسلمان برابر ہیں۔ صرف نماز کا بھی فرق نہیں ہے کیونکہ غافل آدمی کی نماز ہونا یانہ ہونا برابر ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ تم نے پہچان کی یانہیں کی، تسلیم کیا کہ نہ کیا۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ عین ممکن ہے کہ ایک آدمی تمہیں نمازوں میں بہت بہتر نظر آئے، اس کی نمازیں تمہیں اپنی نمازوں سے بہت بہتر نظر آئیں لیکن ہوسکتا ہے کہ اس کا دل سیاہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف عبادت کی بات نہیں ہے بلکہ دل کی سیاہی دور کرنے کی بات ہے۔ اس کو روح کہتے ہیں۔ یعنی کہ جمالِ حق یا جمالِ خالق کو پہچاننے کا ذریعہ اعضائے انسانی نہیں ہیں بلکہ رُوح ہے۔ مطلب وہ واقعہ کہ جو سب مذہب والوں کے ساتھ ہوتا ہے وہ بصری واقعہ ہے۔ آپ نے صرف تقاضائے بشریت دریافت نہیں کرنا کیونکہ تقاضائے بشریت تو سب کے ساتھ Common ہے۔ آپ نے یہ دریافت کرنا ہے کہ مالک کا، اللہ کا، آپ کے ساتھ کس حد تک تعلق ہے۔ آپ کے لیے اس مالک نے دین بھیجا ہے، اس نے پیغمبروں کو بھیجا ہے اور آپ کے لیے حضور پاک ﷺ کو بھیجا گیا ہے تاکہ آپ ان کی اُمت سے ہوں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ کا یہ اللہ جو ہے اس کا آپ کے ساتھ کس حد تک تعلق ہے؟ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ صرف یہ نہیں کہ سرسری تعلق ہو کہ آپ گئے اور نماز پڑھ کے چلے آئے اور زکوٰۃ بھی دے آئے، ورنہ گورنمنٹ خود نکال لیتی ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر آپ اللہ کی پہچان نہیں کرتے تو عبادت کے باوجود وجود کی دنیا میں گمراہ ہونے کا امکان ہے۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ایسا آدمی عبادت کر رہا ہوتا ہے لیکن گمراہ ہو گیا، سخاوت کر رہا ہے لیکن ظالم ہو گیا۔ اب آپ پوچھیں گے کہ یہ کیسے ہو گیا؟ وہ یہ سخاوت کرتا ہے کہ ہر روز پیسے تقسیم کرتا

ہے لیکن کمانے کے عمل میں ظالم ہے' دوسرے کا حق رکھ لیتا ہے۔ جب کسی کام میں نفع یا منفعت زیادہ نکل آئے یا کام میں ملاوٹ کے ذریعے مال مہیا کر دے تو یہ ظلم کی بات ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ظالم ہونا صرف بیچنے میں نہیں ہے بلکہ خریداری میں بھی ہے' پروڈکشن میں بھی ہے' اس طرح دوسرے واقعات میں بھی ہے۔ کسی آدمی کا حصہ روک لینا بھی ظلم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسانوں کی دنیا میں اپنے کام کو اللہ کے حوالے کرنا بڑا مشکل ہے۔ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے حکم پر تو اپنی جان پر کھیل سکتے ہیں مگر بچوں کو پالنا بھی اللہ کا حکم ہے' ان کے لیے ہم یہ کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس سب کو پہچاننا چاہیے۔ اور سب سے زیادہ غور والی بات یہ ہے کہ کسی چیز کو تنظیم بنا دینا بھی کوئی فرض نہیں ہے۔ آپ یہ دیکھیں کہ دنیا کی اصلاح کے لیے اللہ کی طرف سے کتنے پیغمبر آئے۔ کیا دنیا کی اصلاح ہوگئی؟ کیا وہ اصلاح نہیں کر سکے۔ یہ تو آپ کہہ نہیں سکتے۔ ہوا یہ کہ جب پیغمبر آئے تو ماننے والوں کو ماننے والوں کی دولت مل گئی اور باغیوں کو بغاوت کی لعنت مل گئی اور وہ آگ کا میٹیریل بن گئے۔ آپ یہ دیکھیں کہ آپ کو آپ کا علم کیا دے رہا ہے۔ دوسروں کے لیے دعا کرو۔ میں آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ یہ عناصرِ اربعہ بڑے کام دکھاتے ہیں۔ وجود کی تمنا جو ہوتی ہے یہ چور ہوتی ہے۔ انسان اپنے آپ کو عابد سمجھتا ہے' عابد کہلاتا ہے' عابد ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے اور کرتا چوری ہے۔ میری یہ بات سمجھ آئی؟ یہ ہو سکتا ہے کہ انسان سب سے بڑا دھوکا اپنے آپ کے ساتھ کرے اور یہ عبادت کے انداز میں کرتا ہے۔ کس انداز میں؟ عبادت کے انداز میں۔ پھر حقوق ادا کرنے کے انداز میں دھوکا کر سکتا ہے۔ یعنی کہ اپنی ساری زندگی کو پوری طرح

اللہ کے حوالے نہ کرے تو صرف خالی عبادت سے بات نہیں بنتی۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں کہ نہیں سمجھ رہے؟ آپ سارے پیغمبروں کو دیکھیں، ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کو دیکھیں، ماننے والے لے دے کے پھر قلیل کے قلیل ہیں۔ اتنی بات آپ کو سمجھ آتی ہے کہ نہیں آتی۔ یعنی کہ وجود کے جو عناصر ہیں، عناصر اربعہ جو ہیں وہ اپنا گل کھلاتے رہتے ہیں اور رُوح کی دنیا کے اندر صرف چند آدمی داخل ہوتے ہیں۔ یہ آدمی گنتی کے ہوتے ہیں۔ اس بات میں تعداد کا کوئی دخل نہیں ہے۔ رُوح کی دنیا میں کیا ہے؟ اس میں تعداد کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ مقدار کی بات نہیں ہو رہی بلکہ یہ معیار کی بات ہے۔ لہٰذا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ لوگوں نے مقدار کی بات نہیں کرنی۔ اب اس مقدار کو یہ کہتے ہیں کہ جس نے مال کو جمع کیا اور مال کو گِنا تو وہ عام طور پر گمراہ ہو جائے گا۔ تو مال کو جمع کرنے والا بالعموم گمراہ ہو جائے گا۔ عبادت کرتے کرتے انسان بعض اوقات عبادت کی نمائش کر بیٹھتا ہے۔ یہاں پہ گرنے کا اندیشہ ہے۔ تو عبادت کے انداز میں بھی انسان دھوکا کھا سکتا ہے۔ اللہ کی راہ میں گمراہی کا زیادہ امکان اس وقت ہوتا ہے جب خدا کا نام لے کر خدا کے لیے کسی کام کو کرنے کا جواز انسان بنا لے مثلاً کوئی یہ کہے کہ ہم اللہ کے دین کے لیے ایک انتظام کر رہے ہیں، ایک جماعت بنا رہے ہیں، تا کہ دین زندہ ہو جائے اور اگر اس کام کی اس انسان میں اہلیت نہ ہو اور وہ اس پر فائز نہ ہو تو نا اہل اور غیر فائز بندہ اس میں فساد پیدا کر دے گا۔ تو جو نا اہل ہے، غیر فائز ہے، تفویض نہیں ہوا، خود اُٹھ کے علم دین کی کہانی سنانا شروع ہو گیا، With the result کہ وہ لوگوں کو دین سے متنفر کرے گا۔

سوال:-

وہ دین سے کس قدر متنفر کر سکتا ہے؟

جواب:-

اس کے لیے ایک چھوٹی سی کہانی سن لو۔ مولانا رومؒ نے یہ کہانی لکھی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ صحرا میں دو قافلے پاس پاس آ کے ٹھہرے۔ ایک قافلہ یہودیوں کا تھا اور دوسرا قافلہ مسلمانوں کا تھا۔ مسلمانوں نے رات کو پڑاؤ کیا اور صبح حسب معمول اذان ہوئی۔ نماز ادا کی۔ کچھ وقت کے بعد یہودی قافلے کا نوکر آیا اور پوچھا کہ آپ کا سردار کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ شخص سردار کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ ہمارے سردار نے آپ کے لیے نذرانہ بھیجا ہے' تحفہ بھیجا ہے۔ سردار نے پوچھا یہ کیوں؟ نوکر نے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو وہ خود آ کر آپ سے بات کر لیں گے۔ مسلمانوں کے سردار نے کہا کہ ہم تحفہ قبول نہیں کرتے' پہلے اس کو بلاؤ تاکہ پتہ چلے کہ کیا بات ہے۔ پھر ان کی ملاقات ہوئی۔ یہودی سردار نے کہا کہ ہم آپ کو یہ نذرانہ دینا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا کیوں؟ یہودی نے کہا کہ آج رات ہم آپ کے پاس رہے ہیں' اس سے ہماری بڑی الجھن دُور ہو گئی ہے۔ اس نے پوچھا کیا الجھن تھی؟ یہودی نے کہا کہ میری بیٹی بیمار تھی اور آج صبح اس کی صحت ٹھیک ہو گئی۔ وہ کیسے؟ آپ کی طرف سے اذان کی آواز آئی تو وہ ٹھیک ہو گئی۔ اسے کیا بیماری تھی؟ اُسے بیماری یہ تھی کہ وہ اسلام سے متاثر ہو گئی تھی اور اُسے اسلام سے بڑا پیار ہو گیا تھا' اس نے تعلیم بھی حاصل کر لی تھی' آج صبح جس مؤذّن نے کرخت آواز میں اذان دی تو میری بیٹی اسلام سے واپس

آ گئی اور پھر یہودی ہوگئی......تو صرف کرخت آواز کا مؤذّن اپنی آواز کے ذریعے لوگوں کو پورا متنفر کر سکتا ہے۔ جس کے دل میں خلوص نہ ہو، پاکیزگی نہ ہو، جس نے قتل کیا ہو، پورا قاتل ہو اور قتل کر کے کسی مسجد میں آ کے بیٹھ جائے، داڑھی رکھ کے خود کو چھپا کے بیٹھ جائے تو وہ جب اذان کہے گا تو اذان میں اثر تو نہیں ہوگا۔ اسلام کے نام پر تنظیم بنانے والے، اسلام کی خیر خواہی میں، اس تنظیم میں شامل نہ ہونے والوں کو غیر مسلم کہیں گے۔ مثلاً کوئی یہ ہے کہ مسلمان تنظیم ہے اور جو اس میں شامل نہیں ہوگا اسے وہ کیا کہے گا؟ کہ تم غیر مسلمان ہو۔ کیونکہ مسلمان تو ہماری تنظیم میں شامل ہیں۔ اس لیے اپنی تنظیم کو مسلمان تنظیم کہنا، اسلامی تنظیم کہنا روا نہیں کیونکہ ہم سب پہلے ہی ایک تنظیم کے ممبر بن چکے ہیں یعنی حضور پاک ﷺ کی تنظیم کے ممبر ہیں۔ اب آپ نے نئی تنظیم کیا بنانی ہے۔ جب ہم سارے اس تنظیم کے ممبر ہیں تو اس کے بعد Sub-Tanzeem بنانا کسی کو زیب نہیں دیتا۔ تو وہ اسلام کے نام پر اسلام سے منحرف کریں گے۔ ایک آدمی دوسرے آدمی کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ آپ ذرا کلمہ سنا دیں۔ اس نے کہا کہ جو میں نے پہلے کلمہ پڑھا ہوا ہے وہ کہیں غائب ہو گیا ہے؟ مسلمانوں کے گروہ سے ایک جماعت اُٹھ کے باقیوں سے باز پرس کرنا شروع کر دے تو وہ بدظنی پیدا کرے گی۔ یعنی کہ مسلمانوں میں آج تک ایسا نہیں ہوا کہ مسلمانوں کو کسی دوسرے مسلمان سے اپنے اسلام کا سرٹیفیکیٹ لینا پڑے۔ آپ کا مسلمان ہونا آپ کے اور آپ کے اللہ کے مابین بات ہے، آپ کے اور آپ کے رسول ﷺ کے مابین بات تھی اور اب یہ بات آپ لوگوں کے مابین کر دی گئی ہے کہ جواب دو کہ تم کون سے فرقے سے تعلق رکھتے ہو۔ گویا

کہ آپ کا مسلمان ہونا اب اللہ تعالیٰ کے علاوہ لوگوں سے بھی جواب دہ ہے۔ تو اسلام کے نام پر یہ ایک صورت پیدا ہوگئی ہے۔ آپ کو میں یہ بتاتا ہوں کہ ہم سب اسلام کے گروہ کے لوگ ہیں۔ دیو بند ایک قصبہ ہے جو ہندوستان میں ہے اور بریلی بھی ہندوستان میں ہے۔ آپ کی دونوں تبلیغیں اور تعلیمیں وہاں سے ہوئی ہیں۔ شیعہ جو ہے یہ حضور پاکؐ کے زمانے میں نہیں تھے۔ یہ بھی بعد کی بات ہے۔ اور پھر شیعہ کے مقابلے میں سُنی بنا ہوگا۔ پہلے تو سب مسلمان تھے۔ پھر شیعہ بن گئے، سنی بن گئے، اہل حدیث بن گئے۔ اسلام تو بہت کافی تھا۔ اب جب تم شاخ شاخ تقسیم ہو چکے ہو تو اب تم وحدت الوجود میں کیسے آ ؤ گے۔ اب استغفار کر کے صرف مسلمان ہو جاؤ۔ فرقے سے توبہ کر کے مسلمان ہو جاؤ۔

سوال:-

یہ جو آپ نے بات کی ہے تو اس سے تو ہمارا ایک علیحدہ ادارہ بنتا ہے۔

جواب:-

یہ وہ ادارہ ہے جو ادارہ شکن ہے۔ یہ ادارے توڑنے والا ادارہ ہے۔ اس ادارے کا کوئی نام نہیں بنتا۔ آپ لوگوں کو جماعت سازی کی پرانی بیماری ہے۔ اب جماعت سازی نہیں بلکہ جماعت سوزی ہے۔ اب جماعت کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ہیرا پھیری بند کرو۔ اب یہ سب بند کرو۔ سیدھا سادا مسلمان ہونا شروع کرو۔ ہر جماعت سے، ہر فرقے سے، ہر گروہ سے اور ہر فقہی فرقے سے علیحدہ ہو جاؤ۔ مطلب یہ کہ پہلی تنظیم یہ ہے کہ ہم انسان، دوسری تنظیم یہ کہ ہم مسلمان۔ اور یہ بہت کافی تنظیم ہے۔ اس وقت آپ گروہ در گروہ ہیں۔ مثلاً آپ چشتی ہیں،

قادری ہیں، نقشبندی ہیں، تو یہ سارے اسماء بزرگوں کے نام سے چلتے ہیں۔ اور وہ بزرگ کیوں ہیں؟ حضور پاکؐ کی وجہ سے اور ان کے لیے۔ انہوں نے آپ کو کیا بتایا؟ کہ اللہ کے حبیب پاکؐ کے راستے پر چلو۔ ایک وقت تک چشتیوں کو چشتی بنا کے رکھنا اس وقت کی بڑی ضرورت تھی۔ وہ گروہ تھا ہندوؤں کے زمانے میں۔ ان کو ایک تشخص دیا گیا کہ یہ ہمارا گروہ ہے، اسے کچھ نہ کہا جائے۔ اب جب آپ کے پاس مسلمانوں کا علاقہ آ گیا، اب ان تمام تعلیمات کو آپ جاری رکھو لیکن اسماء کو ایک ہی سمت دے دو۔ لیکن یہ ابھی نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حکومت اسلام کا نفاذ چاہتی ہے تو حکومت جس طرح کا اسلام چاہتی ہے اس طرح کا اسلام آپ کو درکار نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اسلام کے اندر ہی بیانات میں اتنا فرق ہے کہ یہ Define کرنا مشکل ہوگا کہ اسلام کیا ہے یعنی کہ Pure اسلام کیا ہے۔ مثلاً یہ کہ اسلام میں غیر مسلم کون ہوتا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب عدالت میں یہ فیصلہ ہونے گیا کہ مسلمان کون ہے تو جج نے بہت لمبا چوڑا لکھا، بے شمار صفحے لکھ ڈالے کہ مسلمان کون ہے۔ تو وہ Define کرتا رہا مگر Define نہیں ہوا۔ اس کا مقصد یہ ہوا کہ مسلمانوں میں سے کچھ نے اسلام کے نام پر اور روح کے نام پر وجود کی پرستش کی ہے۔ نام کیا رکھا؟ روح۔ اور کام کیا کیا؟ بدن۔ یہ واقعات ہوتے رہے ہیں۔ اب لوگ اگر دانا ہیں تو آپ یہ کام کریں کہ روح کے لیے روح کا کام کریں۔ تو میں نے آپ کو یہ بتایا ہے کہ عبادت کے نام پر بھی انسان گمراہ ہو سکتا ہے، تنظیم کے نام پر بھی گمراہ ہو سکتا ہے، انسانوں سے نفرت پیدا کر سکتا ہے، اچھائی کے نام پر برائی کر سکتا ہے، اپنے آپ کو دھوکا دینے کے لیے اپنے اندر بہت ساری خوبیاں اختیار

کر سکتا ہے جن سے وہ اپنی خامیوں کو Cover کرے گا۔ ان باتوں کے ذریعے وہ
اکثر اپنے آپ کو دھوکا دیتا رہتا ہے۔ یہاں پر مسلمانوں کے گروہ میں یہ ہوا کہ
مسلمانوں نے اسلام کے نام پر اس کے اندر ملاوٹ کی ہے اور یہ کہا کہ یہ یوں
ہوا تھا اور وہ یوں ہوا تھا۔ اب اتنا فرق آ گیا ہے کہ کچھ لوگ اس حد تک چلے گئے
ہیں کہ اسلام کی ضرورت ہی نہیں ہے اور کچھ لوگ اس حد تک چلے گئے کہ اس کے
علاوہ کچھ ہے ہی نہیں۔ کچھ لوگ کہیں گے کہ جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی من
ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر اس نے کفر کیا اور دوسرے یہ کہتے ہیں کہ جس نے
ایک دفعہ دل سے کلمہ پڑھ لیا وہ مسلمان ہو گیا۔ من قال لاالٰہ الا اللہ فقد دخل
جنۃ۔ یہ دونوں حدیثیں ہیں۔ مگر یہ ساری باتیں پہچان کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔
اس لیے ان باتوں کو ذرا غور سے دیکھو اور آپ اپنے آپ کو پہچانو۔ میرا مقصد یہ
ہے کہ جو بزرگانِ دین ہیں، اولیائے کرام ہیں، یہ وجود کی دنیا کے لیے نہیں آئے، یہ
آپ کی رُوح کی دنیا کے لیے آئے ہیں۔ تو جب تک آپ کی رُوح کے اندر اسلام
نہیں آئے گا آپ کا بدن اسلام میں داخل نہیں ہوگا۔ زبانی کلمہ پڑھنے سے بات
نہیں بنے گی جب تک روح نے کلمہ نہ پڑھا۔ تو رُوح جب تک مسلمان نہ ہو تو اسلام
نہیں آتا۔ تو رُوح مسلمان ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی منشا اور رضا سمجھ آ جاتی ہے ورنہ تو
آپ اللہ سے تقاضا ہی کرتے جاؤ گے۔ وہ تو پھر اللہ ہے، وہ تمہارے اوپر معیشت کی
سختیاں پیدا کر دے گا۔ معیشت کی سختیاں کیا ہوتی ہیں؟ انسان کو پیسہ تو ملتا ہے
مگر وہ بھاگتا رہتا ہے۔ ایک آدمی پر بادشاہ خوش ہو گیا۔ اس نے کہا دیکھو میں تم
راضی ہوں، تمہیں کیا چاہیے؟ اس نے کہا جو آپ کی مرضی۔ بادشاہ نے کہا میں

تمہیں زمین دیتا ہوں' یہاں سے تو جتنی دوڑ لگا لے اتنا علاقہ تیرا ہے۔ وہ شخص دوڑتا گیا اور دوڑتا رہا اور پھر اس دوڑ میں ہلاک ہو گیا۔ تو بعض اوقات آسان زندگی کے امکانات آپ کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنا۔ زندگی کو آسان بنانے کے امکانات زندگی کو مشکل بنا دیتے ہیں۔ انسان جو ہے وہ اللہ کے قریب ہونے کے اندازے کے ساتھ دور ہو جاتا ہے۔ دل مومن نہ ہو اور اللہ کے دربار میں چلا جائے' خانہ کعبہ چلا جائے تو وہاں جا کے غلطی کر بیٹھے گا اور گستاخی ہو جائے گی۔ اس لیے وہ لوگ بہت اچھے ہیں جو پہلے اپنے دل کی اصلاح کرتے ہیں' رُوح کی اصلاح کرتے ہیں۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ ہم اس قابل کہاں۔ جب تک گستاخی کا امکان دور نہ ہو' عبادت نہیں بنتی۔ اس لیے آپ اپنے آپ کو اور غور سے دیکھیں' اور غور سے دیکھیں۔ دوسروں کے دین پر تبصرہ نہ کرنا۔ وہ جانیں اور ان کا کام جانے۔ اپنے آپ کی نبھائیں اور آپ کو کسی کی پرواہ نہ ہو۔ آپ اپنے طور پر دیکھیں کہ آپ جس دین کے اندر داخل ہو گئے آپ کو اس بات کی سوجھ بوجھ ہے کہ نہیں ہے۔ اپنا چراغ جلاؤ۔ اپنی روح کو دریافت کرو۔ اپنے امرِ ربی کے ساتھ وابستگی رکھو۔ پھر آپ کو بات سمجھ آتی ہے کہ کیا ہے۔ یہ اتنی آسان بات نہیں ہے۔ اس کام کے لیے اللہ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر تیار کر کے بھیجے۔ آپ یہ بات سمجھ لیں۔ تو یہ اتنی آسان بات نہیں ہے۔ اسلام کا واضح طور پر بتایا گیا کہ یہ قرآن ہے اور یہ حضور پاکؐ کی تعلیم ہے۔ حضور پاکؐ کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ ریکارڈ میں ہے' لفظ وہی ہیں مگر اسلام بدل گیا۔ قرآن وہی ہے لیکن مفہوم بدل گیا۔ اس کو بدلنے والا بہت چالاک ہے' وہ اس کو اسلام کی تنظیم کی صورت میں بدلتا

ہے' اسلام کے نام پر بدلتا ہے۔ آج جہاد ہو رہا ہے' ایک مسلمان ملک دوسرے کے خلاف جہاد کر رہا ہے' عراق ایران کے خلاف اور ایران عراق کے خلاف۔ تو یہ ''جہاد'' ہو رہا ہے اور آپ کے سامنے ہو رہا ہے' مسلمان مر رہے ہیں۔ اسلام کے نام پر مسلمانوں نے اسلام کو بہت سخت تکلیف پہنچائی ہے۔ اسلام ہی کربلا ہے' دونوں طرف مسلمان ہیں۔ آپ اندازہ لگائیں کہ امام عالی مقامؑ کو شہید کرنے والے کہتے تھے کہ جلدی کام ختم کرو کیونکہ پھر نماز بھی پڑھنی ہے۔ تو انہوں نے کیا نماز پڑھنی ہے اور وہ کیسے مسلمان ہیں۔ یہ نماز والے کام تو نہیں ہیں۔ تو آپ یہ بات سمجھیں۔ آپ اپنا زمانہ دیکھیں جس میں آپ ہیں' اس میں بادشاہ سلامت اسلام کے نام پر بادشاہ بنے بیٹھے ہیں۔ پتہ نہیں جمہوریت ہے کہ مارشل لاء ہے' حکمرانوں کے وعدے پورے ہوتے ہیں کہ نہیں ہوتے۔ تو یہ سارے واقعات ہیں۔ سیاسی لوگ کچھ اور کہتے ہیں۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے نام پر یہ کیا واقعہ ہوا۔ اس میں ساری سیاسی جماعتیں بھی شامل ہیں۔ حکمرانوں کے خلاف جتنی جماعتیں ہیں اندر سے وہ لوگ سارے اپنی درخواستیں منظور کراتے ہیں۔ بظاہر مخالف ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس دور کو نہیں مانتے مگر پھر درخواست اندر لے جائیں گے۔ بچہ داخل کرانے کے لیے تم لوگ لیڈر آف دی اپوزیشن کے پاس جاؤ کیونکہ یہ عام طور پر کام کرا لیتے ہیں۔ بادشاہ کے خلاف بولنے والوں کے بادشاہ کے ساتھ بڑے تعلقات ہوتے ہیں۔ سامنے کا بولنا اور ہے' اندر کے تعلقات اور ہیں۔ اگر اتنے بندے بادشاہ کے خلاف بولیں تو کیا بادشاہ' بادشاہ رہ سکتا ہے' صدر' صدر رہ سکتا ہے؟ یہ سارا سرسری خلاف بولنا ہے' یہ سب ایک یونٹ

ہے' پورے کے پورے ٹیلی فون رابطے ہوتے ہیں۔ یہ صرف آپ لوگوں کو بتانے کے لیے کرتے ہیں کہ دیکھو کیا ہونے والا ہے۔ اور آپ لوگ سوچتے ہیں کہ شاید کوئی انتخاب ہونے والا ہے یا کچھ اور ہونے والا ہے' کوئی نیا دور آنے والا ہے۔ آپ کا نیا دور کیا ہوتا ہے' وہی پرانا دور ہی ہوتا ہے۔ مثلاً ایک سیاسی جماعت ہے جو پاکستان بننے سے بھی پہلے بنی ہے' اس جماعت کا مقصد ہے دین یا سیاست' لیکن اب تک اس کی اقتدار کی باری نہیں آئی۔ کیوں نہیں آئی؟ اس لیے نہیں آئی کہ ''وہ'' اسے آنے نہیں دیں گے۔ ''وہ'' کون ہیں؟ اگر ''وہ'' بھی مسلمان ہوں تو پھر یہ کون سا اسلام ہے۔ ایک اور دینی جماعت کو لے لو۔ وہ بھی دینی تنظیم ہے۔ ایک اور بھی جماعت ہے۔ یہ سارے کے سارے حکومت چاہتے ہیں لیکن انہیں نہیں ملی۔ اس کا مطلب کیا ہوا؟ اگر اسلام کے نام پر کوئی جماعت آرہی ہے تو یا تو اسلام نہیں چاہتا کہ یہ لوگ آگے آئیں یا پھر یہ اسلام نہیں ہے یا یہ ہے کہ یہاں پر اسلام کے مخالف بیٹھے ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حکومت اسلام نافذ کرنا چاہتی ہے تو کیا آپ لوگوں نے روکا ہے؟ تو کس نے روکا ہے؟ یا تو انہیں پتہ نہیں ہے کہ کیسے اسلام نافذ کیا جائے یا پھر روکنے والے یہیں پر رہتے ہیں۔ تو وہ کون ہیں؟ ان کا آپ پتہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ جب حکومت نافذ کرنا چاہتی ہے تب اسلام نافذ نہیں ہوتا' پرائیویٹ سطح پر نافذ کرنا چاہتے ہیں تو بھی نافذ نہیں ہوتا۔ تو What is that Islam جو مسلمانوں پر نافذ نہیں ہو رہا وہ کون سا اسلام ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی بات غور والی ہے۔ یا تو یہ مسلمان نہیں یا پھر وہ اسلام نہیں۔ آپ کو بات سمجھ آرہی ہے؟ کہ یہ ملک مسلمانوں کے لیئے اور اسلام کے

لیے بنایا گیا اور اسی کے اندر اسلام نافذ نہیں ہو رہا۔ تو یہ کیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ جس طرح آپ اسلام کو Define کر رہے ہیں تو یہ تو اس طرح نافذ نہیں ہوگا۔ اور جس طرح نافذ ہوگا اس طرح آپ Define نہیں کر سکتے' آپ کو وہ Definition نہیں آتی کہ اسلام کس طرح نافذ ہوتا ہے۔ اور خلیفة فی العرب جیسا بھی آپ بنا نہیں سکتے اور ویسے آپ بن نہیں سکتے۔ ان کے پاس مقامات اور ہیں۔ جس طرح کا بھی ان کے پاس اسلام ہے وہاں ان کے پاس دو مقدس مقامات کا ہونا بھی بڑی بات ہے۔ وہ ہیں مسلمان ممالک اور آپ ہیں اسلامی ملک۔ مسلمان ممالک اور ہوتے ہیں' اسلامی ملک اور ہوتے ہیں۔ وہ پیدائشی طور پر قوم ہیں اور آپ 1947ء میں قوم بنے ہیں۔ اگر آپ یہ کہیں کہ وہاں پر صحیح اسلام نہیں ہے تو کم از کم جو کچھ بھی ہے وہ نافذ ہوگا۔ ایک نظام تو چل پڑا ہے۔ لیکن آپ کا نظام تو نہیں چلا۔ کیوں نہیں چل رہا؟ اس لیے کہ آپ نے ایک نظریے کے مطابق ملک بنایا اور جب نظریے سے انحراف کریں گے تو ملک نہیں رہے گا۔ اور پھر آپ کو وہ نظریہ Define کرنا آتا نہیں ہے۔ آپ کو صرف جھگڑا آتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ساری پارٹیاں Ban کر دی جائیں تو یہ ناممکن ہے۔ ایسا حکمران آتا نہیں ہے جو غریب علاقے کا رہنے والا ہو' ایک دن وہ سائیکل پہ جائے گا اور دوسرے دن ہوائی جہاز پہ جائے گا۔ جیسا کہ سب Define کرتے رہتے ہیں جب تک وہ صاحبِ کردار نہیں آئے گا تب تک یہ کام نہیں ہوگا۔ صاحبِ کردار ہونا آپ کو مشکل لگتا ہے۔ اس لیے آپ کو روحانی پہچان کی سخت ضرورت ہے۔ اس کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ اور آج کل جتنے علماء ہیں اور مشائخ کرام

ہیں ان کو کیوں دِقت ہو رہی ہے؟ ہر آدمی دوسرے سے مختلف ہے۔ مثلاً سارے پیر صاحبان ہیں، تو سارے پیر ایک کو چن کر پیروں کا پیر بنا لیں۔ مگر آپ نہیں بنا سکتے۔ سارے علماء مل کے ایک عالم دین کے پیچھے نہیں چل سکتے۔ مقصد یہ ہے کہ جس اسلام میں علماء اور مشائخ الگ الگ ہوں تو وہ اسلام کیسے چلے گا۔ کہتا ہے کہ یہاں کون ہیں؟ کہتا ہے یہ مشائخ کرام ہیں۔ اور وہ کون ہیں؟ کہتا ہے کہ وہ علماء ہیں۔ تو پیر الگ ہیں اور عالم دین الگ ہیں۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ نے دیکھا ہوگا کہ یہ مشائخ کانفرنس ہوگئی، یہ علماء کانفرنس ہوگئی اور ایک اسلامی دانشوروں کی کانفرنس ہوگئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں طبقے طبقے ہوگئے ہیں۔ آپ یہ دعا کریں کہ یارب العالمین یہ طبقے ختم ہوں، یہ فرقے ختم ہوں اور سارے مسلمان ہو جائیں۔ اور اسلام سادہ ہو جائے۔ سادہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ دوسرے کو نقصان نہ پہنچائیں اور دوسرا آپ کو نقصان نہ پہنچائے، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور مرنے کی تیاری کرو۔ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس میں دِقت والی کیا بات ہے؟ کہ عبادت اللہ کی کرو اور زندگی کو آسان بنالو، اتنی زندگی پھیلاؤ کہ پھر مرنا آسان ہو۔ ایسے نہ پھیلتے جانا کہ پھر جان دینا مشکل ہو جائے۔ اتنا کام پھیلاؤ جتنا سمیٹنا آسان ہو۔ یہ نہ ہو کہ اندازے سے بہت زیادہ پھیل جاؤ۔ اپنا پھیلاؤ کم کرو۔ آپ کو ایک نسخہ بتاتا ہوں۔ اگر پیسہ کمانے میں ذرا دقت ہونی شروع ہو جائے تو سمجھو کہ غلطی ہوگئی ہے۔ اللہ جب دیتا ہے تو آسانی میں دیتا ہے۔ جب دقت والی بات ہو جائے تو سمجھو کہ کوئی غلطی ہوگئی۔ جب نماز پڑھنے میں تردّد پیدا ہو جائے تو سمجھو کہ دِقت پیدا ہوگئی۔ لُطف کے ساتھ رُوٹین میں نماز، لطف کے ساتھ عبادت، لطف

کے ساتھ کمائی ہو اور لطف کے ساتھ زندگی بسر ہو تو پھر ٹھیک ہے۔ تو مشکلات جو ہیں یہ روحانی نہیں ہوتیں۔ رُوح میں داخل ہونے والی مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔ اس لیے آپ اپنے آپ کو دوبارہ پہچانیں، دوبارہ جائزہ لیں۔ کیا جائزہ لینا ہے؟ کیا آپ کو کسی آدمی کے ساتھ نفرت تو نہیں ہے؟ کیا آپ کو اپنے آپ میں دقت تو نہیں ہے؟ کیا آپ کو اپنے ماضی کے حالات پریشان تو نہیں کرتے؟ یعنی اگر گناہ پریشان کر رہے ہیں تو ابھی توبہ منظور نہیں ہوئی ہے۔ توبہ جاری رکھو۔ کیا تمہیں غریب ہونے کا اندیشہ تو نہیں ہے؟ اس کا ذرا خیال رکھو۔ کیا تم خوف زدہ تو نہیں رہتے کہ تمہارے بچوں کا کیا بنے گا؟ یہ ایمان میں کمی کی باتیں ہیں۔ کیا کبھی آپ کو یہ خیال تو نہیں آتا کہ لوگ اندر ہی اندر میرے خلاف سازشیں کرتے ہیں؟ یہ ایمان کی کمی ہے۔ ایمان کی کمی جو ہے وہ غریبی کے اندیشے سے شروع ہوتی ہے اور وہ بدگمانی تک رہتی ہے یعنی کہ انسانوں پر اعتبار نہ رہے اور اپنے آپ پر اعتبار نہ ہو۔ اگر ایسا ہے تو سمجھو کہ آپ کا اسلام دقت میں ہے۔ ان باتوں کو ذرا تنہائی میں سوچو۔ آپ کی زندگی جس حالت میں موجود ہے کیا اس حالت میں آپ رخصت ہونے کے لیے تیار ہیں یا ابھی کوئی چیز کرنا باقی ہے۔ اگر آپ کے یہاں سے رخصت ہونے میں کوئی دِقت ہے، رکاوٹ ہے تو سمجھو کہ آپ کی زندگی اندیشے میں ہے۔ تو اچھا مسلمان وہ ہے جو ہر حالت میں تیار رہے، لبیک کہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عزرائیلؑ آ جائے کہ تیاری کرو چلنے کی اور آپ کہیں کہ ٹھہر جاؤ، ابھی دو چار کام کرنے ہیں۔ یہ کام کب ختم ہوں گے؟ دل والوں کے کام ختم ہو چکے ہوتے ہیں، پہلے دن ہی۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں ناں؟ اس لیے آپ توبہ شروع کرو، پھر اپنے

اسلام میں داخل ہونا شروع کرو، کثرتِ مال سے بچنے کی کوشش کرو، کثرتِ مال کی تمنا سے بچنے کی کوشش کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے سے بچاؤ۔ یہ بہت ضروری ہے۔ اسلام میں داخل ہونے کا فائدہ ہی یہی تھا۔ پہلے جو غیر مسلم ہوتے تھے انہیں جب مسلمان دعوت دیتے تھے تو وہ پوچھتے تھے کہ ہمیں کیا ملے گا؟ وہ کہتے تھے تمہیں آگے آسانی مل جائے گی، جنت مل جائے گی اور یہاں بھی آسانی مل جائے گی۔ تو آپ آسانی لو۔ آسانی یہ ہے کہ جو کارساز ہے وہ تمہارا کام کرے گا اور تم اطمینان سے بیٹھے رہو۔ تمہارے ہاتھوں سے کسی مومن کا نقصان نہ ہو، اس طرح تمہارا نقصان نہیں ہوگا۔

سوال:-

حکم یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز کا ستائیس گنا ثواب ہے لیکن گھر میں کیفیت زیادہ ملتی ہے......

جواب:-

آپ بات کو سمجھیں۔ جماعت سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ نماز پڑھیں جن کے ساتھ شانہ بہ شانہ آپ کی زندگی گزر رہی ہے لیکن جن لوگوں کے ساتھ آپ کی شانہ بہ شانہ مخالفت چل رہی ہے ان کے ساتھ آپ کی جماعت ہی نہیں۔۔ وہی تو لوگ ہیں جو آپ کے مخالف ہیں اور آپ کی مسجد پہ چھائے ہوئے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جب آپ کی آپس میں بنتی نہیں ہے تو آپ کی جماعت تو ٹوٹ گئی۔ اب یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ اکیلے پڑھوں یا مل کے۔ آپ تو یوں گھبرائے بیٹھے ہیں جیسے آپ کو بات سمجھ نہیں آئی۔ مدعا یہ ہے کہ اگر محبت نہ ہو،

جماعت سازی نہ ہوتو مل کے نماز کیسے پڑھ سکتے ہو۔ اگر ان لوگوں سے نفرت ہوتو جماعت کیسے ہوگی۔ جماعت تو آپ توڑ بیٹھے ہیں۔ جماعت تو ایک تھی یعنی اسلام۔ اوراب آپ کی جماعتوں میں تفریق ہوگئی۔ آپ کی مسجد میں اونچی آواز میں ''آمین'' کوئی نہیں بول سکتا۔ آپ کہیں گے کہ ہم توالصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ ﷺ کہیں گے۔ جس مسجد میں اونچی آواز میں آمین کہتے ہیں کیا اس میں الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ ﷺ کہہ سکتے ہیں؟ وہاں کوئی نہیں کہتا۔ تو یہ فرق ہوگیا ناں۔ مقصد یہ کہ اس مسجد کے جولوگ ہیں وہ سارے کے سارے ہم خیال بلکہ آپ کے ساتھ ہم رائے ہونے چاہییں۔ پھر تو جماعت خود بخود بن جاتی ہے۔ صرف مدعا یہ تھا کہ کوئی آدمی جماعت سے نہ ٹوٹے۔ تو وہی جماعت کارگر تھی۔ مثلاً جو محلے کی جماعت تھی، وہ محلے کے کام کرتی تھی اور محلّہ اس کے دم سے آباد تھا۔ سارے نوجوان مسجد میں اکٹھے ہوجاتے تھے' پانچ وقت کے لیے اکٹھے ہوتے تھے۔ اگر دووقت بھی اکٹھے ہوجائیں تو بھی محلے کے مسائل بیان ہوسکتے ہیں۔ اس طرح محلے کے مسئلے ٹھیک ہوجائیں گے۔ یہی تو اب نقصانات کے ذمہ دار ہیں۔ اب مسجد کی جو کمیٹی ہوگی اس کے اندر خرد برد ہوجائے گی' امام مسجد خرد برد کردے گا۔ تو آپ اللہ اللہ کرو۔ یہ نہ کہنا کہ میں اب سوچ رہا ہوں کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کروں۔ یہ بجا ہے' جماعت کے ساتھ پڑھا کرو' جماعت کے ساتھ پڑھنی چاہیے مگر جب آپ کو ان لوگوں سے محبت ہو' ان کے لیے عافیت ہو۔ اگر یہ نہ ہوتو پھر کیسے جماعت بناؤ گے۔

سوال:-

سارے لوگ مختلف خیال رکھتے ہیں۔

جواب:-

مختلف الخیال ہونے کی وجہ سے تو جماعت نہیں بنی۔ یہی تو بتا رہا ہوں کہ جماعت نہیں بنی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان کو Address کیا ہے' اکیلے کو' امتِ واحدہ کو۔ اور آپ واحد نہیں رہے۔ آپ تو یہ سمجھیں کہ کیا دِقت ہوئی پڑی ہے۔ اس لیے یہ دعا کرو کہ قوم جب ایک بن جائے گی تو جماعت خود بخود ہی بن جائے گی۔ آپ کے ساتھ اور کیا ہوا ہے سوائے اس کے کہ جماعت ہی تو ٹوٹی ہے آپ کی۔ اور جماعت ہی تو بنائی ہے آپ نے۔ اب جماعت بننے کا وقت آنا چاہیے اور وہ آ گیا ہے۔ تو جماعتیں توڑ دو۔ پھر کیا بن جائے گا؟ ایک جماعت۔

سوال:-

ان سب کو توڑ تو نہیں سکتے بلکہ الگ ہو سکتے ہیں۔

جواب:-

جب الگ ہونے والے اکٹھے ہو جائیں گے تو بہت ساری جماعتیں ٹوٹ جائیں گی۔ صرف الگ کرنا ہے' چھوڑنا تو نہیں ہے۔ ان سے یہ کہنا کہ کسی فرقے سے تعلق نہ رکھو بلکہ ایک فرقہ ہے اور وہ اللہ والا ہے۔

سوال:-

اگر جوڑ توڑ والے سارے اکٹھے ہو گئے تو؟

جواب:-

پھر تو آپ مارے گئے' آپ اندیشہ نہ کریں کہ یہ کیسے ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کام ہیں' سب ہو جائے گا۔ آپ اس بات کو چھوڑیں۔ اور جماعت نہ بنائیں۔ یہ نہ کہنا کہ ان کو کیسے ٹھیک کریں۔ ان کو ٹھیک نہیں کرنا بلکہ آپ نے ٹھیک ہونا ہے۔ یہیں سے تو جماعتیں ٹوٹی ہیں کہ ایک آدمی اصلاح کرنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ مولانا رومؒ نے ایک کہانی بیان کی ہے کہ ایک بادشاہ کا باز تھا' وہ کسی بڑھیا کی جھونپڑی میں چلا گیا۔ بڑھیا رحم دل تھی' اس نے کہا یہ تو بڑا زخمی ہے' اس کے تو ناخن بڑھے ہوئے ہیں۔ تو اس کے ناخن کاٹ دیے۔ پھر اس نے دیکھا کہ اس کے پَر بڑے خراب لگ رہے ہیں تو پَروں کی اصلاح کر دی' ٹھیک ٹھاک کر کے کاٹ دیے۔ پھر کہنے لگی کہ تیری چونچ بھی مڑی ہوئی ہے' اس کو بھی ٹھیک کر دیتے ہیں۔ تو وہ جو باز تھا' شہباز تھا اس کو بڑھیا نے اُلو بنا دیا۔ تو شہباز تو ہوتا ہی ایسے ہے' تم اُسے ویسے ہی رہنے دو۔ آپ سے میں یہی بات کر رہا ہوں کہ آپ مسلمانوں کی اصلاح نہ کریں۔ اصلاح کرنے والوں نے ہی جماعتیں بنائی ہیں۔

سوال:-

اگر ہم اصلاح نہیں کر سکتے تو علیحدہ تو بیٹھ سکتے ہیں؟

جواب:-

آپ اپنے آپ کی اصلاح کریں اور دعا کریں کہ یا رب العالمین ان کو اکٹھا کر دیں۔ آپ نے اور کچھ نہیں کرنا۔ یہ مہربانی کرو۔ جب بھی آپ کچھ کریں گے غلطی کریں گے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ مہربانی کریں' آرام کریں اور سب کے

لیے دعا کریں کہ یارب العالمین مسلمانوں میں ایک وحدت پیدا فرما۔ اللہ خود ہی یہ پیدا فرمائے گا۔ آپ لوگوں کو تبلیغ سے بچاؤ۔ مسلمان مسلمانوں میں تبلیغ نہ کریں بلکہ مسلمان مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ تو تبلیغ نہ کرو۔ آپ کی زندگی کا آدھا سفر تو ہو چکا ہے۔ پتہ نہیں دنیا کی کتنی زندگی رہتی ہے' دو چار ایٹم بم چل گئے تو سب ختم ہو جائے گا۔ اب جو کچھ ہے اس میں نئی زندگی بنا لو' ماضی کو کچھ نہ کہو۔ اگر سلسلہ قادریہ چلا ہوا ہے' ایک آدمی قادری ہے تو جو کچھ ہو چکا ہے اس کو تو رہنے دو۔ اب کسی سلسلے کو ماضی کے حوالے سے دوبارہ کچھ نہ کہو۔ یہ آج کل جو نو وارد علومِ دین والے ہیں وہ کسی پرانے واقعے کو اس انداز سے بیان کریں گے کہ مسلمانوں میں انتشار ہو مثلاً کربلا کا واقعہ۔ یہ آج کل کے مولوی کا فن ہے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے۔ آپ کو بات سمجھ آئی؟ یہ فتنہ شروع نہ کرو۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ جو ہو چکا ہے وہ ٹھیک ہے۔ میرا مطلب ہے کہ جو سارا ماضی آ چکا ہے اس کو چھوڑ دو۔ اب کی بات کرو۔ حال کی بات کرو۔ اس لیے بعض عالم دین جو حصہ ماضی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں وہاں شرارت ہوتی ہے۔ وہ ماضی کی ایسی بات پیدا کریں گے کہ حال پریشان ہو جائے گا۔ لہٰذا ماضی کو As it is قبول کر لو۔ یہ جو کچھ ہے یہ ہمارا ہی ماضی ہے۔ اب ہم حال کے حوالے سے چلتے ہیں' جتنے کلمہ پڑھنے والے ہیں یہ سب مسلمان ہیں' یہ سب مل کے کوئی اسلامی کام کریں۔ 1947 میں کیا اچھا واقعہ ہوا تھا؟ ایک اسلامی کام ہو گیا۔ اس لیے قائداعظم سب سے بڑا مسلمان تھا۔ اس نے تہجد نہیں پڑھائی' نماز نہیں پڑھائی' ذکر کی محفل نہیں کرائی بلکہ ایک اسلامی کام کر دیا' اسلام کی ایک جماعت بنا دی۔ کون سی جماعت؟ Creation

of a country تو ایک کنٹری بن گیا۔ اب آپ یہ بات دیکھیں کہ وہ کیا واقعہ تھا۔ یا پھر مخالف یہ کہیں گے کہ قائداعظم نے گمراہی پیدا کی، کہ جس آدمی میں اتنا اسلامی شعور نہ ہو کہ اس وقت داڑھی رکھ لیتا اور ملک اس وقت اس کے حوالے کرتا جو اسلام میں سب سے اچھا تھا۔ تو کئی لوگ مخالف تھے۔ مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد کو یہ دِقت تھی کہ یہ لوگ اسلام نافذ نہیں کر سکتے، اگر یہ لوگ اسلامی ملک بنا رہے ہیں تو پھر خیر نہیں ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ ان میں اسلامی تشخص نہیں ہے۔ جب اسلامی عمل ختم ہو جائے تو اسلامی تشخص کا کیا کرنا۔ پہلے آپ ان بزرگوں کو سلام کریں جو اسلامی تشخص لے کے بیٹھے ہیں اور ان لوگوں کو بھی پہچانیں جو کہ اسلامی عمل کر گئے۔ پھر دونوں کو ملا دیں۔ یہ مسئلے کا حل ہے۔ اس طرح تشخص بھی اسلامی ہو گا اور عمل بھی اسلامی ہو گا۔ سٹیٹ بھی بن جائے اور روحانی سٹیٹ بھی ہو جائے۔ پھر اسلامی عمل اسی طرح ہو گا جس طرح کہ ہونا چاہیے۔ اس طرح اگر ہو گیا تو پھر مسئلہ حل ہو جائے گا۔ یعنی کہ اچھا عالم دین ہو، مشائخ کرام میں بھی اچھا ہو اور اچھا اسلامی عمل کر جائے اور سٹیٹ کے اندر بھی اچھا انسان ہو۔ تو مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ تو رہنما کیسا آدمی ہو؟ اسلام سے صحیح معنوں میں باخبر ہو، ظاہر سے اور باطن سے باخبر ہو، سٹیٹ کے معاملات کو درست کر جائے اور سب لوگوں میں اجتماع پیدا کر جائے۔ ایسے آدمی کی ضرورت ہے۔ ایسے آدمی کے لیے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کو ایسا آدمی دے۔ تب جا کے آپ کے مسئلے مسائل حل ہوں گے۔

سوال:۔

لوگ روتے مر گئے اس کی تلاش میں......

جواب :-

آپ نے ڈھونڈا ہی نہیں۔ آپ اُسے ڈھونڈیں ۔ اپنا عمل نہ کریں۔ صرف دعا کریں۔ ڈھونڈنا نہیں ہے بلکہ صرف دعا کرنی ہے آپ نے۔ کیا دعا کرنی ہے آپ نے؟ کہ اللہ ایسا آدمی پاکستان کو دے۔ تو ڈھونڈ نے نہ نکلنا کہ دس آدمی جماعت بنا کے ڈھونڈ نے چل پڑیں۔ ایسا آدمی اللہ تعالیٰ پاکستان کو ضرور عطا فرمائے گا۔ یہ آپ کو میں بتا رہا ہوں۔ پھر سارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ آپ کو بات سمجھ آئی کہ کیسا آدمی ہو؟ جتنے مشائخ کرام ہیں ان سب میں بہتر ہو یا اس لیول کا مشائخ کرام میں سے ہو علماء دین میں عالم دین ہو اور مفکروں میں مفکر ہو اور نیشن میں ایک اجتماع پیدا کر دے۔ اجتماع پیدا کرنا اس طرح آسان ہے کہ اگر کوئی زلزلہ آ جائے تو سارے اکٹھے ہو جاتے ہیں' دریا آ جائے تو اکٹھے ہو جاتے ہیں' حادثہ ہو جائے تو سارے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ تو یہ قوم اکٹھی تو ہو سکتی ہے اگر کوئی مصیبت آ جائے' اگر ہندوستان کے بارڈر سے کوئی توپ چل جائے تو سب بھائی بن جاتے ہیں۔ آپ کو یاد ہے ناں 1965ء میں سترہ دن کوئی چوری نہیں ہوئی تھی۔ ہر جگہ ذکر فکر شروع ہو گیا' تھانوں میں ایف آئی آر درج ہونا بند ہو گئے۔ تو اللہ کی طرف سے وہ چیز پیدا ہو گئی۔ اور ایسا بھی ہوا کہ ایک دفعہ زلزلہ آیا' لوگ گھروں سے باہر نکل آئے اور چور اندر جا کے گھروں سے چوری کر آئے۔ یہ 1956ء کی بات ہے۔ اس لیے یہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ زمانہ آئے جو آپ نے ابھی نہیں دیکھا' وہ زمانہ آ جائے تو پھر دلوں میں ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ ہو جاتا ہے۔ یہ زمانہ 1947ء میں تھا اور 1965ء میں چند دن رہا ہے۔ آپ کی کوشش سے

کبھی دل قریب نہیں آتے بلکہ یہ اللہ کے فضل سے قریب آتے ہیں۔ اس لیے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے اور دل دلوں کی قریب آئیں، لوگ تبلیغ کرنا بند کردیں اور ایک دوسرے سے محبت کرنا شروع کردیں۔ اللہ تعالیٰ فضل کرے۔

اور کوئی بات؟ کچھ پوچھ لو......

سوال:-

جو کچھ آپ نے فرمایا اس میں یکسوئی کیسے پیدا کریں؟

جواب:-

یکسوئی ضرور پیدا کریں۔ تنہا بیٹھا کریں، یکسوئی پیدا ہوگی۔ اللہ کے فضل کو مانگا کریں اور اپنے باطن پر توجہ کیا کریں، اپنے دل پر توجہ کیا کریں۔ یہ دعا کرنی ہے کہ اللہ تعالیٰ یکسوئی عطا فرمائے۔ یہ اچھی بات ہے۔ اگر محلے میں تھیٹر لگ رہا ہے تو یہ سمجھو کہ آپ کی اولادوں کے گمراہ ہونے کا وقت آ گیا۔ جو کچھ ہو رہا ہے اگر اس کی اصلاح نہ ہوئی تو اس کی وجہ سے آپ کی اولادوں پر بڑا مشکل وقت آئے گا۔ قوم کو وی سی آر پر لگا دیا گیا ہے، قوم کو لگا دیا گیا ہے پیسے کے پیچھے۔ سمجھ دار بندہ بھی بھاگا جا رہا ہے، آگے آگے پیسہ اور پیچھے پیچھے بندہ۔ ہوس اور زر پرستی آ گئی ہے۔ اچھے بھلے کاروبار والے بھی جھوٹ بولنا شروع کر دیتے ہیں۔ فیشن کے طور پر لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ گول مول بات کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ یہ ساری کی ساری فتنہ فساد کی کہانی ہے۔ آج کل کا آدمی اپنے آپ کو اپنی ہستی سے غریب دکھاتا ہے۔ اگر اللہ کا فضل ہے، کافی ملا ہوا ہے تو آرام سے گزارہ کرتے جاؤ۔ بہر حال آج کل کا انسان پریشان ہے اور دِقت میں ہے۔ تو یہ اسلام کی اور

مسلمانوں کی بات ہے۔ اس لیے اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسکین نازل ہو تو پھر بات بنے گی۔ دعا کرو کہ آپ کو تسکین مل جائے۔ ورنہ تو یہ سارے کا سارا نظام معطل ہوا پڑا ہے۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ آپ کی محافظ فوج ہے لیکن کہتے ہیں کہ آپ محفوظ نہیں ہیں۔ نگران پولیس ہے مگر ہر طرف ڈاکو پھرتے ہیں۔ بچوں کو کالج بھیجو تو یہ جھگڑا کرتے ہیں، سڑکوں پہ دیکھو تو جھگڑا کر رہے ہیں، بس والے کو یا ویگن والے کو باہر نکال کے آپس میں لڑتے جاتے ہیں۔ قوم کو تو بنانا تھا مگر قوم نہیں بنی۔ قوم، قوم نہیں بنی اور لوگوں نے اسلام سے یہ فائدہ اٹھایا کہ انہوں نے پیسے بنانے شروع کر دیے۔ قوم کی تعمیر نہیں ہوئی ہے۔ مشائخ کرام کا جو رُوحانی فرض تھا وہ بھی پورا نہیں ہوا۔ علمائے دین آپس میں جھگڑتے ہیں، یہ مسجد تیری ہے وہ مسجد میری ہے، ایک کہتا ہے ''حق باہو مسجد'' دوسرا کہتا ہے ''چار یار مسجد'' ایک اور کہتا ہے ''اللہ والی مسجد''۔ یہاں ایک کانفرنس ہوئی تھی ''یا رسولؐ اللہ کانفرنس'' اور دوسری تھی ''محمد رسولؐ اللہ کانفرنس''۔ اب دونوں میں فرق ہے۔ اگر کہیں کہ ایک ہی بات ہے تو وہ کہیں گے کہ ''یا رسولؐ اللہ'' والے اور لوگ ہیں ''محمد رسولؐ اللہ'' والے اور لوگ ہیں۔ یعنی کہ مسلمانوں کے ساتھ ایسا واقعہ ہوا پڑا ہے۔ ورنہ تو یہ بڑی آسان سی بات ہے کہ جو شاہی مسجد کا خطیب ہو وہ شہر کا بھی امام ہو، پھر وہ قاضی سارے مسئلے حل کرتا جائے۔ اگر ایک جیسے ہوں تو۔ کیونکہ ایک جیسے نہیں ہیں، اس لیے کام نہیں بنا۔ اس لیے یہ ساری دِقت ہوئی پڑی ہے۔ ان لوگوں کو اسلام پہ لگایا ہوا ہے اور انگریزی سکولوں کے پڑھے ہوئے آج بھی حکومت کریں گے۔ آپ کو یہ سمجھایا ہوا ہے کہ اپنے بچے اسلامی سکولوں میں پڑھایا کرو۔ اس لیے یہ فرق پڑ گیا ہے۔ دعا یہ

کرو کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو آسان فرمائے۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں میں خلوص پیدا کرے اور آپ وہ دَور دیکھیں جس دَور کے لیے پاکستان بنایا گیا۔ ابھی وہ دَور نہیں آیا اور آپ کو وہ دَور دیکھنا چاہیے۔ ابھی تو یہاں کے رہنے والے نفرت میں پڑے ہوئے ہیں' دعا کرو کہ آپس میں محبت پیدا ہو۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ آپ کو پیسے کی محبت سے آزاد کرے' اس ضرورت سے بھی آزاد کرے۔ بہت پیسہ اکٹھا نہ کرنا۔ بس گزارہ کرو۔ اللہ تعالیٰ آپ کا گزارہ کرائے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ آپ کے پاس فالتو پیسہ کبھی جمع نہ ہو۔ فالتو پیسہ جمع کرنے کی ضرورت نہیں ہے' گزارہ ہونا چاہیے۔ اور آپ کو کوئی دِقت نہ ہو اور پیسے کی کمی محسوس نہ ہو۔ پیسے کو محبت کے طور پر جمع کرنا اور غرور کے لیے جمع کرنا جو ہے اس کی میری طرف سے کوئی اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو زندگی میں آسانیاں عطا فرمائے اور آپ کو آگہی عطا فرمائے۔ تو پیسے سے آزاد ہو جاؤ اور آگہی حاصل کرو۔ نہ آپ کا اللہ پیسے سے مرعوب ہوتا ہے اور نہ نبی کریم ﷺ کو پیسوں کی تمنا ہے' تو ان کے علاوہ آپ کی زندگی کیا ہے۔ آپ نے وہاں جانا ہے یا یہاں پر کسی سے مقابلہ کرنا ہے۔ سفر تو ادھر کا ہے۔ اس لیے اپنی اصلاحِ باطن کرو۔ اللہ تعالی ساری آسانیاں عطا فرمائے۔

آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

توبہ

- اگر اپنا گھر اپنے سکون کا باعث نہ بنے تو توبہ کا وقت ہے۔
- اگر مستقبل کا خیال ماضی کی یاد سے پریشان ہو تو توبہ کر لینا مناسب ہے۔
- اگر انسان کو گناہ سے شرمندگی نہیں تو توبہ سے کیا شرمندگی۔
- توبہ منظور ہو جائے تو وہ گناہ دوبارہ سرزد نہیں ہوتا۔
- جب گناہ معاف ہو جائے تو گناہ کی یاد بھی نہیں رہتی۔
- گناہوں میں سب سے بڑا گناہ توبہ شکنی ہے۔
- توبہ کا خیال خوش بختی کی علامت ہے کیونکہ جو اپنے گناہ کو گناہ نہ سمجھے وہ بدقسمت ہے۔
- نیت کا گناہ نیت کی توبہ سے معاف ہو جاتا ہے اور عمل کا گناہ عمل کی توبہ سے دور ہو جاتا ہے۔
- اگر انسان کو اپنے خطاکار یا گناہ گار ہونے کا احساس ہو جائے تو اسے جان لینا چاہیے کہ توبہ کا وقت آ گیا ہے۔
- اگر انسان کو یاد آ جائے کہ کامیاب ہونے کے لیے اس نے کتنے جھوٹ بولے ہیں تو اسے توبہ کر لینی چاہیے۔

واصف علی واصفؒ

تصانیف واصف علی واصفؒ

مطبوعات کاشف پبلی کیشنز

کاشف پبلی کیشنز

301-A' جوہر ٹاؤن-لاہور

http://www.wasifaliwasif.org